سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تالیف

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی مدظلہ العالی

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

سُلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

محبوبِ الٰہی

رحمۃ اللہ تعالیٰ

سبحانہ عز شانہ

حالاتِ زندگی، اخلاق و کردار، کشف و کرامات
تعلیمات اور نامور خلفاء کا تذکرہ

تالیف

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی مدظلہ العالی

ایم اے، پی ایچ ڈی

پرنسپل شمس العلوم، گھوسی انڈیا

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ✽ محبوبِ الٰہی......

✽ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

از قلم ✽ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

مطبع ✽ ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

الطبع الاوّل ✽ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ / مارچ ۲۰۰۲ء

ہدیہ ✽ [redacted] روپے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر Email:info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com

سلسلہ اشاعت ۱

فہرست مضامین

باب دوم

مرشد کامل حضرت خواجہ

باب سوم

(الف) حیات سلطان المشائخ خواجہ

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

شرف انتساب

محترمہ والدہ ماجدہ صاحبہ کے نام

محمد عاصم اعظمی

تصنیف و مصنف ایک جائزہ

لمبا قد، گورا رنگ، چھریرا بدن، چہرے پر داڑھی کی بہاریں، چوڑا پائجامہ، کلی دار کرتا، کبھی شیروانی، سر پر خوبصورت ٹوپی، آنکھوں پر چشمہ جس سے علمی وقار عیاں، گفتگو میں متانت، اہل علم سے قربت، جہالت و سفاہت سے نفرت، دوستوں میں بے تکلفی، ہر معاملہ میں سنجیدگی، مطالعہ کتب کا شوق، گھر کو لائبریری میں منتقل کرنے کا ذوق، ہر قسم کی کتابوں کے جمع کرنے کی فکر، چاپلوسی سے چڑھ، ارباب تحقیق کے رہبر، خلوص و محبت کے پیکر...... یہ ہیں حضرت علامہ و بالفضل اولیناڈاکٹرالحاج محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی دام ظلہ العالی۔

محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع مئو ایک زمانہ سے علم وادب کا گہوارہ رہا ہے۔ صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت) خیر الاذکیاء علامہ غلام یزدانی، شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی، استاذ العلماء علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی اسی محلہ کی پیداوار اور اپنے اپنے دور میں یکتائے روزگار رہے ہیں۔ ڈاکٹر عاصم اعظمی بھی اسی علمی گہوارہ میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قبلہ امجدی کے گھر ۷ ارجون ۱۹۵۱ء میں جلوہ گر ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب کے والد گرامی اپنے پیر و مرشد حضور صدر الشریعہ کے حسب حکم چالیس سال تک دینی، علمی خدمات کے لئے پالی مارواڑ راجستھان میں مقیم رہے سال میں چند بار ہی آتے تھے وہ بھی چند یوم کے لئے، لہٰذا بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدہ محترمہ کے سپرد رہی، بفضلہٖ تعالیٰ انہوں نے اپنی ذمہ

داریوں کو بطریق احسن نبھایا، انہیں کی تربیت کا فیضان ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے درجات پرائمری سے درس نظامیہ کی تکمیل مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں کرنے کے ساتھ الہ آباد بورڈ اور جامعہ اردو علی گڑھ کی جملہ اسناد حاصل کرنے کے باوجود قناعت نہ کیا بلکہ بی-اے، ایم اے، بی ٹی ایچ، ایم ٹی ایچ، پی ایچ ڈی کی ڈگریاں گورکھپور، علی گڑھ، پٹنہ کی دانش گاہوں سے حاصل فرمایا۔

۱۹۷۲ء سے شمس العلوم گھوسی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں مگر کبھی اپنے کو ملازم محض نہ سمجھا بلکہ ہمہ وقت ادارہ کے لئے ترقی کی نئی راہوں کے متلاشی رہے اور اوقات درس کے علاوہ بھی قوم کے نونہالوں کو زیور علم سے مرصع ومزین کرنے کی عملی تدبیر میں مصروف کار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ میں جہاں مدرسین ومقررین کی بڑی تعداد ہے وہیں ڈاکٹروں وقلم کاروں کی لمبی فہرست بھی ہے۔ شمس العلوم گھوسی میں مدرسہ کی لائبریری کے علاوہ پبلک لائبریری بنام، کہکشاں لائبریری، انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے جس میں مختلف مضامین کی وافر مقدار میں معیاری کتب دستیاب ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی قلمی صلاحیت فطری ہے، زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کے مضامین ومقالات جرائد ورسائل کی زینت بنتے رہے ہیں۔ ہاں باقاعدہ طور پر تصنیفی شغل بہت پرانا نہیں ہے پھر بھی "حدیث نبوی کے اردو تراجم" "حدیث نبوی چند مباحث ومسائل" "داستان حرم ابتلاو آزمائش کے تناظر میں" "سلطان الہند خواجہ غریب نواز" زیور طبع سے آراستہ ہو کر عوام وخواص میں قبولیت کی سند حاصل کرچکی ہیں۔ اور "تذکرہ خلفاء راشدین" طباعت کی منزل سے گزر کر اشاعت کی منزل سے قریب تر ہے! غیر مطبوعہ کتب بھی نصف درجن سے کم نہیں ہیں، ان میں "تاریخ داؤدی" جسے فارسی سے اردو کا جامہ پہنایا ہے ڈاکٹر صاحب کی پہلی کاوش ہے مگر افسوس اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ اگر سرکاری

اکیڈمیاں اس جانب متوجہ ہوتیں تو اس علمی سرمایہ سے اہل علم طبقہ مستفید ہوتا۔ ویسے ہر کام کا ایک وقت ہے اگر خدا کی مرضی ہوئی تو اس کا وقت بھی جلد آجائے گا۔

"حضرت محبوب الٰہی"......ہندوستان کے عظیم روحانی رہبر ورہنما حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بدایونی ثم دہلوی کی حیات وخدمات پر مشتمل اہم دستاویز ہے۔ چھ ابواب پر مشتمل یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی تصنیف "سلطان الہند خواجہ غریب نواز" کے ساتھ اس کو ضم کر دیا جائے تو مشاہیر خواجگان چشت کی حالات وخدمات کا روحانی تذکرہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے خواجگان چشت پر تحقیقات کرنے والوں کے لئے یہ کتاب معاون ومددگار اور ماخذ ومراجع کی جانب رجوع کرنے کے لئے مشعل راہ ہے۔ اس کتاب کی زبان عام فہم ہونے کے باوجود ادبی چاشنی سے بھرپور ہے۔ اس لئے ہر طبقہ اس سے مستفید ہوگا۔ صوفی ودیندار، اصحاب روحانیت کو اپنے لئے نمونہ عمل بنائے گا۔ واعظ وخطیب اس کے مضامین سے اپنی خطابت کا جوہر دیکھائے گا۔ ادیب وقلم کار اسے اپنے لئے معیار بنائے گا، عام انسان اس میں مذکور واقعات کو دل کے نہاں خانہ میں جگہ دے گا۔

راقم الحروف نے قوم وملت کی فلاح وبہبود کے لئے ایک تحریک کی بنا پانچ سال قبل ڈالا تھا جس کا مرکز بنام مجمع فضل حق الاسلامی (فضل حق اسلامک اکیڈمی) پرتاول چوک ضلع مہراج گنج یوپی میں مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت مورخہ ۲۲ر ستمبر ۱۹۹۹ء کو قائم کیا۔

(۱) نوجوان نسل میں مذہبی بیداری پیدا کرنا اور بدعات وخرافات کا قلع قمع کرنا (۲) مجاہدین اسلام کے حالات وخدمات پر سمپوزیم وسیمینار منعقد کرنا (۳) ان بزرگوں کی حیات وخدمات پر تحقیقی لٹریچر تصنیف کرنا جن پر تاہنوز کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ (۴) اکابر اہل سنت کی قدیم کتابوں کی تسہیل وتلخیص اور غیر

محشّی کتابوں پر حاشیہ نگاری (۵) نوجوان علماء کی خوابیدہ قلمی صلاحیتوں کو بیدار کرنا (۶) طلبہ کے اندر ذوق مطالعہ اور تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور حسب ضرورت اسکالرشپ فراہم کرنا۔

بفضلہٖ تعالیٰ مذکورہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اکیڈمی شب وروز کوشاں ہے۔ نوجوان علماء قریب ہورہے ہیں، مختلف مدارس کے طلبہ واساتذہ قلمی میدان میں اتر رہے ہیں۔ سمپوزیم کا سلسلہ جاری ہے، اسکول وکالج کے طلبہ مذہبی کتب ورسائل اور دینی پروگرام میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

اگرچہ اس طرح کے تعمیری اداروں میں مالی تعاون پیش کرنے کا مزاج ہماری قوم میں نہیں ہے پھر بھی ہم مایوسی کا شکار ہوئے بغیر اس امید پر آگے بڑھ رہے ہیں کہ خدمات کا صلہ رب ذوالجلال ضرور عطا فرمائے گا وہی ہر کار خیر کی توفیق بخشنے والا ہے وھو حسبی ونعم الوکیل۔ اکیڈمی کا پہلا اشاعتی کارنامہ ''حضرت محبوب الٰہی'' ہے۔ رب ذوالجلال اسے قبولیت عطا فرمائے اور اس کے مصنف کو اپنے محبوبان بارگاہ کے صدقہ وطفیل میں دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔

عبدالحکیم نوری

بانی فضل حق اسلامک اکیڈمی پرتاول چوک ضلع مہراج گنج (یوپی)

۳ر رمضان ۱۴۲۰ھ

حرف چند

اے بتو روز وشب جہاں روشن بر رخت چشم عاشقاں روشن
بحدیث تو کام دل شیریں بجمال تو چشم جاں روشن

شمالی و مشرقی ہندوستان میں مسلم حکومت کی تاسیس کے دور اول ہی سے خانوادہ چشت کے عظیم روحانی سلسلہ کی داغ بیل پڑی، مسلمان بادشاہوں کے سیاسی تدبران کی سپاہ کی جانبازی اور عمال وامراء حکومت کی تنظیمی صلاحیتوں سے ایک وسیع وعریض مسلم حکومت کی پناہ میں مستحکم ہوئیں۔ وہیں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ اور ان کے خلفاء ومریدین کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے طول وعرض میں اسلام کا ابدی پیغام پہنچا شرک وکفر کی قلمرو میں توحید ورسالت اور ایمان وعمل کا غلغلہ بلند ہوا۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی علیہ الرحمتہ والرضوان ہندوستان میں خانوادہ چشت کے چوتھے سربراہ ہیں جنہوں نے اپنے پیش رو اکابر طریقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے روحانی واصلاحی مشن کو فروغ دینے کے لئے اپنی زندگی وقف کردی اور اپنے عظیم روحانی واخلاقی کارناموں کے ذریعہ تصوف وروحانیت کی تاریخ میں وہ منفرد وممتاز مقام حاصل کرلیا جہاں تک سلوک ومعرفت کی خال خال ہستیاں ہی پہنچتی ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ کی دلآویز روحانی شخصیت اور آپ کے دینی واخلاقی کارناموں کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی سابق صدر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی کا اجمالی تعارف ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جس سے حضرت محبوب الٰہی کی برگزیدہ علمی ودینی روحانی واخلاقی شخصیت کے خدوخال روشنی میں آتے ہیں۔ ہندوستان کی تمدنی اور روحانی

تاریخ میں شیخ نظام الدین اولیاء کی شخصیت اور ان کے کارناموں کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے انہوں نے کم و بیش نصف صدی دارالسلطنت دہلی میں بیٹھ کر انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرونے اور خالق کائنات سے ان کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے میں بسر کی تھی۔ اپنے پیر و مرشد بابا فرید گنج شکر کی طرح وہ سیتے اور جوڑتے تھے گریبان کا چاک ہو یا ٹوٹا ہوا دل جوڑنے میں ان کو ایک روحانی کیف محسوس ہوتا تھا وصل، نفاق کے مقابلہ میں نفرت کے مقابلہ میں محبت کو انہوں نے مطمح نظر بنایا تھا اور اسی کے لئے رات اور دن جدوجہد کرتے تھے، انہوں نے مذہب کا وہ انقلابی تصور پیش کیا تھا جس میں خدمت خلق کو دینی عبادت کا درجہ حاصل ہو گیا تھا، انہوں نے خود کبھی کسی بادشاہ کے آستانہ پر حاضری نہیں دی بلکہ درباری ماحول اور اثرات سے اپنے آپ کو استاد دور رکھا کہ ان کی خانقاہ دہلی میں ہوتے ہوئے بھی سلطنت دہلی کا حصہ نہ بن سکی، یہاں کی زندگی دوسرے ہی اصولوں پر مرتب ہوتی تھی، شاہی احکام یہاں کی خاموش روحانی فضا پر اثر انداز ہونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے سلطان اور سیاست دونوں سے علیحدہ رہ کر انہوں نے آدم گری کا کام انجام دیا اور روحانی جذبے سے سرشار انسانوں کی ایک ایسی نسل پیدا کر دی جس نے اپنی زندگی کو اخلاقی اور روحانی اقدار کی چاکری میں لگا دیا، ان کی خانقاہ سے انسانیت، روحانیت اور انسان دوستی کے سوتے پھوٹ کر سارے ملک میں پھیل گئے۔ (شیخ نظام الدین اولیاء صفحہ ۸-۷)

گزشتہ سال جب میں صاحب سلسلہ بزرگوں کے حالات زندگی اور کارناموں کی ترتیب کا کام کر رہا تھا جب سلسلہ نظامیہ کے بانی سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی حیات و خدمات کی ترتیب کے لئے مصادر مآخذ کا مطالعہ شروع کیا، مواد کی فراوانی اور حضرت والا کی عظیم شخصیت کے پیش نظر مختصر حالات کے بجائے ایک مفصل کتاب تیار کرنے کا ارادہ کر لیا، حضرت محبوب الٰہی کا باطنی فیض ہے کہ چند ماہ کی کد و کاش سے متوسط ضخامت کی کتاب مرتب ہو گئی۔

ابتداء میں میرا ارادہ تھا کہ مشائخ چشت کے تذکرے میں ایک مستقل کتاب

مرتب کروں مگر عدیم الفرصتی مصادر مآخذ کی کمیابی سد راہ بن گئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ (۱) کتاب سلطان الہند خواجہ غریب نواز (۲) اور کتاب سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کو ملا کر دیکھا جائے تو بانی سلسلہ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی علیہ الرحمہ سے لے کر حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اور ان کے اہم معاصر مشائخ چشت کا تذکرہ آگیا، خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ مشائخ چشت میں قابل ذکر اور اہم ہستیوں کی حیات وخدمات پر مشتمل دو حصے تیار ہوگئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی علیہ الرحمتہ والرضوان کا فیض روحانی ہے کہ وقت کی تنگی کے باوجود کتاب کی ترتیب کا کام مسلسل ہوتا رہا اور تقریباً سات آٹھ مہینوں کی سعی پیہم سے کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔

کتاب ھٰذا کی ترتیب و تالیف کے سلسلہ میں عزیزی مولوی محمد محفوظ احمد سلمہ نے بڑی دلچسپی ودلجمعی کے ساتھ معاونت کا حق ادا کیا، پھر بڑی دیدہ ریزی سے کتاب کی تبیض کا کام بھی کیا اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں دارین کی سعادتوں سے بہریاب فرمائے اور مستقبل کی کامرانیوں سے نوازے، آمین!

کتاب کی نظر ثانی کے مرحلے میں عزیزی مولوی محمد محفوظ کے ساتھ عزیزی مولوی امیر الدین شمسی، عزیزی مولوی خورشید عالم شمسی اور عزیزی مولوی نعیم الحق نے بھرپور تعاون دیا، خداوند تعالیٰ انہیں علم نافع عطا فرمائے اور دین کی حمایت ونصرت اور سنت کی اشاعت وفروغ کے وافر جذبات مرحمت فرمائے آمین۔

آخر میں محب گرامی وقار حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب نوری کا ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے کتاب کی طباعت واشاعت کی اہم ذمہ داری اپنے سر لی اور جن کی پر خلوص جدوجہد سے کتاب ھٰذا کو قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

محمد عاصم اعظمی

باب اول (الف)

بدایوں اور اس کی علمی و روحانی فضا

باب اول (الف)

بدایوں اور اس کی علمی وروحانی فضا

ہندوستانی ازمنہ وسطیٰ کی تمدنی تاریخ میں بدایوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ شہر اپنی علمی ودینی سرگرمیوں اور ماحول وفضا کے اعتبار سے یکتائے روزگار شہرت کا حامل تھا۔ عہد اوسط کی بہت سی عظیم وبرگزیدہ شخصیتوں کا تعلق اسی مردم خیز سرزمین سے تھا۔ اس خاک سے ایسے ایسے غواص معانی ابھرے جنہوں نے اپنی فکروبصیرت، علم وفضل سے وہ چراغ جلائے جن کی ضیاپاشیاں امتداد زمانہ کے باوجود ہندوستان کے چپہ چپہ کو آج بھی منور ودرخشاں کئے ہوئے ہیں۔ یہاں کی خانقاہوں اور مدرسوں سے رشد وہدایت کے وہ چشمے پھوٹے ہیں جن سے پورا برصغیر ہند سیراب ہو تارہاہے۔

ویدامئو سے بدایوں تک:

ازمنہ وسطیٰ کے تاریخی دستاویزات ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے دوسو چھپن برس پہلے بدایوں کے باشوکت راجہ بدھا نے یہاں ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا اور اپنی حکومت کا صدر مقام قرار دیا، اس وقت بدایوں کا نام "ویدامئو" تھا۔ فوجی لحاظ سے یہ شہر قنوج اور کالنجر سے کم اہمیت نہ رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شہر بیرونی حملہ آوروں کے حملوں کا وقتاً فوقتاً ہدف بنتارہا۔ ۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ سلطان محمود غزنوی کے پیہم حملوں کے دوران ۴۰۹ھ میں سلطانی فوج کے کچھ چوپائے اور بار بردار جانور راستہ بھٹک کر قنوج کے بجائے ویدامئو پہنچ گئے۔ جن کو راجہ چندرپال نے اپنی حراست میں لے لیا۔

غزنوی فوج کے سپہ سالار میرانجی حضرت خواجہ عبداللہ غزنوی۔ جو اپنے وقت کے زبردست عالم اور صاحب کشف و کرامت مرشد برحق ہونے کے ساتھ ساتھ بلند حوصلہ جانباز مجاہد اسلام بھی تھے اور شوق جہاد میں غزنی سے سلطانی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے متعدد معرکوں میں داد شجاعت دے کر سپہ سالاری کے منصب پر فائز ہوئے۔ جن دنوں سلطانی مویشیوں کے حراست کا واقعہ پیش آیا آپ اُجمیر میں مقیم تھے، نماز فجر کے بعد مراقبہ میں سر جھکایا تو منکشف ہوا کہ سلطانی لشکر کے چوپایوں کو راجہ چندرپال نے ویدامئو میں اپنی حراست میں لے لیا ہے چنانچہ آپ نے ان کے چھڑانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور چند آزمودہ کار سرفروشوں کی ایک مختصر سی جماعت لے کر ویدامئو پہنچے جہاں مغرور راجہ چندرپال کی بڑی فوج کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ مجاہدین اسلام نے خوب داد شجاعت دی مگر اس مختصر سی جماعت کو راجہ کے لشکر نے اپنے حصار میں لے لیا اور میر لشکر خواجہ عبداللہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہید ہوئے، ان شہداء نے اس سرزمین میں مدفون ہو کر آئندہ کے لئے مسلمانوں کی آمد کا فتح باب کر دیا۔

حضرت سید سالار مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ جب اپنے منتخب فوجی دستہ کے ساتھ شوق جہاد اور جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر وارد ہندوستان ہوئے، مختلف علاقوں میں جہاد کرتے ہوئے ویدامئو پہنچے اور ۴۲۱ھ میں قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ چندرپال اپنی فوج لے کر مقابلہ میں آیا شدید معرکہ کارزار گرم ہوا مجاہدین اسلام نے راجہ اور اس کی فوج کے بیشتر حصے کو تہہ تیغ کر دیا، خود حضرت مسعود غازی کے بہت سے مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا جن کے مزارات بدایوں اور مضافات میں آج بھی زیارت گاہ خلائق ہیں۔

حضرت سید سالار مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ کے حملہ کے بعد ویدامئو کی حکومت عدم استحکام کا شکار رہی یہاں متعدد راجاؤں نے تخت نشینی کی مگر نظم

واستحکام سلطنت میں ناکام رہے، بالآخر قنوج کے راجکمار جے دیو نے ویدامئو پر قبضہ کرلیا اور جے پال لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ پرانے قلعہ کی مرمت کرائی اور اسے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ اس کی اولاد کئی پشتوں تک یہاں حکمراں رہی۔ اس خاندان کا آخری راجہ دھرم پال ہوا، جو نہایت عیش پرست واقع ہوا تھا۔ اس راجہ کے زمانہ میں قلعہ کا نام کوٹ بھداون ہوا جو بگڑ کر بعد میں بداون ہو گیا اور پھر بداؤں کہلایا اور آج اس کی بدلی ہوئی شکل بدایوں ہے۔

جب شہاب الدین محمد غوری نے پرتھوی راج کو شکست دے کر اجمیر اور دہلی پر قبضہ کرلیا تو اس کے نامور سپہ سالاروں نے مشرق و مغرب میں مزید فتوحات حاصل کیں، انہیں فتوحات کے دوران نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے ۵۹۹ھ بمطابق ۱۱۸۸ء میں بھداؤں (بدایوں) پر حملہ کیا وہاں کے راجہ دھرم پال نے کھلے میدان میں جنگ کی مگر سلطانی لشکر کے سامنے ان کے سپاہی ٹھہر نہ سکے شکست کھا کر مفرور یا مقتول ہوئے، قطب الدین نے کوٹ بھداون پر اسلامی پرچم لہرا دیا اور اسی دن سے بدایوں مسلم قلمرو میں داخل ہوا۔

مسلم عہد:

جائے وقوع کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے اس شہر میں ایک عظیم فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔ رفتہ رفتہ وہ زمانہ آ گیا جب سلطنت دہلی کی بہترین اور منتخب فوج بدایوں میں رہنے لگی اور یہاں کے گورنر کو بھی سلطنت دہلی کے تمام گورنروں سے زیادہ مرتبہ حاصل ہوتا تھا۔ شمس الدین التمش جب ایبک کے دور حکومت میں بدایوں کا گورنر بنا تو اس نے اس شہر کی عظمت میں اور بھی چار چاند لگائے۔

چونکہ وہ خود بھی زبردست عالم تھا۔ اور بغداد و بخارا میں مشاہیر علماء و مشائخ کی صحبتوں سے اکتساب فیض کر چکا تھا۔ اور حضرت شیخ بختیار کاکی علیہ الرحمتہ والرضوان سے مرید بھی تھا۔ اس نے بدایوں میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی

جو آج تک موجود ہے۔

شمس الدین التمش نے بدایوں کی نظامت کے دوران اس شہر میں اسلامی فکر و ثقافت کا خوشگوار ماحول پیدا کیا، علماء، صلحاء، صوفیاء کی اعانت اور حوصلہ افزائی دل کھول کر کی۔ جس کے نتیجے میں باہر سے وارد ہونے والے علماء و مشائخ نے اس شہر کو اپنی خاموش دینی و روحانی، علمی و فکری سرگرمیوں کا مرکز بنالیا اور کچھ ہی دنوں میں یہ شہر علمی و روحانی لحاظ سے سمرقند و بخارا اور غزنی و لاہور کا ہم پلہ بن گیا۔

چنگیزی تباہ کاریوں کے دوران ترکستان، خراسان، ماوراء النہر اور ایران و عراق کے لٹے ہوئے علمی و روحانی خانوادے جب وارد ہند ہونے لگے تو ان میں سے جو لوگ منصب، جاگیر یا شاہی ملازمت کے خواہشمند ہوئے وہ تو لاہور یا دہلی میں رہ جاتے لیکن جو جاہ و منصب سے بے نیاز ہو کر خاموش علمی و دینی خدمت انجام دینے اور اپنی روحانی بالیدگی کے لئے عبادت و ریاضت میں مصروف ہونا چاہتے تھے وہ بدایوں کا رخ کرتے۔ انہیں تارک الدنیا بزرگوں میں سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے دادا سید علی اور نانا سید عرب بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی سکونت کے لئے بدایوں کو ترجیح دی۔

بہر حال علماء و صلحاء کی سکونت اور ان کی خاموش علمی و دینی سرگرمیوں نے اس خاک کو وہ تاثیر عطا کی کہ اس کے ذرے افق علم و دانش پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ جن کی شعائیں ہند کے علاقوں تک محدود نہیں رہیں بلکہ دوسرے ممالک اسلامیہ تک ان کا اجالا پھیلا۔ انہیں باکمال علماء فضلاء اور مشائخ طریقت میں حضرت مولانا رضی الدین حسن صاحب مشارق الانوار، حضرت مولانا علاء الدین اصولی، بلبل ہند حضرت امیر خسرو، سعدی ہند خواجہ حسن سنجری بھی ہیں۔ جو اس گہوارۂ علم و فضل کے پروردہ تھے۔

یہاں بدایوں کے ان علماء و مشائخ کا تذکرہ مناسب ہو گا جو ابتداء سے عہد

نظام الدین اولیاء تک بدایوں میں پیدا ہوئے یا باہر سے آکر یہاں کی علمی وروحانی فضا پر اثرانداز ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے ان اکابر علماء وصوفیاء کا تذکرہ اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسی مقتدر ہستیاں ہیں جن کے باطنی وظاہری فیوض سے براہ راست وہ خود مستفیض ہوئے اور جن کے بیان وتعارف سے اس دور کے بدایوں کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ جس میں حضرت نظام الدین اولیاء نے آنکھ کھولی، بچپن گزارااور تعلیم وتربیت کے ابتدائی مدارج طے کئے۔

اس وقت بدایوں میں ایسے علماء، صلحاء، اولیاءاللہ، شعراء، ادباء اور دوسرے ماہرین فن جمع تھے کہ ہندوستان کا دوسرا شہر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ وسط ایشیاء اور ایران وعراق سے ہجرت کر کے آنے والے اونچے اونچے خاندان یہاں آکر آباد ہوگئے تھے۔ بلند مرتبہ چشتی مشائخ بھی تھے اور سہروردی سلسلہ کی نمایاں شخصیات بھی اسی مدینۃ الاولیاء کی زینت تھیں۔ ان ارباب علم وفضل اور مشائخ طریقت کا تذکرہ ہم مختصراً کریں گے۔ جن کے احوال ملفوظات شیخ المشائخ فوائدالفواد میں مندرج ہوئے ہیں۔

(ب) شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

سید جلال الدین تبریزی:

ابوالقاسم شیخ جلال الدین تبریزی، طریقت مشیخت کے امام، علم ظاہر وباطن کے بحر ذخار کشف وکرامت میں بے مثل تھے اور ترک وتجرید ان کا شیوہ تھا۔ جذب خواطر میں ممتاز تھے۔ آپ شیخ المشائخ بدرالدین ابوسعید تبریزی کے

مرید تھے۔ جب مرشد کا انتقال ہو گیا تو تبریز سے بغداد آئے۔ جہاں سات سال تک شیخ شہاب الدین عمر سہر وردی کی خدمت میں رہے اور سفر و حضر میں شیخ کی بے مثال خدمت انجام دی۔

شیخ کی خدمت:

شیخ شہاب الدین سہر وردی جب حج کے لئے تشریف لے جاتے شیخ جلال الدین تبریزی بھی خدمت کے لئے ہمرکاب ہوتے۔ اس طرح کئی سال انہیں حج بیت اللہ اور زیارت رسول اللہ ﷺ کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کبر سنی کی وجہ سے شیخ شہاب الدین سہر وردی کو خشک و سرد کھانا پسند نہ تھا۔ اثناء سفر نرم و گرم کھانے کے لئے شیخ جلال الدین نے ایک ایسا چولہا بنایا جس میں ہر وقت آگ روشن رہتی۔ شیخ جلال الدین یہ چولہا اپنے سر پر لے کر پیدل راستہ طے کرتے۔ چولہے پر ایک دیگچی رہتی۔ جب شیخ شہاب الدین کو کھانے کی حاجت ہوتی تازہ کھانا پیش کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے شیخ کی خدمت کے ایسے آداب بجالائے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی خدمت اور عقیدت کا نتیجہ تھا کہ شیخ شہاب الدین کی خاص نگاہ لطف و کرم کے سزاوار ہوئے۔ (سیر العارفین ص ۲۴۰)

شیخ شہاب الدین سہر وردی ایک بار سفر حج سے واپس آئے۔ بغداد کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر شخص نذرانہ لایا، کافی نقد و جنس جمع ہو گئے۔ اسی دوران ایک بڑھیا آئی اور ایک درہم شیخ شہاب الدین کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے یہ درہم تمام تحفوں کے اوپر رکھ دیا۔ پھر حاضرین سے فرمایا۔ ان نذرانوں اور تحفوں میں سے جو تمہیں پسند ہو اسے لے لو۔ ہر شخص اٹھا اور اس نے نقد کی تھیلی یا اچھے کپڑے اٹھا لئے۔ شیخ جلال الدین تبریزی وہاں موجود تھے۔ ان کو بھی اشارہ کیا کہ تم بھی کچھ لے لو۔ آپ کھڑے ہوئے اور وہ درہم اٹھا لیا جو بڑھیا لائی تھی۔ شیخ نے یہ دیکھ کر فرمایا تم سب کچھ لے گئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا شیخ جلال الدین نے شیخ شہاب الدین کی ایسی خدمت کی کہ کوئی غلام اور مرید بھی نہیں کر سکتا۔ (فوائد الفواد، سیر العارفین ص ۲۴۱)

اونٹوں کی خریداری:

شیخ اوحد الدین کرمانی کا بیان ہے کہ میں ایک سفر حج میں شیخ جلال الدین تبریزی کے ہمراہ تھا جب ہم بنی امام پر پہنچے راستہ دشوار گزار تھا، بہت سے آدمی اور اونٹ مر گئے۔ پیدل چلنے سے لوگوں کے پیروں میں آبلے پڑ گئے۔ پورا کاروان حجاج پریشان و مضطرب ہو گیا۔ بازار بنی امام میں اونٹوں کا ایک گلہ فروخت ہونے کے لئے آیا۔ ہر اونٹ کی قیمت بیس اشرفی تھی۔ اہل قافلہ میں سے جس کے پاس روپے تھے اونٹ خرید لیا لیکن غریب و نادار مسافر راضی بقضاء رہے۔ ان کی حالت زار شیخ تبریزی سے دیکھی نہ گئی۔ اونٹوں کے مالک کو بلا کر فرمایا تمہارے گلہ کے کتنے اونٹ فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اس نے شمار کر کے بتایا کہ ابھی پانچ سو اونٹ باقی رہ گئے ہیں۔ حضرت جلال تبریزی نے تین بار یا لطیف یا لطیف فرمایا۔ اور ریت میں ہاتھ ڈالا۔ جب ہاتھ باہر نکالا تو وہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس طرح پانچ سو اونٹ خرید کر عاجز و درماندہ قافلہ والوں کے حوالہ کر دیا۔ اور خود پاپیادہ بیت اللہ کو گئے۔ (سیر العارفین ص ۲۴۱)

ہندوستان میں آمد:

جب شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنے چہیتے خلیفہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو ملتان کی ولایت پر مامور کرتے ہوئے ہندوستان کی طرف روانہ کیا تو شیخ جلال الدین تبریزی بھی اپنے دوست کی محبت میں شیخ سے اجازت لے کر وارد ہند ہوئے۔ شیخ زکریا ملتان میں رہ گئے۔ اور آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی آئے۔ ورود ہند سے پہلے ہی شیخ جلال الدین کی شہرت ولایت دہلی تک پہنچ چکی تھی۔ اس لئے بادشاہ دہلی نے شہر سے نکل کر آپ کا

پر تپاک خیر مقدم کیااور اپنے ساتھ شہر میں لایا۔

نجم الدین صغریٰ کا حسد:

اس وقت کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو شیخ جلال الدین کے لئے بادشاہ کی یہ تعظیم و تکریم ناگوار گزری۔ سلطان نے جب نجم الدین صغریٰ سے دریافت کیا کہ شیخ جلال الدین کو ایسی جگہ ٹھہرایا جائے جو میرے محل کے قریب ہو تاکہ وقتاً فوقتاً ان سے نیاز حاصل کر سکوں۔

چنانچہ شاہی محل کے قریب ایک مکان تھا جس پر جنوں کا قبضہ تھا۔ کسی میں اتنی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس مکان کے قریب جاسکے۔ لوگ اس گھر کو بیت الجن کہتے تھے۔ وہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ نجم الدین صغریٰ نے کہا کہ شیخ جلال الدین کو بیت الجن میں اتارنا چاہئے۔ سلطان نے کہا ایسے مہمان عزیز کو آسیب زدہ مکان میں کیوں ٹھہرا رہے ہو۔ نجم الدین صغریٰ نے کہا یہ معاملہ دو حالتوں سے خالی نہ ہوگا۔ یہ مرد کامل ہے یا ناقص ہے؟ اگر کامل ہے تو مکان کو جنوں سے خالی کرائے گا۔ اگر ناقص ہے تو اس کی سزا بھی تو ہونی چاہئے۔ سلطان اور شیخ الاسلام کے درمیان یہ بات سرگوشی میں ہو رہی تھی شیخ جلال الدین تبریزی نے نور باطن سے سمجھ لیا اور فرمایا نجم الدین اس مکان کی کنجی حوالہ کردو۔ اس میں داخل ہونے سے پہلے ایک درویش کو بھیج دوں تاکہ وہ صفائی کرے۔ آپ نے بیت الجن کی کنجی اپنے ایک خادم ترابی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا جاؤ دروازہ کا تالا کھولو اور اندر داخل ہو کر بلند آواز سے کہنا کہ اے جنو! شیخ جلال الدین تبریزی آرہا ہے۔ فوراً باہر نکل جاؤ۔ ایک مدت تک تم اس میں رہے اب شیخ یہاں قیام فرمائیں گے۔ اور یہ میرا قرآن شریف مکان میں لٹکا دو۔

ترابی نے مکان کے اندر جاکر جب یہ بات کہی جنوں میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ بلاتاخیر باہر نکل گئے اور شیخ تبریزی نے اس مکان میں قیام کیا۔ (سیر العارفین ص ۲۴۲)

نجم الدین صغریٰ کی ندامت:

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا معمول تھا کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز اول وقت میں ادا فرماتے۔ پھر نماز چاشت تک آرام فرماتے۔ ایک دن فجر کی نماز کے بعد صحن خانہ میں پلنگ پر آرام فرما رہے تھے اور آپ کا ایک خوبرو غلام پیر دبا رہا تھا۔ اس دن شاہی محل کے بالاخانہ پر سلطان التمش نے نجم الدین صغریٰ کی اقتداء میں فجر کی نماز پڑھی۔ شیخ نجم الدین صغریٰ کی نظر شیخ جلال الدین تبریزی پر پڑی اس نے بادشاہ کو دکھایا اور کہا، آپ ایسے درویشوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو فجر کی نماز بھی ادا نہیں کرتے اور ایسے خوبصورت غلام کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ نور باطن سے شیخ جلال الدین تبریزی پر یہ بات منکشف ہو گئی۔ چہرے سے لحاف ہٹا کر بلند آواز سے کہا...... اے نجم الدین! اگر تم اس سے پہلے دیکھتے تو اس غلام کو بغل میں پاتے۔ یہ کہہ کر رضائی چہرہ پر ڈال کر شغل باطن میں مشغول ہو گئے۔

سلطان نے شیخ الاسلام سے کہا اے شیخ! تو نے میری اور اپنی دونوں کی فضیحت کرائی۔ تمہارے بارے میں لوگ کہیں گے کہ یہ کیسا شیخ الاسلام ہے کہ جس کو اتنی صفائی باطن نہیں ہے کہ وہ حقیقت حال کو جان سکے اور میرے بارے میں کہیں گے کہ اس کے اندر اتنی بھی فہم نہیں ہے کہ باصفا اور بااخلاص شخص کو درویشوں اور صوفیوں پر شیخ الاسلام بناتا۔ (سیر العارفین ص ۲۴۴)

شیخ نجم الدین صغریٰ کی اتہام تراشی:

نجم الدین صغریٰ اس واقعہ کے بعد نادم و پشیماں تو ہوئے مگر ان کی آتش رشک و حسد مزید مشتعل ہو گئی۔ اور وہ شیخ الاسلام پر کسی بڑی تہمت تراشی کی فکر میں لگ گئے۔ جس سے شیخ کی عظمت بادشاہ کے دل سے نکل جائے اور ان کا مرتبہ بلند ہو جائے۔ چنانچہ دہلی میں ایک خوبصورت گانے والی عورت جس کا نام ''گوہر'' تھا جو رؤسا کے ہاں آتی جاتی تھی۔ نجم الدین صغریٰ نے اسے پانچ سو دینار کا لالچ

دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ شیخ جلال الدین تبریزی پر زنا کا الزام لگائے۔ نصف رقم کسی کے پاس جمع کر دی گئی اور نصف اسی وقت اس فاحشہ کو دے دی گئی۔ استغاثہ سلطان کے پاس پیش ہوا تو نجم الدین صغریٰ نے بھی اس پر حاشیہ آرائی کی۔ سلطان کو سخت حیرت تھی اسی لئے اس نے مقدمہ کی کارروائی تنہا نہیں کی۔ بلکہ اس وقت کے تمام اولیاء اللہ اور علماء کو جمع کیا اور اس عورت کو پیش کیا گیا۔ سلطان نے کہا جو کچھ صحیح واقعہ ہے وہ بالکل سچ بتلا دو۔ ورنہ یاد رکھو کہ یہاں بڑے بڑے فقراء اور علماء کا مجمع ہے جو ساری حقیقت حال کشف سے معلوم کر لیں گے اور جھوٹ کی سزا میں تجھ پر عذاب الٰہی نازل ہو گا۔ فاحشہ عورت لرز اٹھی اور اس نے بحلف شرعی اقرار کیا کہ مجھے شیخ الاسلام نے پانچ سو دینار کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا ہے۔ حالانکہ شیخ الاسلام بالکل بے قصور ہیں۔ شیخ الاسلام پر سلطان بے حد غضبناک ہوا اور ان کو منصب سے معزول کر دیا۔ اس طرح حضرت شیخ نے نجم الدین صغریٰ کی ناپاک سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات پائی۔ (ایضاً ص ۲۴۵)

شیخ جلال الدین تبریزی بدایوں میں:

اس محضر کے بعد جب علماء و مشائخ اپنے اپنے شہروں کو روانہ ہوئے تو حضرت شیخ جلال الدین بھی دہلی سے بدایوں کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں قیام کیا۔ ایک دن وہ دریا کے کنارے درویشوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اٹھے۔ تازہ وضو کیا اور فرمایا۔ درویشو! آؤ نجم الدین صغریٰ کی نماز جنازہ پڑھیں کہ اس نے ہم کو دہلی سے نکالنے کا انتظام کیا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اسے دنیا سے نکال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس دن شیخ تبریزی نے نماز جنازہ پڑھی تھی نجم الدین صغریٰ اسی دن دہلی میں فوت ہوئے تھے۔ (فوائد الفواد ج ۴ ص ۲۴۵)

علی مولیٰ بدایونی:

ایک دن شیخ جلال الدین تبریزی بدایوں میں اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے

ہوئے تھے۔ ایک دہی بیچنے والا دہی کی ہانڈی اپنے سر پر رکھے ہوئے ادھر سے گزرا وہ اُبھر بدایوں کے نزدیک ''کاٹھر'' نامی گاؤں کا باشندہ تھا۔ جہاں ڈاکو بستے تھے۔ یہ دہی فروش بھی ایک ڈاکو ہی تھا۔ جب اس کی نظر شیخ کے روئے انور پر پڑی دل کی دنیا بدلنے لگی۔ پھر جب بغور چہرے پر نظر ڈالی پکار اٹھا۔ ایسے لوگ بھی دین محمدی میں ہوتے ہیں؟ فوراً مشرف بہ اسلام ہوا۔ شیخ نے اس کا نام ''علی'' رکھ دیا۔ اسلام لانے کے بعد وہ اپنے مکان گیا اور ایک لاکھ جیتل لاکر شیخ کے قدموں میں ڈال دیا۔ شیخ نے فرمایا تم یہ رقم اپنے پاس رکھو اور جہاں میں کہوں خرچ کرو۔ شیخ اہل ضرورت کو اس رقم سے دینے کا حکم دیتے مگر کسی کو پانچ جیتل سے کم نہ دیتے۔ کچھ ہی دنوں میں ساری رقم ختم ہو گئی اور ایک جیتل رہ گیا۔ علی نے اپنے دل میں سوچا میرے پاس اب صرف ایک جیتل رہ گیا ہے اور شیخ کی سب سے چھوٹی بخشش پانچ جیتل کی ہوتی ہے۔ اگر کسی کو کچھ دینا چاہیں گے تو میں کیا کروں گا۔ علی ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک سوالی آیا۔ شیخ نے علی سے کہا۔ اس کو ایک جیتل دے دو۔

علی حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی نگاہ کیمیا اثر سے صرف مشرف بہ اسلام ہی نہ ہوئے بلکہ صاحب حال ولی کامل بن گئے۔ جنہیں اہل بدایوں ''علی مولیٰ'' کہتے اور عقیدت و احترام کا اظہار کرتے۔ (فوائد الفواد ص ۲۲۷)

جب شیخ تبریزی بدایوں سے لکھنوتی بنگالہ کے لئے روانہ ہوئے علی مولیٰ بھی ساتھ چلے۔ شیخ نے کہا تم واپس جاؤ۔ علی نے کہا میں کس کے پاس جاؤں میرا کون ہے؟ جب تھوڑی دور اور چلے تو شیخ نے فرمایا، تم واپس جاؤ۔ علی مولیٰ نے عرض کی آپ میرے پیر اور مخدوم ہیں۔ آپ کے بغیر میں یہاں کیا کروں گا؟ شیخ نے فرمایا تم واپس جاؤ۔ یہ شہر تمہاری حمایت میں ہے۔ (ایضاً)

علی مولیٰ بدایوں آئے اور اپنے فیوض و برکات سے لوگوں کو فیض پہنچانے لگے۔ وصال ۶ رصفر ۶۴۷ھ کو بدایوں میں ہوا۔ اور وہیں سلطان العارفین کی درگاہ

کے قریب مدفون ہوئے۔

نماز فقراء:

قاضی کمال الدین جعفری بدایونی اور شیخ جلال الدین تبریزی میں بڑا یارانہ تھا۔ ایک دن شیخ تبریزی قاضی جعفری کے مکان پر تشریف لے گئے۔ قاضی صاحب کے خادموں نے عرض کی قاضی صاحب اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھیں۔ جب فارغ ہو جائیں گے ہم اطلاع کریں گے۔ حضرت شیخ نے مسکرا کر فرمایا۔ قاضی بھی نماز پڑھنا جانتے ہیں؟ یہ کہہ کر واپس اپنے مکان چلے آئے۔ جب قاضی کمال الدین کو آپ کی آمد اور اس بات کی اطلاع ہوئی تو دوسرے دن شیخ کی خدمت میں آئے اور معذرت کی اور پوچھا۔ آپ نے یہ کیوں فرمایا" قاضی نماز پڑھنا جانتے ہیں"؟ میں نے نماز اور اس کے احکام پر چند کتابیں لکھی ہیں۔ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں نماز علماء، نماز فقراء سے الگ ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے پوچھا کیا فقراء رکوع اور سجدے دوسری طرح سے کرتے ہیں یا قرآن دوسری طرح سے پڑھتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا۔ نہیں علماء کی نماز یہ ہوتی ہے کہ کعبہ کو دیکھیں اور اس کی طرف نماز پڑھیں۔ اگر کعبہ پر ان کی نظر نہیں پہنچ سکتی ہے تو اس کی سمت میں نماز پڑھتے ہیں اور سمت بھی معلوم نہ ہو تو ایک مناسب رخ چن لیتے ہیں۔ قبلہ علماء انہیں تین قسموں کا ہوتا ہے۔ لیکن فقراء جب تک عرش کو نہ دیکھیں نماز نہیں پڑھتے۔ گو قاضی کمال الدین کو یہ الفاظ گراں گزرے۔ لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا اور واپس چلے آئے۔ جب رات ہوئی تو قاضی کو خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی عرش پر مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسرے دن دونوں بزرگ ایک محفل میں ملے اور شیخ جلال الدین نے گفتگو شروع کی...... اے قاضی علماء کا کام اور مرتبہ معلوم ہے۔ ان کی سب سے بڑی ہمت تدریس کی ہوتی ہے۔ چاہتے ہیں کہ مدرس ہو جائیں یا قاضی ہو جائیں یا صدر جہاں

ہو جائیں۔ ان کا مرتبہ اس سے بڑھ کر نہیں۔ لیکن درویشوں کے مراتب بہت ہیں۔ ان کا پہلا مرتبہ یہ ہے جو تم کو کل رات دکھایا گیا۔ قاضی کمال الدین یہ سن کر فرط عقیدت سے اٹھے اور شیخ سے انتہائی معذرت کی اور معافی کے طلب گار ہوئے۔ پھر اپنے بیٹے برہان الدین کو شیخ کے قدموں پر ڈالا اور مرید کرایا۔ شیخ نے اسے کلاہ عطا کی۔ (فوائد الفواد ص ۱۰۴، ج ۵)

شیخ تبریزی بنگال میں:

شیخ تبریزی بدایوں سے بنگال پہنچے۔ اس وقت وہاں کا ہندو راجہ لکشمن سین تھا۔ جب آپ دیوا محل پہنچے۔ ایک کمہار یا مالی کے ہاں قیام فرمایا۔ دیکھا کہ اس کے گھر میں آہ وشیون کا طوفان برپا ہے۔ وجہ دریافت کیا تو بتایا گیا کہ شہر میں ایک قدیم رسم یہ ہے کہ راجہ کے حکم کے مطابق ہر روز ایک نوجوان کو دیو کے سامنے بھیجا جاتا ہے۔ وہ اسے کھالیتا ہے۔ اس روز شیخ کے میزبان کے بیٹے کی باری ہے...... شیخ نے کہا کہ اپنے بیٹے کو نہ بھیجو۔ اس کی جگہ مجھے بھیج دو۔ لیکن وہ نہ مانا کہا کہ اگر دیو نے تمہیں قبول نہ کیا تو راجہ مجھے قتل کرادے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو نہلایا دھلایا، نئے کپڑے پہنائے اور اسے بت خانے میں لے گیا۔ شیخ بھی ساتھ گئے۔ بت خانہ میں پہنچ کر شیخ نے نوجوان کو رخصت کردیا اور خود دیو کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیو اپنے معمول کے مطابق ظاہر ہوا تو شیخ نے اسے اپنے عصا کی ضرب سے ہلاک کردیا۔ صبح کو راجہ اپنے لشکریوں کے ساتھ بت کی پوجا کے لئے آیا دیکھا کہ اس بت خانہ میں ایک آدمی سیاہ کپڑے اور سیاہ ٹوپی پہنے ہوئے کھڑا ہے اور لوگوں کو بلا رہا ہے۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے؟ راجہ آگے بڑھا۔ شیخ نے کہا کہ تم بلاخوف وخطر آگے آؤ۔ دیو کو میں نے ہلاک کردیا ہے۔ لوگوں نے دیکھا دیو مردہ پڑا تھا۔ چنانچہ سب لوگ ایمان لائے اور مسلمان ہوگئے۔ (جوامع الکلم ص ۱۵۷)

شیخ نے وہیں قیام فرمایا اور اس علاقے میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا اہم فریضہ

انجام دیا۔ اور بہت سے مریدوں کی خاص تربیت فرمائی۔ اور خاصان حق کی جماعت میں شامل کیا۔ آپ کی خدمت میں ہر وقت خلق خدا کا ہجوم رہتا۔ آپ نے ایک خانقاہ کی تعمیر کی اور کئی باغ اور بہت ساری زمین خرید کر لنگر کے لئے وقف کردی۔ اس جگہ کو ''بندر دیوا محل'' کہتے ہیں۔

شیخ تبریزی کی وفات بقول خزینہ ۶۴۲ھ میں ہوئی۔ (خزینہ ص ۲۸۴)

(ج) امام رضی الدین صغانی صاحب مشارق الانوار

نام و نسب:

رضی الدین ابوالفضائل حسین بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی عروی عمری صغانی ہے۔ اوپر جاکر سلسلہ نسب امیر المومنین عمر بن خطاب سے مل جاتا ہے۔ اسی نسبت سے آپ کا خاندان عمری کہلاتا ہے۔ آبائی وطن صاغان علاقہ ''مرو'' کا ایک قریہ تھا جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے صغانی کہلاتے ہیں۔ غزنویوں کے آخری دور میں آپ کا خاندان صاغان سے غزنی منتقل ہوا۔ اور سلاطین غزنی کی نوازشوں کا سزاوار ہوا۔ پھر لاہور ہوتا ہوا یہ خاندان بدایوں میں آباد ہوگیا۔

ولادت و مولد:

آپ کی ولادت صفر ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ مولد کے بارے میں ارباب سیر نے اختلاف کیا ہے۔ شیخ خیر الدین زرقانی، علامہ جلال الدین سیوطی کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت لاہور میں اور نشو و نما غزنی میں ہوئی۔ پھر

بغداد جا کر اقامت اختیار کی۔

بعد کے مؤرخین نے بھی اسی بیان پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ امام صغانی کے بہت بعد پیدا ہوئے۔ اور ان کے ہم وطن بھی نہیں۔ اس کے برخلاف شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء جن کی ولادت ۶۳۴ھ بتائی جاتی ہے۔ بدایوں کی خاک سے اٹھے تھے۔ ان کا قول ہے "او از بدایوں بود" (فوائد الفواد ص ۱۷۸) اور دونوں بزرگوں کی عمر میں ۵۹-۶۰ سال کا تفاوت ہے۔ اس لئے امام صغانی کے بارے میں شیخ المشائخ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ مقامی بزرگوں کی زبان سے سنا۔ ممکن ہے ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہوں جنہوں نے خود امام صغانی کا بچپن دیکھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ المشائخ نے رضی الدین صغانی کے ابتدائی حالات بھی بیان کئے۔ جن سے دوسرے تذکرے خالی ہیں۔ خود شیخ نے مولانا کمال الدین زاہد علیہ الرحمہ سے مشارق الانوار پڑھی تھی جو صغانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ یہ امور اس بات کے بین ثبوت ہیں کہ امام صغانی کا مولد بدایوں ہی ہے۔

تعلیم:

امام صغانی نے بدایوں میں اپنے والد بزرگوار اور دوسرے اساتذہ سے ابتدائی تعلیم پائی۔ پھر لاہور، غزنی اور دوسرے اسلامی بلاد کے اہل علم و فضل سے اکتساب فیض کیا۔ متبحر اساتذہ وشیوخ کے کمالات نے ان کے مرتبہ علمی کو اتنا بلند کر دیا کہ امام صغانی کی شخصیت دنیائے اسلام کے سب سے بڑے علمی مرکز بغداد کے اندر اکابر علماء کی صف اول میں نمایاں ہو گئی۔

امام صغانی کے حالات، ملازمت اور اسفار کے بارے میں حضرت شیخ المشائخ نے ارشاد فرمایا: "وہ (امام صغانی) بدایوں کے تھے۔ وہاں سے کول علی گڑھ آئے اور نائب مشرف، مقرر ہوئے۔ مولانا کا تقرر جس مشرف کے ساتھ ہوا تھا وہ ابھی اہل تھا۔ لیکن ایک دن اس مشرف نے کوئی ایسی بات کہی کہ مولانا رضی

الدین نے تبسم کیا۔ مشرف نے غصہ میں دوات ان کی طرف پھینک دی۔ آپ کترا گئے اور روشنائی آپ تک نہ پہنچی۔ جب آپ نے مشرف کی ناشائستہ حرکت دیکھی اس جگہ پر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اب ہمیں ایسے جاہلوں کے ساتھ نشست وبرخاست نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے بعد آپ نے علم میں اضافہ کی کوشش کی اور اسی زمانہ میں کول کے گورنر کے بیٹے کو تعلیم دینا شروع کیا جس کے معاوضہ میں سو تنکا پاتے تھے۔ اور اسی پر قناعت کرتے۔ (فوائد الفواد ج ۳ ص ۱۷۸)

سفر حج:

جب کول سے حج کا ارادہ کیا جوتوں کا ایک جوڑا خریدا اور پہنا۔ پاپیادہ ایک منزل طے کی۔ تھک گئے ان کو یقین ہو گیا کہ پیدل سفر کرنا ممکن نہیں۔ اسی خیال میں تھے کہ والی کول کا لڑکا گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑتا ہوا آیا تاکہ آپ کو واپس لے جائے۔ جب وہ وہاں پہنچا اور مولانا کی اس پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک اچھے گھوڑے پر سوار ہو کر آرہا ہے تو آپ نے دل میں سوچا اگر گھوڑا مجھے دے دے تو میں آرام سے سفر کر سکتا ہوں۔ اسی فکر میں تھے کہ والی کا بیٹا قریب آگیا اور مولانا کو واپس لے جانے کے لئے بہت اصرار کیا۔ جب والی کے لڑکے نے دیکھا کہ مولانا واپس نہیں ہوں گے تو عرض کیا کہ اس گھوڑے کو قبول فرمالیجئے۔ مولانا نے گھوڑا لے لیا اور روانہ ہو گئے۔ (فوائد الفواد ج ۳ ص ۱۷۸)

امام صغانی کے اس سفر کا مقصد جہاں حرمین شریفین کی زیارت اور سعادت حج کا حصول تھا۔ وہیں حرمین شریفین اور دیگر اسلامی بلاد وامصار کے علماء ومشائخ سے اکتساب فیض بھی تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں بحری سفر مشکل اور ہلاکت آفریں ہوتا تھا اس لئے آپ نے خشکی کی راہ سے یہ سفر کیا۔ خشکی کا سفر بھی مسلسل نہیں کیا بلکہ اثناء سفر جابجا قیام کرتے رہے۔ لاہور سے غزنی پہنچے۔ یہ شہر علماء ومشائخ کا مرکز تھا۔ صاحب نزہتہ الخواطر نے لکھا ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک نے آپ

کو لاہور کا منصب قضاء سونپنا چاہا مگر آپ نے پسند نہیں کیا۔ اور غزنی چلے گئے۔ جہاں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اور وہاں سے عراق آئے۔ اور وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا۔ پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے جہاں حج کے بعد ایک سال تک مشائخ حدیث سے سماع حدیث کرتے رہے۔ (نزھۃ الخواطر ص ۱۰۵)

قیام بغداد:

حرمین شریفین کی زیارت اور وہاں کے علماء کبار سے تحصیل علم حدیث کے بعد آپ عباسی سلطنت کے پایہ تخت بغداد تشریف لائے۔ اگرچہ عباسی خلافت کے زوال کا زمانہ قریب تھا اور بغداد کی علمی محفلوں کے چراغ بجھ رہے تھے۔ تاہم ماضی کی پر کشش علمی یادگاریں اب بھی بغداد کی سرزمین میں موجود تھیں۔ جو اطراف و اکناف عالم سے شائقان علم کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ اور علماء بھی آخری علم دوست خلفاء کی فیاضیوں سے ہم کنار ہو کر بغداد کی علمی فضا میں زندگی کے قیمتی لمحات علمی و دینی مشاغل میں صرف کرنے کے لئے آتے تھے۔ بغداد میں آپ کی شہرت کی وجہ ایک علمی واقعہ ہے۔ جسے شیخ المشائخ نے اس طرح بیان کیا ہے:

> اور وہاں سے مولانا بغداد آئے۔ بغداد میں ایک بہت بڑے عالم تھے۔ جن کو لوگ ابن زہری کہتے تھے۔ ان کے لئے منبر رکھا جاتا تھا۔ جس پر وہ بیٹھ کر حدیث بیان کرتے ...... ان کی مجلس میں علماء حاضر ہوتے تھے۔ اور ان کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے۔ اس طرح چند حلقے بن جاتے تھے اور اونچے درجہ کے علماء پہلے حلقہ میں بیٹھتے تھے اس حلقہ کے بعد حلقہ ہوتا تھا اور علی قدر مراتب علماء بیٹھتے تھے۔ ابن زہری حدیث لکھواتے تھے اور لوگ لکھتے تھے۔ یہاں تک کہ مولانا رضی الدین ایک دن ان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور سب سے آخری حلقہ میں بیٹھ گئے۔ ابن زہری مؤذن سے موافقت کرنے کی حدیث بیان کر رہے تھے۔ یعنی

جب مؤذن کوئی کلمہ اذان ادا کر چکے تو سننے والے کو چاہئے کہ وہ اسی کو دہرائے۔ ابن زہری نے حدیث کا آغاز اس لفظ سے کیا۔ اذا سکب المؤذن سکوب کے معنی پانی چھڑکنے کے ہیں۔ یعنی جب مؤذن کا کلمہ تمہارے کانوں تک پہنچے تو تم کو بھی وہی کلمات کہنے چاہئے جو اس نے کہے ہیں۔ جب ابن زہری نے حدیث بیان کی تو مولانا رضی الدین نے اپنے پاس والوں سے آہستہ سے کہا اذا سکت المؤذن یعنی جب مؤذن سکوت کرے یعنی جب مؤذن ایک کلمہ کہنے کے بعد خاموش ہو اس کے بعد اس کے کلمے کی موافقت کرنی چاہئے۔ یہ بات ایک نے سنی اور دوسرے سے کہی یہاں تک کہ یہ بات ابن زہری کے کان تک پہنچی۔ انہوں نے فرمایا یہ بات کس نے کہی ہے؟ مولانا رضی الدین نے کہا کہ میں نے کہی ہے۔ ابن زہری نے کہا یہ دونوں الفاظ معنی رکھتے ہیں۔ کتاب کی طرف رجوع کروں گا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو کتابوں میں دیکھا گیا دونوں جملے صاف لکھے ہوئے تھے۔ لیکن اذا سکت زیادہ صحیح تھا۔ یہ خبر خلیفہ تک پہنچی لوگ مولانا رضی الدین کو خلیفہ کے پاس لے گئے خلیفہ نے آپ کا اعزاز کیا اور کچھ آپ سے پڑھا۔ (فوائد الفوادج ۳ ص ۱۷۸-۷۹)

آمد ہند:

عباسی خلیفہ کی بارگاہ میں رسائی نے آپ کی شان کو اور بھی بڑھا دیا۔ خلیفہ کی ارادت و عقیدت آپ کے ساتھ بڑھتی گئی۔ چنانچہ اس نے ۶۱۷ھ میں اپنا خصوصی ایلچی بنا کر سلطان ہند شمس الدین التمش ۶۰۷ھ تا ۶۳۲ھ کے پاس بھیجا۔ آپ دہلی اس شان سے آئے کہ علمائے دہلی دوسرے علوم میں آپ کے ہم پلہ و ہم سر تو تھے مگر علم حدیث میں آپ کا مرتبہ سب سے ارفع و بلند تھا۔ خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں "بغداد سے امام صغانی دہلی پہنچے اس زمانے میں دہلی کے اندر اکابر علماء

موجود تھے۔ وہ سب دوسرے علوم وفنون میں تو آپ کے ہمسر تھے مگر علم حدیث میں آپ کا مرتبہ سب سے بلند و برتر تھا۔ اور اس علم میں آپ کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔

مراجعت بغداد:

امام صغانی سات آٹھ برس دہلی میں مقیم رہے۔ جہاں ان کے حلقہ درس سے طالبان علم بہرہ مند ہوتے رہے۔ مگر ہندوستان کی اس گراں مایہ علمی شخصیت نے شاید سرزمین وطن پر مستقل قیام کرنا پسند نہیں کیا۔ اور دہلی سے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے یمن گئے۔ یمن کی سیر وسیاحت کے بعد بغداد پہنچے۔ بغداد میں پہلے سے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا گیا۔ آپ نے بغداد کی بزم علمی کی رونق بڑھائی اور خلیفہ نے آپ کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

دوبارہ ہندوستان کی آمد:

بارگاہ خلافت عباسیہ کا تقرب خاص ہی تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے بحیثیت قاصد آپ کو سلطانہ رضیہ بنت سلطان التمش کے پاس ہندوستان بھیجا۔ چند سال قیام ہند کے بعد آپ بغداد تشریف لے گئے پھر کبھی ہندوستان نہیں آئے۔

وفات:

ہندوستان سے واپسی کے بعد بغداد ہی میں مستقل قیام رہا اور وہیں ۶۵۰ ھ میں یہ آفتاب علم وفن ڈوبا۔ سارے بغداد نے آپ کا ماتم کیا اور علمی مجلسیں سوگوار ہو گئیں۔

وفات کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی نجومی تھا جس نے آپ کی وفات کے متعلق پیشن گوئی کی تھی۔ جب وہ دن آیا تو امام موصوف بالکل تندرست تھے۔ انہوں نے شکرانہ میں احباب اور شاگردوں کی دعوت کی لیکن ابھی لوگ دعوت سے فراغت کے بعد تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک شخص نے آکر امام صغانی کی موت کی اطلاع دی۔ حریم خاہری میں آپ کو دفن کیا

گیا۔ ان کی خواہش تھی کہ انہیں مکہ معظمہ کی پاک سرزمین میں دفن کیا جائے۔ نعش کو مکہ معظمہ لے جاکر دفن کرنے والے کے لئے آپ نے پچاس دینار معاوضہ کی وصیت کی تھی۔ کسی شخص نے معاوضہ لے کر آپ کی جسد خاکی کو مکہ مکرمہ لے جاکر دفن کر دیا۔

علمی خدمات:

امام صغانی نے پوری زندگی حصول علم اور اپنے علم سے تشنگان علم کو سیراب کرنے میں گزار دی۔ دور دراز کے سفر کیئے۔ علماء و مشائخ کی بارگاہوں میں حاضری دی اور علوم و عرفان کے ذخیروں سے اکتساب فیض کیا۔ جس طرح اکناف و اطراف عالم کے علماء و مشائخ سے دولت علم حاصل کیا اسی طرح ممالک اسلامیہ کے جس شہر میں بھی آپ نے اقامت گزینی کی وہاں علم کی دولت سے خواستگاران علم کو بہرہ مند کرنے میں کوئی دریغ نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جن بلاد و امصار میں آپ کا قیام رہا وہاں آپ کے شاگردوں کی بھی ایک جماعت ضرور پیدا ہوئی۔ آپ کے تلانذہ کی صحیح تعداد تشنہ تحقیق ہے۔ مگر ان کے ارشد تلانذہ میں درج ذیل علماء خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

(۱) شیخ شرف الدین (دمیانی) (۲) نظام الدین محمود ابن عمر ہروی (۳) محی الدین ابوالبقا (۴) صالح ابن عبداللہ ابن جعفر ابن صالح اسدی کوفی (۵) شیخ برہان الدین محمود ابن ابوالخیر اسد البلخی (۶) مولانا کمال الدین۔

تصانیف:

مولانا رضی الدین صغانی اپنی کثیر تصانیف میں علمی وادبی معلومات کے بیش بہا خزانے بکھیرے ہیں۔ اگرچہ ان کے بہت سے قابل قدر علمی و ادبی شہ پارے امتداد زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے تاہم جو موجود ہیں وہ علماء و شائقین علم کی آنکھوں کا سرمہ ہیں۔

(۱) مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ (۲) کشف الحجاب عن احادیث الشہاب (۳) فی الضعفاء والمتروکین فی روایۃ الحدیث (۴) الشمس المنیرہ فی الحدیث (۵) رسالۃ فی الاحادیث الموضوعہ (۶) دار الصحابہ فی بیان مواضع وفات الصحابۃ (۷) تکملۃ علی الصحاح (۸) شرح البخاری (۹) مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ (۱۰) السالکین (۱۱) شرح ابیات المفصل فی النحو الزمخشری (۱۲) ھتامک الصغانی (۱۳) مجمع البحرین فی اللغۃ (۱۴) اللباب الفاخرفی اللغۃ (۱۵) الاصغاء (۱۶) الاضداد (۱۷) التجرید (۱۸) الاسد (۱۹) العروض (۲۰) جلۃ

مشارق الانوار:

علم حدیث سے متعلق یوں تو امام صغانی کی کئی ایک کتابیں ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ شہرت یافتہ اور اہم مشارق الانوار ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر صحیح بخاری و مسلم سے حدیثوں کا ایک انتخاب کیا ہے۔ اس کتاب کا شارح زرونی لکھتا ہے احادیث کی کل تعداد دو ہزار دو سو چھیالیس ہے۔ اس کتاب میں بارہ ابواب ہیں۔ صغانی نے یہ کتاب خلیفہ عباسی المستقر باللہ ۶۲۳ھ بمطابق ۱۲۲۶ء تا ۶۴۰ھ ۱۲۴۳ء کے لئے تصنیف کی۔ صغانی اس کتاب کو اپنے اور خدا کے درمیان ایک حجت اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ زندگی کا انیس اور عقبیٰ کے لئے موجب نجات قرار دیتے۔ مولانا نے اس مجموعہ احادیث کو بڑی عرق ریزی اور احتیاط کے ساتھ مرتب کیا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کتاب کو قبول عام عطا فرما کر دنیا میں ان کی جانفشانی کا بہترین صلہ بخشا۔

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے مولانا رضی اللہ صغانی نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں جتنی حدیثیں لکھی ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ اگر کسی حدیث میں مولانا کو مشکل درپیش ہوتی تو اسی رات کو خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھتے۔ اور اس حدیث کو آنحضرت کے روبرو پیش کرتے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ اس کی تصحیح فرمادیتے تھے۔ (مردان خدا ص ۱۰۱)

(د) مولانا علاء الدین اصولی قدس سرہ

مولانا علاء الدین اصولی بدایوں ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں زندگی بسر کی۔ والد کا نام اشرف العلماء مولانا سید شرف الدین علی تھا۔ مدرسہ معزیہ میں تعلیم حاصل کی۔ وہ ایک متجر عالم، زہد و توکل کے پیکر تھے۔ بدایوں میں تعلیم دیتے، خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔ ان کے بارے میں فرمایا...... بڑے بزرگ آدمی تھے۔ مگر کسی پیر کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ اگر کسی پیر کے مرید ہوتے تو شیخ کامل ہوتے۔ بچپن میں مولانا علاء الدین اصولی بدایوں کے ایک کوچہ سے گزر رہے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی اپنی دہلیز خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب شیخ کی نظر مولانا علاء الدین اصولی پر پڑی تو ان کو بلایا اور جو جامہ زیب تن کئے ہوئے تھے ان کو پہنایا۔ (شیخ کبیر نے فرمایا) مولانا اصولی کے تمام برکات اسی پیرہن کی وجہ سے تھے۔ (فوائد الفواد صفحہ ۲۷۸)

مولانا اصولی اپنے سینہ میں ایک درد مند دل رکھتے تھے وہ درماندہ لوگوں کی پریشانی سے مضطرب ہو جاتے اور اس کی فکر مداوا میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ آپ کے پاس ایک زر خرید بوڑھی لونڈی تھی ایک دن بوقت سحر بیدار ہوئے تو دیکھا کہ بوڑھی کنیز آٹا پیس رہی ہے۔ اور زار و قطار رو رہی ہے۔ مولانا نے دریافت کیا۔ کیوں رو رہی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ کاٹیہر گاؤں میں اپنا شیر خوار بیٹا چھوڑ آئی ہوں۔ اس کی جدائی میں روتی ہوں۔ مولانا نے دریافت کیا اگر تم کو کاٹیہر گاؤں کے راستہ پر اس حوض تک لے جاؤں جو شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے تو کیا وہاں سے اپنے گھر کا راستہ جانتی ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ صبح کے وقت مولانا اسے حوض مذکور تک لے گئے اور وہاں چھوڑ دیا۔ (فوائد الفواد صفحہ ۲۷۸)

مولانا اصولی کا طریقہ تدریس بڑا موثر اور تحقیقی ہوتا تھا۔ وہ عبارت،

معانی اور اس کی گہرائی پر نگاہ رکھتے تھے۔ اگر سبق میں کوئی مشکل لفظ آجاتا یا کسی مفہوم پر شاگرد مطمئن نہ ہوتا تو بحث کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر دیتے تاکہ انہیں سبق کے مفہوم اور اس کے جزئیات و نکات پر از سر نو غور و فکر کا موقع مل جائے۔ پھر شاگردوں کے سامنے تازہ مطالعہ کی روشنی میں بحث کو قابل اطمینان نتیجہ تک پہنچا دیتے اور تلامذہ مطمئن ہو جاتے۔ یہ مولانا اصولی کی امانت دارانہ تدریس کا انداز تھا۔

ذوق معنوی:

مولانا اصولی الفاظ و عبارت کے ظاہری مفہوم و معانی کے سمجھنے اور سمجھانے کے قائل نہ تھے۔ بلکہ وہ شاگردوں میں ایسا ذوق پیدا کرنا چاہتے تھے جس سے تلمیذ کا شعور اتنا بلند ہو کہ اس کی حسی قوت اس درجہ تک پہنچ جائے جہاں وہ ذوق معنوی سے بہرہ یاب ہو جائے۔ اور اسی ذوق کی مدد سے علم و فن کے تمام شعبوں میں کمال حاصل کرے۔

شیخ نظام الدین مولانا اصولی کے طریقہ تدریس اور مولانا ملک یار کے ذوق معنوی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایک دن میں مولانا اصولی کے ساتھ ایک کتاب کے نسخوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ کتاب کا ایک نسخہ ان کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا میرے ہاتھ میں۔ کبھی وہ پڑھتے اور میں نسخہ کو دیکھتا۔ کبھی میں پڑھتا تھا اور وہ نسخہ دیکھتے۔ اس طرح ہم نے مقابلہ شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہم ایک مصرعہ پر پہنچے جو ناموزوں بھی تھا اور بے معنی بھی۔ ہم نے بہت کوشش کی لیکن مشکل حل نہ ہوئی۔ اس وقت ایک بزرگ جن کو ملک یار کہتے تھے تشریف لائے۔ مولانا علاء الدین اصولی نے کہا اس مصرعہ کی صحت ان سے دریافت کریں۔ مولانا ملک یار نے اس مصرعہ کو اس طرح موزوں اور بامعنی پڑھا کہ میرے دل کو اس کی صحت کا یقین ہو گیا۔

پھر مولانا اصولی نے مجھ سے کہا کہ مولانا ملک یار نے اس کے معنی کو از سر ذوق دریافت کیا (شیخ کبیر نے فرمایا) اس روز تک میں ذوق کو صرف حسی ذوق سمجھتا تھا۔ اس دن مجھے معلوم ہوا کہ ذوق معنوی کیا ہے۔ ملک یار زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن خداوند تعالیٰ نے ان کو علم کرامت عطا کیا تھا۔

ملک یار کی امامت:

شیخ المشائخ نے فرمایا کہ مولانا ملک یار کو جامع مسجد بداؤں کا امام مقرر کیا گیا۔ اس بات پر کہ وہ اس عہدے کے لائق ہیں یا نہیں؟ ہر شخص اپنی رائے دیتا تھا۔ جب یہ خبر مولانا علاء الدین اصولی کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر ان کو جامع مسجد بغداد کا امام بنایا جائے تو وہ عہدہ بھی ان کی اہلیت کے مقابلے میں حقیر ہوگا۔
(فوائد الفواد صفحہ ۲۸۰)

استغناء:

مولانا علاء الدین اصولی سادہ زندگی کے عادی تھے۔ اکثر فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی۔ مگر امراء کے نذر و فتوح کو قبول نہ کرتے۔ خیر المجالس میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کا یہ بیان نقل ہوا ہے:

> ''مولانا علاء الدین اصولی کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ لیکن اگر ضرورت کے وقت کوئی چیز لے آتا تو اس کو بقدر حاجت قبول کر لیتے تھے۔ ایک دن بیٹھے کھلی کھا رہے تھے چونکہ آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ اتنے میں حجام آگیا آپ نے اس سے اپنے فقر کو چھپانے کے لئے کھلی کو اپنے دستار کے نیچے چھپالیا۔ حجام نے پہلے آپ کی داڑھی درست کی۔ پھر آپ کا سر مونڈنے کے لئے دستار اٹھائی تو کھلی زمین پر گر پڑی۔ حجام کو معلوم ہو گیا کہ مولانا کھلی کھا رہے تھے۔ لیکن مجھے دیکھ کر شرم کی وجہ سے اس کو اپنی دستار میں چھپالیا۔ حجام ایک مشہور اور

بڈھا آدمی تھا۔ اور اس کی امیروں تک رسائی تھی۔ مولانا اصولی سے فارغ ہونے کے بعد وہ ایک دولت مند آدمی کے پاس گیا اور کہا کہ تمہاری دولت کس دن کام آئے گی؟ جب کہ ایسا بزرگ فاقے کر رہا ہے۔ پھر یہ واقعہ اس دولت مند سے بیان کیا۔ اس دولت مند نے چند من آٹا، چند من برتن گھی اور ایک ہزار جیتل مولانا کی خدمت میں بھیجے۔ مولانا نے یہ چیزیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کو واپس کر دیا۔ پھر مولانا نے حجام کو بلا کر تنبیہ کی۔ حجام نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور معافی کا خواستگار ہوگا۔ (خیر المجالس ص ۱۹۰م ۵۶)

وفات:

مولانا اصولی کا انتقال ۹ر رجب المرجب ۶۲۲ھ میں ہوا۔ مزار شریف بدایوں کی مشہور درگاہ سلطان العارفین کے جانب جنوب مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔

(ہ) دیگر علماء و مشائخ

مولانا سراج الدین:

مولانا سراج الدین بدایوں کے باکمال مشائخ و علماء میں سے تھے۔ آپ نے بدایوں سے سفر حج اس نیت سے کیا کہ حج کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کریں گے اور وہیں مدفون ہوں گے۔ لیکن حج کے بعد بدایوں آگئے اور وہیں رہنے لگے۔ مراجعت کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جنازوں کو اطراف سے لاتے ہیں اور مردوں کو اطراف مکہ میں دفن کرتے ہیں۔ اسی

طرح بعض مُردوں کو جو مکہ میں مدفون ہیں انہیں نکال کر باہر لے جاتے ہیں۔ میں نے وجہ دریافت کی تو بتایا گیا کہ وہ لوگ جو اس مقام مقدس کی اہلیت رکھتے ہیں ان کے بارے میں حکم ہے کہ کہیں دور دفن ہوں تو یہاں لایا جائے۔ اسی طرح جو اس مقام کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے بارے میں فرمان ہے کہ ان کو باہر لے جائیں۔ جب مجھے اس بات کی تصدیق ہو گئی تو بدایوں آ گیا۔ اس لئے کہ اگر میں اس مقام کے لائق ہوں گا تو میری آرزو پوری ہو جائے گی۔ (فوائد الفواد ج ۴ ص ۳۶۷)

حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی موئے تاب روشن ضمیر:

سلطان العارفین حضرت خواجہ سید حسن شاہی موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ ابن سید اعزالدین احمد یمنی آپ حسینی سید ہیں۔ یمن کے شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والدین سے پائی پھر قاضی حسام الدین ملتانی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۶۰۴ ہجری میں والدین کے ساتھ بدایوں آئے اور یہاں کے ہو رہے۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا تو دہلی جا کر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت ہوئے اور انہیں سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ قاضی حمید الدین ناگوری آپ کو شاہی روشن ضمیر کہا کرتے تھے۔

جب قاضی حمید الدین نے ان کو خرقہ دیا تو کسی کو شیخ محمود موئینہ دوز کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ میں نے شاہی موئے تاب کو خرقہ دیا ہے۔ کیا آپ کو یہ بات پسند ہے؟ شیخ محمود نے جواب دیا کہ جو کچھ آپ کرتے ہیں، پسندیدہ اور درست ہوتا ہے۔

شاہی موئے تاب ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ شہر سے باہر تفریح کے لئے گئے تھے یاروں نے کھیر پکائی۔ لیکن جب وہ کھیر شاہی موئے تاب کے سامنے آئی تو فرمایا اس میں خیانت ہوئی ہے۔ تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ دو یار

جنہوں نے کھیر پکائی تھی خیانت کے ذمہ دار ہیں۔ جب دودھ ابل کر ہانڈی سے باہر گرنے لگا تو انہوں نے اس دودھ کو جو ضائع ہو جاتا پی لیا تھا۔ شیخ نے فرمایا تم کو یہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ اس کی سزا میں ان دونوں یاروں کو اس وقت تک دھوپ میں کھڑا کیا جب تک کہ ان کے جسم سے اتنا پسینہ نہ نکل گیا۔ جتنا دودھ انہوں نے پیا تھا۔ اس کے بعد شیخ شاہی نے ایک حجام کو بلا کر کہا اتنا ہی خون میرے جسم سے نکال لو جتنا میرے دوستوں کا پسینہ گرا ہے۔ (فوائد الفواد صفحہ ۵۹-۱۵۸)

شیخ المشائخ کا بیان ہے کہ شاہی موئے تاب کو بدایوں میں بڑی عزت اور شہرت حاصل ہوئی۔ تمام خلقت ان کی طرف مائل ہوتی تھی اور جہاں وہ جاتے تھے ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی تھی۔ (ایضاً)

ایک بار شیخ نظام الدین ابوالمؤید بیمار پڑے۔ انہوں نے حضرت شیخ شاہی موئے تاب کو بلا کر فرمایا آپ دعا فرمائیں تاکہ میں صحت مند ہو جاؤں۔ خواجہ شاہی نے معذرت چاہی اور کہا کہ آپ بزرگ ہیں اور مجھ سے یہ خواہش کرتے ہیں۔ میں تو ایک بازاری آدمی ہوں۔ بھلا میں اس معاملہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ شیخ نظام الدین نے ان کی معذرت قبول نہ کی۔ اور فرمایا آپ کو ضرور کرنی چاہیے۔ اور ہمت باندھنی چاہیے تاکہ میں تندرست ہو جاؤں۔ آپ نے کہا بہت اچھا۔ میرے دو دوستوں کو بلایا جائے ایک کا نام "شرف" تھا۔ جو مرد صالح تھا۔ اور دوسرا "درزی" تھا۔ وہ دونوں آئے تو خواجہ شاہی نے ان سے کہا کہ شیخ نظام الدین نے مجھے یہ کام سونپا ہے۔ اب تم میری مدد کرو۔ شیخ کا بدن سر سے سینہ تک میں لیتا ہوں۔ اور سینہ سے ایک پاؤں تک ایک لے لے۔ اور دوسرے پاؤں تک دوسرا لے لے۔ تینوں مصروف دعاء ہو گئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے شیخ نظام الدین کو شفاء کامل حاصل ہو گئی۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۷۲)

سیرت و شخصیت:

عالم و فاضل، عابد و زاہد، متقی و ابرار، صاحب ترک و تجرید، مجاہد شب

بیدار رہتے تھے۔ اصحاب الصفا کی پیروی میں گوشہ گزیں رہے۔ تمام عمر شادی نہیں کی۔ آپ کی زندگی رسول مقبول ﷺ کے اتباع کا پورا نمونہ تھی۔ تصرفات غیبی کی وجہ سے آپ کا دستر خوان کافی وسیع ہو گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ الکسب سنتی والتوکل حالتی پر تکیہ کرتے تھے۔ رسیاں بٹ کر اپنا خرچ چلاتے تھے۔ فتوحات کثیر تھیں جو غریبوں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ ہوتیں۔ (مردان خدا صفحہ ۱۱۸)

شہادت:

۲۴/۲۵ ر رمضان ۶۳۲ھ کی درمیانی شب میں خانقاہ کے بالا خانہ پر مصروف عبادت تھے کہ اچانک آگ لگ گئی جس کے صدمہ سے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ ۲۵ ر رمضان المبارک بروز جمعہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور شہر سے جانب غرب بگوشہ جنوب ''سوت ندی'' کے پار جسد خاکی دفن کیا گیا۔ آج وہاں ایک وسیع درگاہ زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔

شادی مقری:

نام خواجہ شادی، خواجہ مقری کے غلام تھے۔ لاہور کے رہنے والے تھے۔ اپنے آقا سے قرآن مجید پڑھا تھا، ہفت قرات کے قاری تھے۔ قبۃ الاسلام کا شہرہ سنکر بدایوں تشریف لائے۔ لڑکوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔ وہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ جو بھی ان سے قرآن مجید کا ایک صفحہ پڑھ لیتا خداوند تعالیٰ اسے پورا قرآن صحت کے ساتھ پڑھنا میسر فرماتا...... شیخ کبیر فرماتے ہیں:...... میں نے بھی ایک سی پارہ پڑھا۔ اور اس کی برکت سے پورا قرآن حفظ ہو گیا۔ (فوائد الفواد صفحہ ۲۶۱)

شادی مقری کے مرشد خواجگی مقری تھے۔ جو لاہور میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ کوئی شخص لاہور سے بدایوں آیا۔ قاری شادی نے ان سے دریافت کیا میرے خواجہ خیریت سے ہیں؟ خواجگی مقری کا اس وقت انتقال ہو چکا تھا۔ مگر اس نے

وفات کی خبر نہ بتائی اور کہاہاں آپ کے خواجہ سلامت ہیں۔ پھر لاہور کے احوال سنانے لگا۔ بارش بہت ہوئی، کافی مکانات گر گئے۔ ایک بار آگ لگ گئی اور بہت سے مکانات جل گئے اور بڑی بربادی ہوئی۔ جب آنے والے نے یہ حکایت پوری کر لی تو شادی مقری نے کہا شاید میرے خواجہ نہیں رہے۔ اس نے کہاہاں اس سے قبل ہی وہ رحمت سے جاملے تھے۔ آپ کا وصال ۲۷ رجب المرجب ۶۳۹ ہجری کو ہوا تھا۔ مزار درگاہ سلطان العارفین کے پاس بدایوں میں ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۶۲)

شیخ عزیز کوتوال علیہ الرحمہ:

سالک مجذوب سطوت عزیز کوتوال ابن رشید نخشبی۔ آپ کا وطن نخشب ملک ایران ہے۔ وطن ہی میں تعلیم حاصل کی۔ سیر وسیاحت کرتے ہوئے دہلی آئے جہاں خواجہ ضیاء الدین کے مرید ہوئے اور ان کے حکم پر بدایوں آکر بودوباش اختیار کی۔ اکثر جذب کی حالت رہتی، کبھی کبھی سلوک میں ہو جاتے تھے۔ وہ کبھی کبھی درویشوں کو اپنے گھر بلاتے۔ اور ان کی خوب ضیافت کرتے۔ جوانی ہی میں شہید ہوئے۔

شیخ المشائخ نے اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان فرمایا:

'ایک دن میں بدایوں کے آموں کے باغ کی طرف گیا ہوا تھا۔ جسے لکھورہ کہتے ہیں۔ عزیز کوتوال ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے کھانے کا دستر خوان بچھا تھا۔ مجھے دور سے دیکھ کر پکارا اور کہامرحبا آؤ۔ میں ڈر گیا کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ لیکن جب میں قریب پہنچا تو انہوں نے مجھے تعظیم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ میں نے کھانا کھایا اور واپس آیا۔ ۸ ربیع الاول ۶۸۸ ہجری کو بمقام اوجھیانی شہید ہوئے۔ مزار شریف حضرت پیر مکہ صاحب کے قریب ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۲۹۱)

قاضی جمال ملتانی:

یہ بدایوں کے باکمال بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نواح بدایوں میں ایک مقام پر جلوہ افروز ہیں اور وضو فرمارہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے فوراً اس مقام پر پہنچے۔ دیکھا کہ وہ زمین تر ہے۔ فرمایا میری قبر یہیں بنائی جائے۔ چنانچہ جب وفات ہوئی تو اسی مقام پر دفن کئے گئے۔ (فوائد الفواد صفحہ ۳۵۱)

پیشرو اور معاصر بزرگوں کے تذکرے سے یہ بات روشنی میں آتی ہے کہ شیخ کبیر کا بچپن اور عنفوان شباب بداؤں کے اس عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ جب وہاں علم ظاہر و باطن کی فضا خوب گرم ہو چکی تھی اور جس کا اثر شیخ کی سیرت پر پڑا۔ اور آپ کی علمی وروحانی شخصیت کی تعمیر میں بدایوں کے علماء ومشائخ کی تعلیم وتربیت کا نمایاں حصہ رہا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ المشائخ نے سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد بھی ابتدائی دور کے بزرگوں کو فراموش نہ کیا۔

☆☆☆

باب دوم

مرشد کامل

شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

زبدۃ الکاملین شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز

نام و نسب:

ہندوستان میں خانوادۂ چشت کے تیسرے روحانی سربراہ کا اسم گرامی "مسعود" لقب فریدالدین اور گنج شکر ہے۔ آپ کا خاندانی تعلق کابل کے بادشاہ فرخ شاہ سے تھا۔ سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ فریدالدین مسعود بن شیخ سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ محمد احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی ابن نصیر فخر الدین محمود بن سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ واعظ الاصغر بن واعظ الاکبر ابوالفتح ابن شیخ اسحاق بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۸۶)

مؤلف سیر الاولیاء کے مطابق فرخ شاہ کابل کا عظیم فرمانروا تھا۔ مگر اس کے جانشینوں میں کمزوری آگئی۔ اور حملہ تاتار میں ایران توران کی حکومتوں کی طرح کابل بھی ویران ہوا۔ شیخ فریدالدین کے جد امجد نے تاتاریوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی۔ کابل کی ویرانی کے بعد آپ کے دادا شیخ شعیب اپنے اہل

دعیال کے ساتھ لاہور وارد ہوئے۔ اور قصبہ ''قصور'' میں قیام کیا۔ وہ درباری زندگی کی دھوم دھام سے الگ مطالعہ کتب اور عبادت میں گہری دلچسپی لینے لگے۔ قصور کے قاضی نے سلطان وقت کو خبر دی کہ ایک اعلیٰ خاندان کا ممتاز عالم ان کے شہر میں سکونت گزیں ہے۔ سلطان نے انہیں کسی اعلیٰ منصب پر فائز کرنا چاہا۔ لیکن شیخ شعیب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اونچے عہدے اور درباری زندگی کی انہیں خواہش نہیں رہی۔ سلطان نے اصرار کر کے کھوتوال ضلع ملتان کا قاضی مقرر کر دیا۔ قاضی شعیب نے اپنی زندگی کے باقی دن وہیں بسر کئے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۶۹)

قاضی شعیب کے ایک فرزند شیخ جمال الدین سلیمان کی شادی کھوتوال میں شیخ وجیہہ الدین مجندی کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔ ان کے تین بیٹے عزالدین، فریدالدین مسعود اور نجیب الدین متوکل ہوئے۔

والدہ ماجدہ:

حضرت بابا فریدالدین کی عفت مآب پارسا والدہ ایک شب عبادت الٰہی میں مصروف تھیں کہ ایک چور گھر کے اندر داخل ہوا۔ وہ فوراً اندھا ہو گیا۔ اس نے باہر نکلنے کی ہزار کوشش کی مگر ناکام رہا۔ مجبوراً آواز دی میں چور ہوں۔ چوری کے لئے اس گھر میں آیا تھا۔ یہاں کوئی ہستی ضرور ہے جس کی دہشت نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بینائی حاصل ہو جائے تو آئندہ کبھی چوری نہ کروں گا اور مسلمان ہو جاؤں گا۔ والدہ ماجدہ نے جب یہ بات سنی تو بارگاہ الٰہی میں اس کی بینائی کے لئے دعاء کی۔ خدا کے حکم سے چور کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور وہ باہر نکل گیا۔

جب صبح ہوئی وہ شخص اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آیا۔ اور دہی بھی ساتھ لایا۔ رات کا ماجرا بیان کیا اور حسب وعدہ صدق دل سے مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر دعائے برکت دی جس کی وجہ سے وہ ولی کامل بن گیا۔

(سیر العارفین صفحہ ۴۳، سیر الاقطاب صفحہ ۱۸۷) انہیں مستجاب الدعوات صالحہ کے بطن سے حضرت بابا فرید ۵۶۹ ہجری بمطابق ۱۱۷۳ء میں تولد ہوئے۔

گنج شکر:

آپ کے لقب "گنج شکر" کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں۔

(۱) بچپن میں خواجہ فرید مسعود کو شیرنی سے رغبت تھی۔ والدہ ماجدہ نے نماز کا عادی بنانے کے لئے ہونہار فرزند کو سمجھایا۔ جو بچے باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو شکر عطا فرماتا ہے۔ اور وہ چپکے سے جانماز کے نیچے شکر رکھ دیا کرتیں۔ جب نماز پڑھ کر مصلیٰ پلٹتے انہیں شکر ملتی۔ ایک دن والدہ محترمہ کسی مہمان کی ضیافت میں مصروف ہوئیں اور جانماز کے نیچے شکر رکھنا بھول گئیں۔ لیکن حضرت خواجہ فرید نے حسب معمول نماز پڑھی اور مصلیٰ پلٹ کر دیکھا تو کافی شکر ملی۔ ان کی والدہ کو ضیافت سے فرصت ہوئی تو معلوم ہوا کہ فرید نے نماز پڑھ لی ہے۔ اور انہیں شکر بھی مل گئی ہے۔ انہوں نے گھر والوں سے دریافت کیا۔ شکر کس نے رکھی تھی؟ جب پتہ چلا کہ کسی نے شکر نہیں رکھی تھی تو انہیں سخت حیرت ہوئی۔ اور اسے کرشمہ قدرت جان کر فرزند کو گنج شکر سے پکارا۔ (جواہر فریدی صفحہ ۲۵۳)

(۲) جس زمانہ میں حضرت بابا فرید الدین اپنے مرشد کے پاس دہلی میں ریاضت و مجاہدہ میں مصروف تھے اور غربی دروازہ کے پاس قیام پذیر تھے۔ صوم وصال رکھا۔ برسات کا زمانہ تھا۔ کافی بارش ہوئی تھی۔ تمام زمین دلدل بن گئی تھی۔ سات دن ہو چکے تھے۔ حضرت نے افطار نہیں کیا تھا۔ جسم مبارک نہایت کمزور ہو گیا تھا۔ مرشد کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا۔ راستے میں پاؤں پھسل گیا۔ زمین پر گرے اور منہ میں کچھ مٹی داخل ہو گئی۔ خدا کے حکم سے وہ شکر ہو گئی۔ وہاں سے مرشد کی بارگاہ میں پہنچے، شیخ نے فرمایا۔ بابا فرید مسعود تھوڑی سی مٹی تیرے منہ میں شکر ہو گئی۔ عجب نہیں کہ خداوند تعالیٰ تیرے پورے وجود کو گنج شکر

بنادے۔ جو ہمیشہ شیریں رہے گا۔ واپس آئے تو جس سے ملتے آپ کو گنج شکر کہہ کر پکارتا۔ (سیر العارفین صفحہ ۶۱)

(۳) ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جارہا تھا۔ جب وہ اجودھن پہنچا تو شیخ فرید نے اس سے پوچھا۔ اونٹوں پر کیا ہے؟ سوداگر نے ازراہ تمسخر کہا۔ نمک ہے۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا بہتر ہے نمک ہی ہوگا۔ سوداگر جب منزل پر پہنچا تو شکر کی بوریوں میں نمک دیکھ کر سخت پریشان ہوا۔ اسی وقت شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر غلطی کی معافی چاہی۔ شیخ نے فرمایا اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی۔ چنانچہ نمک شکر میں تبدیل ہو گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے آپ گنج شکر مشہور ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ا صفحہ ۲۹۲)

گنج شکر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں اسی نوع کے دوسرے واقعات بھی تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ وجہ جو بھی ہو سچ یہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی شیریں اخلاق کا مظہر تھی۔ اس لئے شیریں زبانی، نرم دلی اور محبت بھرا برتاؤ تھا۔ جس نے عوام میں آپ کو گنج شکر کے لقب سے مشہور کر دیا اور رہتی دنیا تک اسی لقب سے یاد کئے جاتے رہیں گے۔

علوم ظاہری کی تحصیل:

شیخ فرید کا خاندان شرافت اور علمی وجاہت میں ممتاز تھا۔ اس لئے بچپن ہی سے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام خاندانی روایات کے مطابق ہوا۔ کھوتوال میں عربی و فارسی اور دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ اٹھارہ برس کی عمر میں ملتان گئے۔ جو ان دنوں علوم و معارف کا مرکز اور علم ظاہر و باطن کا سنگم تھا۔ جہاں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد کے مدرسہ میں داخل ہو کر قرآن و حدیث، فقہ و کلام اور دوسرے علوم و فنون کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ انہوں نے پورا قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ روزانہ ایک ختم قرآن شریف آپ کا

معمول تھا۔ طلب علم میں بڑی لگن اور یکسوئی دکھائی۔ جس کی بناء پر وہ اساتذہ کی توج
مرکز بن گئے۔ اور وہ شہر میں قاضی بچہ دیوانہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ساتھ
ساتھ ذوق روحانی بھی پروان چڑھنے لگا۔ ہونہار طالب علم کا علمی انہماک اور روح
ذوق تھا جس نے شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہ کو ان کی جانب متوجہ کیا۔
تبریزی نے ایک انار بطور تحفہ عطا فرمایا چونکہ بابا فرید روزے سے تھے۔ اس انار کو قبو
نہ کر سکے۔ جسے دوسرے درویشوں نے کھالیا۔ بعد افطار ان کو انار کے چھلکے میں ایک
دانہ انار ملا۔ جب انہوں نے اس دانہ کو کھایا تو ایسا محسوس ہوا کہ روحانیت کی روشنی
ان کا وجود جگمگا اٹھا۔ بعد میں جب یہ واقعہ بابا فرید نے اپنے مرشد کو سنایا تو انہوں
فرمایا ساری برکت اور روحانی فیض اسی ایک دانہ میں تھا۔ باقی پھل میں کچھ نہ تھا۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے ملاقات اور بیعت:

حضرت بابا فرید الدین ملتان میں زیر تعلیم ہی تھے کہ حضرت خواجہ قطب
الدین بختیار کاکی ہندوستان آتے ہوئے ملتان میں فروکش ہوئے۔ ایک روز مسج
منہاج الدین میں تشریف لائے۔ تحیۃ المسجد پڑھی اور بیٹھ گئے۔ بابا فرید جو اس
وقت فقہ کی کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے تھے۔ جب ان کی نظر حضرت شیخ بختیار کاکی
کے چہرۂ انور پر پڑی دل بیتاب ہو گیا اور فرط شوق میں سر قدموں پر رکھ دیا۔ خواج
بختیار کاکی نے دریافت فرمایا تمہارے ہاتھ میں کونسی کتاب ہے؟ بابا فرید نے عرض
کیا۔ کتاب نافع ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا انشاءاللہ یہ کتاب نافع ہو گی۔

اسی وقت حضرت شیخ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ اور دامن مرشد سے
وابستہ ہو کر روحانی نعمت حاصل کرنے لگے۔

جب شیخ بختیار کاکی ملتان سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تو تین منزل تک
بابا فرید ہمرکاب رہے۔ تیسری منزل پر مرشد برحق نے فرمایا۔ اے بابا فرید اس
ترک و تجرید کے ساتھ کچھ عرصہ تک علم ظاہری میں مشغول رہو۔ اس کے بعد

دہلی آؤ اور میری صحبت میں رہو۔

مرشد کے حکم کی تعمیل میں تحصیل علم کے لئے قندھار چلے گئے۔ اور پانچ سال تک علوم و معارف کا درس لیتے رہے۔ ساتھ ہی روحانی مجاہدہ و ریاضت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اور طبع مبارک سے علم لدنی کے چشمے جاری ہو گئے۔ اس دوران بغداد، مکہ، ایران، عراق، خراسان کی سیاحت کی جہاں وقت کے مشائخ کبار کی بارگاہوں سے فیض اٹھایا۔ (سیر العارفین صفحہ ۴۹)

آمد دہلی:

ظاہری علوم و فنون کی تکمیل کے بعد مرشد کامل کی ہدایت کے مطابق دہلی میں غزنی دروازہ کے باہر ایک برج میں مصروف ریاضت ہوئے۔ دو ہفتہ بعد مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران طے کا روزہ رکھتے۔ کچھ دنوں بعد مرشد نے چلہ معکوس کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ ایک ایسی مسجد منتخب کرو جس کے دروازے پر کنواں اور اس کے قریب درخت ہو۔ نیز اس مسجد کا مؤذن متدین اور درویشوں کے اسرار کا جاننے والا ہو۔ اپنے پاؤں درخت کے ساتھ رسی سے باندھ لو۔ اور کنویں میں سرنگوں ہو کر چالیس رات مشغول عبادت رہو۔ حکم مرشد کی تعمیل میں شہر شہر، قریہ قریہ ایسی مسجد اور مؤذن کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ خطہ اُچ میں یہ ساری چیزیں یکجا مل گئیں۔ خواجہ رشید الدین ملتانی ساکن ہانسی اس مسجد کے مؤذن تھے۔ چند روز مسجد میں قیام کے بعد اپنے ارادہ کا اظہار اس مؤذن سے اس شرط پر کیا کہ وہ ساری بات راز میں رکھے۔

چنانچہ چلہ معکوس شروع ہوا۔ عشاء کی نماز کے بعد مؤذن ایک رسی سے آپ کے پاؤں باندھ کر کنویں میں لٹکا دیتا اور دوسرا سرا درخت سے باندھ دیتا۔ صبح صادق کے وقت آتا اور آپ کو کنویں سے باہر نکال دیتا۔ پھر پورے دن نماز و مراقبہ میں مصروف ہوتے۔ اس طرح چالیس رات آپ نے اس کنویں میں چلہ

معکوس کر کے مرشد کا حکم پورا کیا۔ (مراۃ الاسرار صفحہ ۷۶۱)

سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا فیض:

ایک بار سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ اجمیر سے دہلی تشریف لائے۔ اور اپنے خلیفہ اور مرید حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ حضرت قطب الاقطاب نے اپنے تمام مریدوں کو مرشد کی بارگاہ میں پیش کیا۔ ہر ارادتمند نے اپنی لیاقت کے مطابق غریب نواز سے نعمت و برکت حاصل کی۔ حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ اور کوئی مرید باقی تو نہیں رہا؟۔ حضرت قطب الاقطاب نے عرض کی ہاں ایک درویش چلہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ غریب نواز نے فرمایا آؤ اسے دیکھیں۔ یہ دونوں بزرگ حضرت بابا فرید کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں وہ چلوں کی مشقت اٹھا رہے تھے۔ اور اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ اپنے پیر اور پیر کے مرشد کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہو سکے۔ اور آبدیدہ ہو کر سر قدموں میں رکھ دیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے فرمایا۔ بختیار اس نوجوان کو کب تک مجاہدات کی آگ میں جلاؤ گے۔ آؤ ہم دونوں مل کر اس فقیر کو کچھ عطا کریں۔ پھر حضرت غریب نواز نے بابا فرید کا داہنا بازو اور بایاں بازو حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے پکڑ کر کھڑا کیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا:

''الٰہی تو فرید کو قبول فرما اور درویشان کامل کے مرتبہ تک پہنچا دے''

ندائے غیبی آئی میں نے فرید کو قبول کیا۔ فرید ''فرید دہر اور وحید عصر ہے'' پھر حضرت خواجہ نے اسی وقت ان کو اسم اعظم جو پیران چشت سے سینہ بہ سینہ چلا آرہا تھا سکھایا۔ اسم اعظم سیکھتے ہی علم لدنی منکشف ہو گیا اور سارے حجابات اٹھ گئے۔ (سیر الاولیاء صفحہ ۸۱)

خلافت و خلعت:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے بابا فرید کو اپنی خلعت خاص سے نوازا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے اپنی دستار دے کر لوازمات خلافت تفویض فرمائے۔ اس مجلس خیر میں قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علی کرمانی، سید نورالدین غزنوی، مولانا مبارک، شیخ نظام الدین ابوالموئید، مولانا شمس الدین ترک، خواجہ موئینہ دوز جیسے اکابر مشائخ طریقت و صلحاء امت موجود تھے۔ آخر میں سلطان العارفین خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا:

"بابا قطب الدین شاہباز عظیم دردام آوردکہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آستانہ نمی گیرد، ایں، فرید شمع است کہ خانوادہ درویشاں منور سازد"

ترجمہ: بابا قطب الدین نے ایک ایسا عظیم شہباز زیر دام کیا جس کا آستانہ صرف سدرۃ المنتہیٰ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ فرید ایسی شمع ہے جو درویشوں کے خانوادے کو روشن کرے گی۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۸۹)

سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کا یہ بے نظیر واقعہ ہے کہ مرشد اور مرشد کے مرشد نے بیک وقت کسی خوش نصیب مرید پر توجہ خاص مبذول کی ہو اور اپنی دعاؤں اور نوازشوں سے سرفراز کیا ہو۔ یہ شرف عظیم فقط حضرت فرید گنج شکر کا مقدر تھا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا شیخ کبیر نے صرف مغربی پنجاب ہی میں اشاعت اسلام نہیں کی بلکہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء، شیخ صابر کلیری جیسے صاحب سلسلہ بزرگوں کی تربیت کر کے چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان کے طول و عرض میں مستحکم بنیادوں پر پھیلایا۔

قیام ہانسی:

خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ بختیار کاکی سے برکت اور سند خلافت پانے کے بعد حضرت شیخ فرید شیخ کامل بن چکے تھے۔ تعلیم و تربیت کا مرکز قائم کرنے کے مجاز بھی ہو چکے تھے۔ دور اول کے صوفیہ و مشائخ کی طرح مرتاضانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ادنیٰ عیش و آرام بھی اپنے اوپر حرام سمجھتے اور صاحبان

ثروت واقتدار سے دور رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت بابا فرید کو دہلی کی طرز حیات اور سیاست بھرا ماحول پسند نہ آیا اور وہ دارالحکومت دہلی کے ہنگاموں سے دور قصبہ ''ھانسی'' میں قیام پذیر ہوئے۔ اور عبادت وریاضت میں مشغول ہوئے۔ مگر آفتاب ولایت کی شعاعیں جب ہانسی اور اس کے مضافات تک پہنچی تو ارادتمندوں کا ہجوم رہنے لگا۔ جس کی بناء پر حضرت بابا صاحب کو ہانسی میں بھی وہ سکون نہ ملا جس کے وہ متلاشی تھے۔ جہاں جہاں وہ جاتے عقیدتمندوں کی ایک بھیڑ اکٹھا ہو جاتی۔ اس طرح لوگ ان کا بہت سا وقت لے لیتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہانسی چھوڑ کر کوئی خاموش ویران سنسان مقام ڈھونڈنے پر مجبور ہوئے۔ جہاں یکسوئی اور طمانیت کے ساتھ عبادت حق میں مصروف ہو سکیں۔ اور وصل الٰہی حاصل کر سکیں جو روحانی جدوجہد کا مقصد کل ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ مغربی علاقہ کی طرف جاکر ملتان کے قرب وجوار میں اقامت گزیں ہوں جہاں کوٹھوال کے مقام پر ان کے والد نے اپنا خاندان آباد کیا تھا۔ یہ سنسان اور بنجر علاقہ تھا جہاں زندگی گزارنے کی بہت کم سہولتیں میسّر تھیں۔ ایسی ہی جگہ قیام کا حکم ان کے مرشد نے دیا تھا۔ جاؤ کسی ویرانے میں بستی بساؤ۔

مرشد کی جانشینی:

حضرت شیخ فرید گنج شکر فرماتے ہیں۔ میں مرشد کی خدمت میں تھا۔ ہانسی جانے کے ارادے سے اٹھا۔ مرشد کی نظر مجھ پر پڑی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا میں جانتا ہوں۔ مولانا فریدالدین تم چلے ہی جاؤ گے۔ میں نے عرض کی جو آپ کا حکم ہو ویسا ہی کروں گا۔ فرمایا۔ جاؤ تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ وقت آخر تم میرے پاس نہ ہو گے۔ اس کے بعد حاضرین سے کہا آؤ اس درویش کے لئے دین ودنیا اور فقر کی نعمتوں کے لئے مل کر سورۂ فاتحہ وسورۂ اخلاص پڑھیں۔ پھر میرے حق میں دعاء فرمائی۔ اس کے بعد اپنا ذاتی مصلّی اور عصاء عطا کرتے ہوئے کہا میں

تمہاری امانت قاضی حمید الدین ناگوری کے حوالہ کر دونگا۔پانچ روز بعد وہ تم کو پہنچا دے گا۔ان کو حاصل کر لینا۔تم ہمارے جانشین ہو۔(سیر الاولیاء صفحہ ۸۲)

ایک روایت کے مطابق بوقت رخصت یہ نصیحت فرمائی۔

تصوف کی یہ نشانیاں جو میں تمہیں ودیعت کر رہا ہوں ایک امانت ہے۔جو ہمارے بزرگوں کو سینہ بہ سینہ خود رسول اللہ ﷺ سے منتقل ہوتی رہی ہے۔میں اس امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔اب اس سے عہدہ برآ ہونا تمہاری ذمہ داری ہے۔اس فرض کو تم اس طرح انجام دو کہ عاقبت میں تمہیں پشیمانی نہ ہو۔اے میرے عزیز! خدا کے روشن ضمیر بندے سورج کے مانند چمکتے ہیں۔یہ لوگ نور معرفت سے سارے عالم کو منور کرتے ہیں۔اہل محبت کا جو مقام ہے وہ فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔

چار چیزیں انسان کو قید نفس سے نجات دلاتی ہیں۔اول درویشی میں بھی تونگری کی شان ہو۔دوم گرسنگی کی حالت میں بھی شکم سیر نظر آئے۔سوم غم واندوہ کی حالت میں بھی شادماں رہے۔چہارم خلق جتنی برائی سے پیش آئے اسی کے برابر اس کے ساتھ نیکی کی جائے۔(سیر الاقطاب صفحہ ۱۸۱)

حضرت بابا فرید مرشد سے رخصت ہو کر ہانسی چلے آئے۔جب قطب الاقطاب حضرب بختیار کاکی کا وقت موعود قریب آیا حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سے فرمایا۔یہ میرا خرقہ یہ عصا اور یہ لکڑی کی کھڑاویں شیخ فرید الدین کو دے دی جائیں۔

ادھر ہانسی میں حضرت بابا فرید نے مرشد کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے پاس بلا رہے ہیں دوسرے دن صبح ہانسی سے روانہ ہو کر چوتھے دن دہلی پہنچے۔قاضی حمید الدین نے شیخ کے تبرکات پیش کئے۔آپ نے دوگانہ ادا کیا۔اور خرقہ زیب تن فرمایا۔اور مرشد کامل کے جانشین کی حیثیت سے کچھ دنوں دہلی میں قیام کیا۔

ایک دن احباب سے کہا میں ہانسی چلا جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ مرشد کامل نے آپ کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ فرمایا "مرشد نے مجھے جو نعمت بخشی ہے وہ شہر و بیابان دونوں میں یکساں ہے" اور ہانسی چلے آئے۔(سیر الاولیاء صفحہ ۸۱)

قیام اجودھن:

ہانسی میں بارہ سال قیام رہا مگر خلق کے رجوع عام اور شہرت سے بچنے کے لئے حضرت بابا صاحب نے ہانسی ترک کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور وہاں کی خانقاہ اپنے خلیفہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے حوالہ کی۔ اور خود بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے چند مریدوں کو لے کر اجودھن پہنچے۔ اجودھن دریائے ستلج کے مغرب میں اس کی ایک معاون ندی کے کنارے آباد ہے۔ اب یہ مقام پنجاب (پاکستان) کے ضلع ساہیوال کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ حضرت بابا صاحب کا مستقر ہونے کی وجہ سے اجودھن کا نام "پاک پٹن" ہو گیا۔

بابا فرید نے اجودھن کے باہر ایک ویران اور سنسان مقام پر درختوں کے ایک جھرمٹ کے نیچے اپنے لئے ایک چھوٹا سا جھونپڑا بنایا۔ جس کے ارد گرد دور دور تک ریت کے ٹیلے اور جنگلی درخت تھے۔ یہ مقام جانوروں اور سانپوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک بار بابا صاحب کی انگلی میں سانپ نے کاٹا تھا۔ اس ویران خرابے میں حضرت بابا صاحب نے کچھ عرصے تک اپنا سارا وقت عبادت میں گزارا۔

لیکن پھر انہوں نے اپنے جھونپڑے کا دروازہ آنے جانے والوں کے لئے کھول دیا۔ یہ عام بات ہے کہ جس جگہ ولی اللہ بسیرا کرتے ہیں وہ جگہ ایک قسم کی مقناطیسی کشش حاصل کر لیتی ہے۔ اور چھوٹا سا شہر بس جاتا ہے۔ لہٰذا بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ بابا فرید کے جھونپڑے کے پاس ایک خانقاہ اور جماعت خانہ تعمیر ہو گیا۔ اور دور دور سے لوگ بابا فرید کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر ہونے لگے۔

قاضی کا حسد:

بابا فرید کی نیک نامی اور عوام کے درمیان ان کی مقبولیت اجودھن کے قاضی کے حسد اور نفرت کا باعث بنی۔ قاضی نے مقامی جاگیرداروں اور سرکاری عہدیداروں کو بابا کے خلاف بھڑکایا اور ان لوگوں نے بابا فرید الدین اور ان کے اہل وعیال کو ستانا شروع کر دیا۔ قاضی اس حد تک پہنچ گیا کہ اس نے بابا فرید کو شہید کرنے کے لئے ایک پیشہ ور قاتل کو آمادہ کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء بیان فرماتے ہیں کہ جب اس قاتل کو معلوم ہوا کہ بابا فرید کو اس کے ارادے کی خبر ہو گئی ہے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ قاضی نے پھر وہاں کے والی (گورنر) سے شکایت کی کہ خانقاہ میں رہنے والے موسیقی اور اجتماعی حال وسماع جیسے "غیر اسلامی" فعل سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ چنانچہ والی نے بابا فرید اور ان کے بیٹوں کے لئے زندگی دشوار کر دی۔ لیکن بابا فرید نے ان سب مخالفتوں کا صبر اور تحمل سے سامنا کیا اور ان پر غالب ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ اس والی کو نہ جانے کونسی بیماری ہو گئی اور وہ جلد ہی مر گیا۔

(سیر العارفین صفحہ ۴۶)

جوگی کی قبیح حرکتوں کا خاتمہ:

قیام اجودھن کے ابتدائی ایام کا واقعہ ہے کہ آپ جنگل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت سر پر دودھ کی ہانڈی لئے ہوئے گزری۔ آپ نے دریافت فرمایا ماں کہاں سے آرہی ہو؟ کہاں جا رہی ہو۔ سر پر کیا ہے؟ وہ عورت رونے لگی اور عرض کیا۔ اے خدا کے نیک بندے اس قصبہ میں ایک جوگی ہے۔ جو ہم غریبوں پر مصیبت ڈھاتا ہے۔ اس کے حکم سے کوئی ذرا بھی سرتابی کرتا ہے تو وہ اس پر بلا نازل کر کے تباہ کر دیتا ہے۔ جس سے جو چاہتا ہے اپنے چیلوں سے منگواتا ہے۔ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ دودھ اسی کے حکم پر لے جا رہی ہوں۔ اگر نہ جاؤں گی تو ابھی

میرے گھر پر جو دودھ ہے سب خون ہو جائے گا۔ اس گفتگو کی وجہ سے جو تاخیر ہو گئی ہے معلوم نہیں اس کی کیا سزا ملے گی۔ جوگی کے ظلم و تعدی کی داستان سن کر حضرت بابا نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ گھبرانے کی بات نہیں۔ یہ سارا دودھ خوشی سے فقراء میں تقسیم کر دو۔ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

اسی دوران جوگی کا ایک چیلا وہاں پہنچا۔ اور اس نے عورت کو ڈانٹنا چاہا۔ حضرت نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ خاموشی سے بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا۔ اور اس کی زبان بند ہو گئی۔ دوسرا چیلا پہنچا۔ وہ بھی خاموش بیٹھ گیا۔ اسی طرح اس کے سارے چیلے آتے گئے اور بیٹھتے گئے۔ اگر کوئی اٹھنا چاہتا تو اٹھ نہ پاتا۔ آخر میں جوگی وہاں آیا۔ اپنے شاگردوں کی بے بسی دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اور جادو کے ذریعہ ان کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ساری کوشش بے سود ہو گئی تو اس نے انتہائی عاجزی کے ساتھ حضرت بابا فرید سے عرض کی۔ میرے شاگردوں کو چھوڑ دیجئے۔ حضرت نے فرمایا صرف ایک شرط پر رہائی ہو گی۔ تو اس دیار سے چلا جا اور کبھی ایسی ظالمانہ حرکتوں کا ارادہ نہ کرنا۔ جوگی نے منظور کیا۔ اور اسی وقت سارا سامان لے کر اجودھن سے چلا گیا۔ اس طرح جوگی کے فتنے اور ظلم سے اجودھن کے سادہ لوح انسانوں کو نجات ملی۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۹۱)

سلطانی نذرانوں سے پرہیز:

حضرت شیخ العالم نے ہمیشہ بادشاہوں اور امیروں سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ نہ ان کی جاگیریں قبول کیں اور نہ ہی نذرانے۔ ہاں اگر نذرانے قبول بھی فرماتے تو فوراً غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔

☆ایک مرتبہ اجودھن کے حاکم نے کچھ گاؤں کی جاگیر اور زر نقد شیخ العالم کی بارگاہ میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ گاؤں اور رقم لے لوں تو مجھے لوگ درویش نہ کہیں گے۔ مالدار کہیں گے۔ پھر یہ منہ درویشوں کو دکھانے کے

لائق نہ رہے گا اور میں ان کے درمیان کھڑا نہ ہو سکوں گا۔

اپنے پیشروؤں کی طرح شیخ العالم نے سلاطین وسیاست سے لاتعلقی برتی۔

☆ ایک بار جب کسی نے اپنے معاملہ کی سفارش کا اصرار کیا تو اس کی دلجوئی کے لئے سلطان غیاث الدین بلبن کو تحریر فرمایا:

"میں نے ان کا مسئلہ پہلے خدا کے سامنے پھر تمہارے سامنے رکھا ہے۔
اگر تم اسے کچھ دو گے تو اس لئے شکریہ کے حقدار ہو گے کہ تم اس انعام
کا ذریعہ ہو لیکن حقیقت میں خدائے واحد ہی دینے والا ہے۔ اگر تم کچھ
دینے سے انکار کرتے ہو تو وہ اس لئے کہ تم اس معاملہ میں بے بس ہو۔
کیونکہ صرف خدا ہی انکار کرنے کا حق رکھتا ہے۔ (بابا فرید صفحہ ۲۳)

☆ سلطان ناصر الدین محمود دہلی سے اُچ اور ملتان کی طرف آیا تو اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ حضرت بابا فرید کی زیارت کے لئے اجودھن حاضر ہوا۔ بادشاہ اور اس کے امراء وسپاہ نے حضرت شیخ کبیر کی زیارت کی۔ اسی موقع پر سلطان نے اپنے وزیر بلبن کی معرفت شیخ کی خدمت میں چند گاؤں کا معافی نامہ اور کچھ نقد رقم بھی پیش کی۔ شیخ نے نقد رقم قبول کر کے غرباء ومساکین میں تقسیم کر دی۔ اور جاگیر نامہ اس شعر کے ساتھ واپس کر دیا۔

شاہ مارادہ دھد منت نہد
رازق مارزق بے منت دہد

ترجمہ: "بادشاہ مجھے گاؤں کی جاگیر دے کر مجھ پر احسان کرتا ہے۔ لیکن میرا رازق بلا کسی احسان کے رزق دیتا ہے۔"

مزید بر آں بادشاہ کو یہ پیغام بھی بھیجا "ملک خداترس وزیروں کے حوالہ کرو"۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ جب الغ خان نے چند گاؤں کی جاگیر کا دستاویز اور نقد رقم شیخ کبیر کے سامنے پیش کی تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ الغ خان

نے جواب دیا یہ جاگیر کا حکم نامہ ہے اور یہ زر نقد ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ یہ نقد تو رکھ دے کہ ہم فقیروں میں تقسیم کر دیں گے مگر جاگیر کا حکم نامہ لے جا کہ اس کے بہت سے طالب ہیں۔ (سیر الاولیاء)

☆ شیخ بدرالدین غزنوی جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے دہلی میں قیام کیا۔ ملک نظام الدین خریطہ دار نے جو آپ سے گہری عقیدت رکھتا تھا۔ آپ کے لئے ایک عالی شان خانقاہ بنوائی۔ شیخ غزنوی نے اس میں قیام کیا۔ ملک نظام الدین شیخ کے لئے ہر طرح کے آرام و آسائش کا سامان مہیا رکھتے تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد نظام الدین خریطہ دار غبن کے الزام میں ماخوذ ہوا جس سے شیخ بدرالدین کے کاموں میں خلل واقع ہوا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت بابا فرید کو ایک خط تحریر کیا اور یہ اشعار لکھے۔

فریدالدین یار زیرک کہ بادش در کرامت زندگانی
دریغا خاطرم در جمع داری بدہ حش کردے گوہر فشانی

پھر سارا ماجرا لکھ کر نظام الدین خریطہ دار کی رہائی کے لئے دعاء کی درخواست کی۔ شیخ فریدالدین نے جواب میں لکھا:

> ''عزیزالوجود کا رقعہ ملا۔ اس کے مطالعہ سے فرحت ہوئی۔ اس میں جو کچھ تحریر تھا معلوم ہوا۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے پیروں کے طور طریقے پر کاربند نہیں ہوتا ہے اس کو ایسے ہی واقعات پیش آتے ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کی طبیعت پریشان رہتی ہے۔ ہمارے پیروں میں سے کون ایسا تھا کہ جس نے اپنے لئے خانقاہ بنوائی ہو اور اس میں جلوس فرمایا ہو...... چونکہ شیخ بدرالدین حضرت سلطان العاشقین قطب الملت والدین بختیار اوشی قدس سرہ کے خلیفہ و مرید تھے۔ ان کے حضرت اور ان کے پیر حضرت معین الملت والدین کی یہ عادت و روش نہ تھی کہ خانقاہ بنواتے۔ اور دوکان

آراستہ کرتے بلکہ جہاں کہیں پہنچتے وہیں قیام کر لیتے۔ گمنامی، بے نشانی اور فنائیت کا ارادہ رکھتے تھے۔ (سیر العارفین صفحہ ۶۸-۶۶)

حضرت بابا فرید پر سحر:

ایک بار حضرت گنج شکر کو شدید مرض لاحق ہوا۔ اور کھانا پینا ترک کر دیا۔ آپ کے صاحبزادوں اور درویشوں نے حاذق طبیبوں کو بلا کر مرض کی تشخیص کرائی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مرض ہماری فہم و تشخیص سے باہر ہے۔ دوسرے دن مرض نے مزید شدت اختیار کر لی۔ شیخ نظام الدین اولیاء اور ان کے فرزند شیخ بدر الدین سلیمان کو طلب کیا۔ اور مشغول بحق ہونے کا اشارہ فرمایا۔ رات کے وقت دونوں مشغول عبادت ہوئے۔ شیخ بدر الدین نے اسی شب خواب میں دیکھا۔ ایک بزرگ فرما رہے ہیں۔ تیرے باپ پر سحر کیا گیا ہے۔ اور فرمایا اجودھن کے مشہور ساحر شہاب الدین جادوگر کے لڑکے نے یہ سحر کیا ہے۔ لہٰذا ایک شخص شہاب الدین ساحر کی قبر پر بیٹھ کر یہ کلمات پڑھے۔ ایھا القبر المبتلاء اعلم ان ابنک قد سحر فلانا فقل لهٗ یکف باسهٗ ولا یلحق به مالحقنا (ترجمہ): "اے قبر میں مبتلائے مصیبت جان کہ تیرے بیٹے نے فلاں شخص پر جادو کیا ہے۔ پس اس سے کہہ دے کہ اپنے شر کو باز رکھے ورنہ اسے وہ پہنچے گا جو ہمیں پہنچا ہے۔

شیخ بدر الدین سلمان نے فجر کے وقت حضرت بابا فرید سے خواب کا تذکرہ کیا۔ حضرت نے شیخ نظام الدین اولیاء سے ارشاد فرمایا ان کلمات کو یاد کر لو۔ اور شہاب الدین ساحر کی قبر تلاش کرو۔ اور بزرگ کے حکم پر عمل کرو۔

شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔ میں نے شہاب الدین ساحر کی قبر تلاش کی۔ اور اس پر بیٹھ کر مذکورہ کلمات پڑھے۔ قبر پختہ تھی ایک جگہ کچھ مٹی پڑی تھی۔ میں نے اس حصہ کو کھودا۔ ناگہاں اس میں سے ایک آٹے کا پتلا بر آمد ہوا۔ جس میں

جا بجا سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ اور گھوڑے کے بال اس مجسمہ پر مضبوطی سے باندھے گئے تھے۔ میں پُتلا لے کر شیخ المشائخ کے پاس آیا۔ اور ان کے حکم سے سوئیاں نکالنے اور بال کھولنے شروع کیے۔ جوں جوں سوئیاں نکلتیں اور بال کھلتے شیخ کو راحت ہوتی جاتی۔ سوئیاں نکالنے کے بعد اس مجسمہ کو توڑ کر دریا میں ڈال دیا۔ شیخ اسی دن صحت یاب ہو گئے۔

جب اس کی خبر والئی اجودھن کو پہنچی اس نے ساحر کو گرفتار کر کے شیخ کے حضور بھیجا۔ اور پیغام دیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ اگر حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دوں۔ شیخ نے سفارش کی اور فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی۔ اس کے شکریہ میں میں نے اسے بخش دیا تم بھی اس کی خطا بخشو۔ (فرشتہ ج ۲ صفحہ ۶۲۶)

وصال:

صاحب سیر الاولیاء کے مطابق شیخ کبیر کی عمر شریف ۹۵ سال ہوئی تھی تو مرض خلہ میں مبتلا ہوئے۔ مرض بڑھتا گیا یہاں تک کہ محرم ۶۶۴ ہجری کی پانچویں شب کو مرض نے شدت اختیار کی۔ عشاء کی نماز باجماعت ادا فرمائی۔ پھر بیہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا۔ پوچھا کیا میں نے نماز عشاء ادا کرلی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا۔ ہاں پھر کہا ایک بار پھر پڑھ لیتا ہوں۔ وضو کیا اور دوبارہ نماز ادا کر کے بیہوش ہو گئے۔ کافی دیر بعد جب ہوش آیا تو دریافت فرمایا کیا میں نے عشاء کی نماز ادا کرلی ہے؟ بتایا گیا دوبار نماز ادا کر چکے ہیں۔ فرمایا ایک بار پھر پڑھ لیتا ہوں۔ کیا معلوم کیا پیش آئے۔ تیسری بار نماز پڑھی اور واصل بحق ہو گئے۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۹۸)

وصال سے کچھ پہلے ارشاد فرمایا مولانا نظام الدین دہلی میں ہیں۔ میں بھی قطب الاقطاب حضرت بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے وقت ہانسی میں تھا۔ پھر مولانا بدرالدین اسحاق سے فرمایا میرے انتقال کے بعد میرا وہ خرقہ جو مجھے میرے مرشد سے

ملاتھا اسے مولانا نظام الدین کو پہنچا دینا۔ (سیر العارفین صفحہ ۷۸) اس طرح حضرت بابا فرید نے شیخ نظام الدین اولیاء کو اپنا جانشین اور خانوادۂ چشت کا سربراہ مقرر فرمایا۔

ازواج و اولاد:

حضرت بابا فرید نے اجودھن کے دوران قیام متعدد شادیاں کیں۔ بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق آپ کی ایک حرم بیوی "ھزیرہ" بھی تھیں۔ جو سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی تھیں۔ جن کے بطن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔

(لڑکے) (۱) شیخ نصیر الدین نصر اللہ (۲) شیخ شہاب الدین (۳) شیخ بدر الدین (۴) شیخ نظام الدین (۵) شیخ یعقوب (۶) شیخ عبداللہ

(لڑکیاں) (۱) بیوی فاطمہ (۲) بیوی شریفہ (۳) بیوی مستورہ۔

اخلاق و صفات

شیخ کبیر حضرت بابا فرید نے علوم منقولات و معقولات کی اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ دین کے اخلاقی اصول کا کامل درک رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے واقف تھے۔ گھر کے دینی ماحول اور اکابر علماء و صلحاء کی صحبت سے ان کی ذات اخلاق حسنہ اور شان صفات کمالیہ کی مظہر اتم بن گئی تھی۔ توکل و قناعت، صبر و رضا، ایثار و اخلاص، عبادت و استغراق، زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ، ترک دنیا، استغناء، خوش اخلاقی، شیریں مقالی، خدمت خلق، عفو و درگذر آپ کا شیوہ بن گیا تھا۔ ولایت و مشیخت کے بڑے بڑے منکرین بھی آپ کے علمی تبحر اور اخلاق حسنہ کے گرویدہ ہو جایا کرتے تھے۔" چنانچہ مولانا بدر الدین اسحاق بن منہاج الدین بخاری جو معقولات و منقولات کے بے نظیر فاضل تھے۔ شہر دہلی

کے مغربی مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔ وہ علم باطن کے شدید منکر اور درویشوں سے سوءِ باطن رکھتے تھے۔ اتفاقاً ان کو چند مشکل مسائل پیش آئے۔ معاصر علماء ان علمی مشکلات کو حل کرنے سے قاصر تھے۔ ان مسائل کو لیکر مولانا بدرالدین بخارا کے لیے روانہ ہوئے دوران سفر اجودھن میں قیام کیا۔ ان کے ہم سفر رفقاء بابا فرید کی زیارت کے لیے آمادہ ہوئے۔ ان سے بھی بارگاہ عالی میں چلنے کا اصرار کیا۔

مولانا نے بڑی بے اعتنائی سے جواب دیا۔ تم جاؤ میں نے بہت سے ایسے شیخ دیکھے ہیں۔ ان کی صحبت میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ لیکن جب رفقاء کا اصرار بڑھا تو بادل ناخواستہ مولانا بدرالدین شیخ فرید کے آستانۂ کرم پر پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے مولانا کی طرف توجہ فرمائی۔ دوران گفتگو تمام پیچیدہ مسائل حل اور علمی دقائق روشن ہوگئے۔ کشف اور علوم وفنون کی رمز شناسی نے مولانا کو اس قدر متاثر کیا کہ مشائخ سے ان کا انکار جاتا رہا۔ سر قدموں پر رکھدیا۔ اور سچائی کے ساتھ توبہ کرکے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ بخارا کا ارادہ ترک کرکے اجودھن ہی میں مقیم ہوگئے۔ شب وروز حضرت کی خدمت میں رہتے اور فیض حاصل کرتے۔ جنگل سے لکڑیوں کا گٹھر سر پر لاد کر باورچی خانہ کے لئے لاتے۔ انھیں شیخ کی دامادی اور خلافت کا فخر حاصل ہوا۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۷۵)

فقر و توکل:

حضرت بابا فرید نے پوری زندگی فقر و تنگدستی میں بسر کی۔ لباس اور غذا میں بڑی سادگی تھی۔ اکثر جسم پر پھٹے کپڑے ہوتے۔

ایک مرتبہ پیراہن کافی بوسیدہ ہوگیا تھا۔ کسی نے نیا پیرہن پیش کیا۔ اسے زیب تن تو فرمالیا۔ لیکن فوراً اتار ڈالا۔ اور شیخ نجیب الدین متوکل کو دیکر ارشاد فرمایا۔ جو ذوق مجھے اس پرانے پیراہن میں حاصل تھا اس نئے کرتے میں نہیں ہے۔

(اخبار الاخیار، صفحہ: ۸۰)

جس کمبل پر وہ دن میں بیٹھتے تھے اسی کو رات کے وقت اپنا بستر استراحت بناتے۔اور تکیہ کی جگہ سر کے نیچے مرشد کا عصاء رکھ لیتے۔(فوائد الفواد، صفحہ ۸۷)

گھر میں اکثر فاقہ ہوتا۔کنیز خبر دیتی کہ فلاں صاحبزادے یا فلاں حرم پر دو دو تین تین فاقے گذر گئے ہیں۔لیکن اس خبر سے ان کی عبادت وریاضت کا سکون ختم نہ ہوتا تھا۔(خیر المجالس: صفحہ:۸۹)

پیران چشت کی طرح اکثر روزے رکھتے۔افطار میں ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی سی کشمش ملی ہوتی حاضر کیا جاتا۔تو اس میں سے آدھا بلکہ دو تہائی شربت حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی ایک تہائی خود نوش فرماتے۔پھر اس میں سے بھی کسی طلبگار کو عنایت فرمادیتے۔اس کے بعد دو روغنی روٹیاں لائی جاتیں۔ان میں سے ایک ٹکڑا خود تناول فرماتے اور باقی حاضرین میں بانٹ دیتے۔پھر طرح طرح کے کھانے دستر خوان پر چنے جاتے۔ان کھانوں کو مہمان کھاتے لیکن خود دوسرے دن افطار تک کچھ نہ کھاتے۔(اخبار الاخیار، صفحہ:۸۱)

خانقاہ میں اکثر ایک جنگلی پھل ویلہ کا سالن نمک اور سرکہ ملا کر تیار کیا جاتا تھا۔

ایک دن نمک موجود نہ تھا۔حضرت خواجہ نظام الدین جو سالن پکانے پر مامور تھے۔مرشد کی خاطر ایک پیسہ کا نمک بقال سے ادھار لیا۔اور ویلہ پکا کر خدمت عالی میں حاضر کیا۔حضرت گنج شکر نے کھانے کے لیے پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو نور باطن سے معلوم ہو گیا اور فرمایا:"دریں طعام بوئے اسراف می آید روانہ باشد کہ من ایں طعام رابخورم"یعنی اس کھانے میں اسراف کی بو آتی ہے۔میرے لیے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔دریافت فرمایا: نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے؟حضرت نظام الدین اولیاء نے لرزہ براندام ہو کر عرض کیا قرض کا ہے۔حضرت بابا فرید نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے

لیے وہ مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے۔ اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اسکی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی۔ یہ کہہ کر پیالہ کو غرباء میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔

(فوائد الفواد، الاخبار الاخیار، صفحہ: ۸۲)

☆ایک بار ایک حرم محترم نے آکر عرض کی کہ اے خواجہ فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے۔ شیخ نے سر اوپر اٹھایا۔ اور فرمایا۔ مسعود بندہ کیا کرے؟ اگر قضائے الٰہی آجائے۔ اور وہ اس دنیا سے سفر کر جائے تو اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر باہر پھینک دو۔ (اخبار الاخیار، صفحہ ۸۲)

رحم دلی اور تحمل:

ایک دفعہ پانچ درویش حضرت گنج شکر کی خدمت میں پہنچے۔ وہ پانچوں بڑے کج خلق اور باتونی تھے۔ انہوں نے سخت کلامی کی۔ پھر بھی آپ نے ان کی دل جوئی اور ضیافت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ ٹھہرے۔ چلتے چلتے کہا "ہم ساری دنیا پھرے لیکن جیسا درویش کہ چاہئے ویسا ہمیں نہیں ملا۔ درویشی کا دعویٰ کرنے والے چند لوگ ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو درویش مشہور کر رکھا ہے ملے" حضرت نے فرمایا۔ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ تا کہ میں تم کو درویش دکھاؤں۔ مگر وہ وہاں سے چل دیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب یہاں سے جا رہے ہو تو اس راستہ سے جانا جو آباد ہے۔ انہوں نے حضرت کی ہدایت پر توجہ نہ دی۔ اور چل پڑے۔ وہ غیر آباد صحرا کے راستہ پر گئے۔ جب حضرت بابا فرید کو معلوم ہوا تو بہت روئے۔ اور انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ بعد میں خبر آئی کہ ان پانچوں درویشوں کو سخت لُو لگ گئی۔ چار ایک ساتھ مر گئے۔ اور ایک درویش کنویں پر پہنچا اور کافی پانی پی کر وہیں ہمیشہ کے لیے ہو گیا۔ (سیر العارفین، صفحہ ۵۵۔ ۵۴)

☆ایک بار ایک قلندر حضرت گنج شکر کی خدمت میں آیا اس نے سخت لہجہ

میں کہا "تم نے اپنے آپ کو بت بنالیا ہے۔ تاکہ لوگ تمہاری پرستش کریں۔" بابا فرید نے جواب دیا۔ "میں نے اپنے کو نہیں بنایا ہے۔ خدا نے مجھ کو بنایا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو نہیں بنا سکتا۔ بنانے والا خدا ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ قلندر نے سن کر کہا تمہارے تحمل پر آفریں ہو۔ (جواہر فریدی، صفحہ: ۲۴۰)

تواضع:

تواضع اور خاکساری مردان حق کا شیوہ ہے۔ یہ صفت گنج شکر میں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ اپنے ارادت مندوں کے حلقہ میں بھی نمایاں مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے۔ مہمان نوازی کے لیے بلا تامل زحمت اٹھاتے۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے گھر میں جوار کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ خود ہی جوار پیسا اور روٹیاں پکا کر درویشوں کی ضیافت فرمائی۔

خدمت خلق:

حضرت گنج شکر شب و روز کے اکثر اوقات عبادات و طاعت الٰہی میں بسر فرماتے۔ اس کے علاوہ جو اوقات بچتے وہ خدمت خلق کے لیے وقف ہوتے۔ ارادت مندوں کی تربیت، معصیت شعاروں کی اصلاح حالی، دردمندوں کی دلجوئی، مظلوموں کی غمگساری، حاجت مندوں کی حاجت برآری۔ مریضوں کے لیے دعاء صحت آپ کے محبوب مشاغل تھے۔

☆ ایک مرد صالح محمد شاہ غوری حیران و پریشان حضرت بابا صاحب کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دریافت فرمایا، اے محمد شاہ کیا بات ہے کہ اس درجہ حیران و متفکر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرا ایک سگا بھائی سخت بیمار ہے موت کے قریب پہنچ چکا ہے۔ اس وقت میں آپ کی خدمت میں ہوں۔ عجب نہیں کہ وہ دم توڑ چکا ہو۔ اس کی وجہ سے پریشان ہوں۔ حضرت نے انتہائی نرمی سے فرمایا اے محمد شاہ جس طرح تو اس وقت حیران و پریشان آیا ہے۔ میں تمام عمر محبت حق میں

اسی طرح رہتا ہوں۔ اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ پھر حکم دیا کہ گھر جاؤ۔ انشاء اللہ تمہارا بھائی صحت مند ہو جائے گا۔ محمد شاہ غوری جب مکان پہنچے تو دیکھا کہ مریض بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا ہے۔ اور سارا مرض دور ہو چکا ہے۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۵۲)

روغن فروش کی بیوی:

قصبہ اجودھن کے مضافات میں ایک مسلمان روغن فروش رہتا تھا۔ شہر دیبال پور کے داروغہ نے پوری بستی کو تباہ کر دیا۔ اور لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ روغن فروش کی نہایت خوبصورت بیوی جس سے وہ عشق رکھتا تھا ہنگامہ دار و گیر میں حاکم کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے اپنی بیوی کی ہر طرف تلاش و جستجو کی۔ مگر پتہ نہ چلا۔ وہ مایوس ہو کر حضرت گنج شکر کی خدمت میں روتا ہوا حاضر ہوا۔ حضرت نے جب اس کی حیرانی و پریشان دیکھی سبب پوچھا۔ روغن فروش نے سارا ماجرا عرض کیا۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامل فرمایا اور حکم دیا کہ اس تیلی کو کھانا کھلا دیا جائے۔ شدت غم کی وجہ سے اس نے کھانے کی طرف توجہ نہ کی۔ حضرت نے فرمایا کھانا کھاؤ۔ خداوند تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ تیری خاطر جمع کر دے گا اور اس عورت کو تجھ تک پہنچا دے گا۔ یہ سن کر روغن فروش کو ذرا سکون ملا۔ حضرت نے فرمایا۔ تین روز تک میرے پاس رہو۔ دیکھو خداوند تعالیٰ پردۂ غیب سے کیا ظاہر کرتا ہے۔ وہ خانقاہ میں ٹھہر گیا۔ تیسرے دن ایک منشی قید کر کے اجودھن لایا گیا۔ وہ کسی طرح شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی سرگزشت بیان کی۔ اور دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے ارشاد فرمایا اگر حق تعالیٰ تجھے رہا کرے اور حاکم تجھ پر نظر کرم کرے تو کیا شکرانہ بجا لائے گا؟ اس نے عرض کی میں جو کچھ نقد و جنس رکھتا ہوں پیش کر دونگا۔ شیخ نے فرمایا یہ سب مال میں نے تجھے بخشا۔ ایک عہد کرو وہ یہ ہے کہ داروغہ تم کو خلعت کے ساتھ ایک کنیز دے گا تم اس کنیز کو اس روغن فروش کے حوالہ کر دینا۔ منشی نے اقرار کیا۔ اور روغن فروش سے کہا میرے ساتھ چل۔

میں شیخ کا حکم بجالاؤنگا۔ روغن فروش رونے لگا۔ اور عرض کیا اے شیخ المشائخ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ آٹھ اچھی کنزیں خرید سکتا ہوں۔ لیکن مجھے تو میری بیوی چاہیے۔ جس کی جدائی میں مضطرب ہوں۔ حضرت نے فرمایا۔ خیر اس منشی کے ساتھ جاؤ۔ دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ مجبوراً وہ تیلی منشی کے ساتھ چلا گیا۔ اور قید خانہ کے پاس متفکر بیٹھ گیا۔ منشی کو داروغہ کے پاس پیش کیا گیا۔ داروغہ نے اس پر مہربانی کی۔ ایک اچھا گھوڑا اور خلعت عطا کی اور اس حسین خوبرو نقاب پوش کنیز عطا کی۔ جب کنیز اس حوالات کے قریب پہنچی اور اپنے شوہر کو دیکھا تو چہرے سے نقاب الٹ دی۔ اور اس کی طرف دوڑی۔ روغن فروش نے پہچان لیا۔ منشی اس واقعہ سے متاثر ہوا۔ اور کنیز اس کے حوالے کر دی۔ اس نے بتایا یہ میری بیوی ہے۔ (سیر العارفین، صفحہ :۶۱۔۵۹، تاریخ فرشتہ، ج:۲، صفحہ ۶۲۹)

کرامات

فرید کوٹ:

شیخ فرید جس زمانہ میں ہانسی سے اجودھن جا رہے تھے۔ بھٹنڈہ کے قریب ایک راجہ کی ریاست سے گذرے۔ جسے "موکل" کہا جاتا تھا۔ وہ اپنے علاقہ میں قلعہ تعمیر کر رہا تھا۔ جس مسافر کو ادھر سے گذرتے ہوئے دیکھتا بیگاری میں لگا دیتا۔ یہی حادثہ بابا فرید کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جب آپ کے سر پر گارے کا طشت رکھا گیا تو وہ ان کے سر سے آدھ گز اوپر معلق ہو گیا۔ اس کرامت کو دیکھ ایک بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔ اور راجہ نے حضرت کے قدموں پر گر کر معافی مانگی۔ بابا صاحب نے اس شہر کے لیے برکت کی دعاء کی۔ اور یہ شہر آپ کے نام پر "فرید کوٹ" کے نام سے آج تک مشہور ہے۔

اس واقعہ کو آٹھ سو سال گذر گئے۔ قلعہ کا نام و نشان اب مٹ چکا ہے۔ مگر حضرت بابا صاحب کی دو یادگاریں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ ایک چلہ گاہ جہاں حضرت نے چلہ کیا تھا۔ دوسرا وہ درخت جس کے سایہ میں آپ نے دوران سفر آرام کیا تھا۔ اور آپ کے پھٹے ہوئے کپڑے خاردار جھاڑیوں پر ٹانگے ہوئے تھے۔

گٹھلیاں سونا بن گئیں:

ایک دن درویشوں کی ایک جماعت حضرت فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ درویشوں نے عرض کی۔ ہم مسافر ہیں۔ رخت سفر ختم ہو چکا ہے۔ خرچ کے لیے کچھ عنایت فرمائیں حضرت نے چھوہاروں کی گٹھلیاں جو سامنے پڑی تھیں اٹھا کر درویشوں کو دے دیں۔ اور رخصت کر دیا۔ سامنے سے ہٹنے کے بعد ان لوگوں نے چاہا کہ گٹھلیاں پھینک دیں۔ جب مٹھی کھولی تو وہ سب سونا بن چکی تھیں۔

(سیر الاقطاب، صفحہ: ۱۹۴)

مرید کی خبر گیری:

ایک جوان شہر دہلی سے بغرض توبہ اجودھن کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک فاحشہ عورت رفیق سفر ہو گئی۔ اور جوان کے ساتھ ایک ہی سواری میں بیٹھ گئی۔ شیطان نے عورت کو ورغلایا۔ اور اس نے اپنے حسن و شباب سے جوان کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ نوجوان کی خواہش نفسانی بھی بیدار ہو گئی۔ قریب تھا کہ شباب کی سرمستیاں جوان کو غرق معصیت کر دیتیں۔ اتنے میں ایک شخص نے غیب سے ظاہر ہو کر اس مرد کے منہ پر اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ اسکی ساری شہوت ہوا ہو گئی۔ اور انتہائی کرخت آواز میں کہا "تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک بزرگ کی خدمت میں توبہ کے لیے جا رہا ہے۔ راستہ میں گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔"

اس واقعہ نے اس کے جسم پر لرزہ طاری کر دیا۔ جب وہ اجودھن پہنچا حضرت بابا صاحب نے فرمایا اس دن حق تعالیٰ نے تجھے گناہ سے خوب محفوظ رکھا۔

جوان نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت نے اس کو اپنے حلقہ ء ارادت میں شامل کر لیا۔ (خزینۃ الاصفیاء،ج:۱صفحہ:۲۹۰)

شاخ معلق:

ایک مرتبہ حضرت بابا فرید دربار "مالوہ" کی طرف سفر کر رہے تھے۔ اثناء سفر بڑودہ کے ایک تالاب کے کنارے قیام فرمایا۔ اسی وقت تیز و تند آندھی آئی۔ درخت بیخ و بن سے اکھڑ گئے۔ حضرت جس درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اس کی ایک بڑی شاخ ٹوٹ گئی۔ اور آپ پر گرنے ہی والی تھی کہ آپ نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی تو شاخ درخت سے جدا ہو کر فضا میں معلق ہو گئی۔

صاحب خزینہ کے بقول وہ شاخ اب بھی تو تر و تازہ ہے۔ اور فضا میں معلق ہے۔ (ایضاً،ص:۲۹۸)

برادرانہ تقسیم:

ایک مقامی امیر نے ایک شخص کو سو تنکوں کا نذرانہ دے کر حضرت بابا فرید کی خدمت میں بھیجا۔ اس شخص نے اپنے لیے پچاس تنکے نکال لیے۔ اور شیخ کے روبرو نذرانے کی نصف رقم پیش کی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ یہ پچاس پچاس تنکے برادرانہ تقسیم ہے جو تم نے کی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص اپنی خیانت پر شرمندہ ہوا۔ اور اپنی غلطی کی معافی مانگ کر باقی رقم بھی شیخ کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس کی پشیمانی کو دیکھ کر شیخ نے اس پر نوازش کی۔ اور حلقہ ارادت میں داخل کر لیا۔ اور اپنی صحبت میں رکھ کر روحانی تربیت فرمائی۔ آخر میں اسے مبلغ بنا کر بوستان بھیج دیا۔

(بابا شیخ فرید، صفحہ:۴۸)

فرزند گم گشتہ:

ایک دن ایک پریشان حال بڑھیا بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت نے دریافت فرمایا۔ کیا حال ہے؟ کیوں پریشان ہو؟ بڑھیا نے عرض کیا میرا

لڑکا عرصہ سے غائب ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ دعاء فرمائیے۔ حضرت بابا صاحب نے تھوڑی دیر مراقبہ کر کے فرمایا۔ جا تیرا لڑکا گھر آ گیا۔

پیرزن اپنے مکان پر آئی تو لڑکا موجود تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا تم کہاں چلے گئے تھے۔ کس طرح واپس آئے؟ لڑکے نے جواب دیا میں دریا کے کنارے تمہاری جدائی میں رو رہا تھا کہ ایک خرقہ پوش بوڑھا دریا سے نکل کر میرے پاس آیا اور پوچھا بیٹے کیوں رو رہے ہو؟ میں نے سارا حال عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا آنکھ بند کرو۔ میں نے آنکھ بند کر لی۔ پھر جب آنکھ کھولی تو اپنے مکان کے دروازے پر موجود پایا۔ پیرزن نے کہا وہ بوڑھے آدمی حضرت بابا صاحب ہی تھے۔

اینٹیں سونا بن گئیں:

ایک دن حسن قوال نے عرض کیا کہ میری لڑکی کی شادی ہونے والی ہے۔ میرے پاس روپے کا انتظام نہیں ہے۔ شیخ کبیر نے فرمایا۔ میرے پاس کیا رکھا ہے؟ جو تجھے دوں۔ سامنے ایک اینٹ پڑی ہوئی تھی۔ حسن قوال سے کہا۔ اچھا مجھے اینٹ اٹھا کر دو۔ حسن قوال نے جوں ہی وہ اینٹ اٹھائی زر خالص بن گئی۔ اس کے بعد حسن قوال نے دوسری اینٹ اٹھاتے ہوئے عرض کی اگر حکم ہو تو یہ بھی اٹھالوں۔ حضرت نے فرمایا بس کرو یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ قوال نے کہا۔ حضرت اس اینٹ کے متعلق حکم فرما دیجیے پھر کچھ نہ کہوں گا۔ جب دوسری اینٹ اٹھائی وہ بھی سونا بن گئی۔ اس طرح یہ سن کر تیسری اینٹ بھی اٹھالی اور مالدار بن گیا۔ (بابا فرید گنج شکر: صفحہ: ۶۸)

تعلیمات وارشادات

شیخ کبیر کے ارشادات جو ملفوظات کے شکل میں جمع کئے گئے ہیں۔ جن میں آپ کی روحانی واخلاقی تعلیمات کا عطر موجود ہے۔ جو فرمودات آپ سے منسوب ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے صوفیوں کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں۔ اور صوفیانہ مشرب کی بلند روایات کے حامل ہیں۔ ذیل میں کچھ ارشادات عالیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

☆ صابر فقیر کو شاکر غنی پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ شاکر غنی کے لیے مزید نعمت کا وعدہ ہے۔

لان شکرتم لا زیدنکم

"اگر تم شکر بجالاؤ گے تو ہم تم پر اپنی نعمت اور زیادہ کریں گے"

اور فقیر کے لیے صبر میں بشارت ہے۔ اپنی نعمت رفاقت کی۔ ان اللہ مع الصابرین اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ (سیر الاولیاء صفحہ: ۸۰)

☆ وہ سچ جس پر جھوٹ کا گمان گزرے مت کہو۔ جو چیز نہ خریدو اسے نہ بیچو۔ جاہ و مال کے لیے خطرہ مول نہ لو۔ ہر شخص کی روٹی نہ کھاؤ۔ مگر ہر شخص کو کھلاؤ۔ موت کو کسی حال میں فراموش نہ کرو۔

☆ بلاو مصیبت کو ہوا و ہوس کا نتیجہ سمجھ۔ گناہوں پر ڈینگ نہ مار۔ اپنے دل کو شیطان کا محل نہ بنا۔ اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر رکھ۔ زیب و زینت کی کوشش نہ کر۔ اپنے آپ کو حصولِ جاہ کے لیے ذلیل نہ کر۔

☆ شہوت کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھنے کی کوشش کرو۔

☆جب اہل ثروت کے پاس بیٹھو تو دین کو نہ بھول جاؤ۔

☆عزت و حشمت عدل و انصاف میں ہے۔ اگر خدا امارت بخشے تو اپ
ظرف اور ہمت وسیع کرو۔

☆دشمن کو باہمی مشورہ سے زیر کرو۔ دوست کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

☆ہنر کو مشقت جھیل کر بھی سیکھو۔ دشمن کی کڑوی بات پر آپے سے
باہر نہ ہو جاؤ۔

☆اگر ساری دنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو مغرور بن جاؤ۔

☆دین کو علم دین سے تقویت دو۔

☆اگر بلندی چاہتے ہو تو شکستہ دلوں میں بیٹھو۔

☆آسودگی چاہتے ہو تو حسد نہ کرو۔

☆کلاہ چار ترکی کے چار خانہ ہوتے ہیں۔ جن میں پہلا خانہ شریعت دوسر
خانہ طریقت تیسرا معرفت اور چوتھا خانہ حقیقت کا ہے۔ جس شخص کو ان چاروں
خانوں میں استقامت نصیب ہو اسی کے لیے یہ ٹوپی سر پر رکھنا روا ہے۔

☆زکوٰۃ تین طرح کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت، زکوٰۃ
حقیقت۔

زکوٰۃ شریعت تو یہ ہے کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ دی جائے۔
زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ پانچ درہم اپنے پاس رکھ کر باقی ۱۹۵ درہم خدا کی راہ میں
دے دیئے جائیں۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھا جائے۔ جو
کچھ ہو راہ مولیٰ میں بخش دیا جائے۔

☆وہی شخص درویش کہلانے کا مستحق ہے جو آنکھوں سے اندھا ہو۔ یعنی
جسے دوسروں کا عیب نظر نہ آتا ہو۔ جو بہرا ہو۔ یعنی بیہودہ بات نہ سنے۔ جو گونگا
ہو۔ یعنی نہ کہنے کی بات زبان سے نہ نکالے۔ جو لنگڑا ہو۔ یعنی لذت نفس کے لیے

قدم نہ اٹھائے۔ جس میں یہ چاروں باتیں نہ ہوں وہ درویش نہیں۔

☆ جو چیز خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو حق تعالیٰ کے لیے خرچ نہ کی جائے وہ اسراف ہے۔

☆ جو درویش عزت و جاہ کا طالب ہے وہ درویش نہیں بلکہ مرتد طریقت ہے۔

☆ علم بزرگی کا بادل ہے۔ جس سے رحمت حق کی بارش ہوتی ہے۔

☆ عشق اور معرفت میں وہی شخص کامل ہے جسے خدا کے سوا اور کچھ یاد نہ ہو۔

☆ فقراء اہلِ عشق ہیں۔ اور علماء اہلِ عقل ہیں۔ لیکن عشق اور عقل میں ضد ہے۔ کام کے آدمی وہی ہیں جن میں دونوں صفتیں موجود ہیں۔ انبیاء کرام ان دونوں صفات کے جامع ہوتے ہیں۔

☆ جو درویش بادشاہوں یا امیروں کے پاس جاتا ہے سمجھ لو کہ وہ نعمت سے محروم ہے۔ کیونکہ اگر وہ صاحب نعمت ہوتا تو کبھی مخلوق کے دروازے پر نہ جاتا۔

☆ جو آدمی دنیا کا طالب ہوتا ہے۔ اس سے دنیا بھاگتی ہے۔ اور جو شخص دنیا سے بھاگ کر خدا کا طالب ہوتا ہے دنیا اس کی آرزو پوری کرتی ہے۔

☆ دنیا میں کوئی چیز صدقہ سے اچھی اور سخاوت سے بہتر نہیں۔

☆ انسان کو جو کچھ ملتا ہے مجاہدہ سے ملتا ہے۔

☆ جس شخص نے تمہارے ساتھ کوئی نیکی کی ہو اسے کبھی نہ بھولو۔

☆ درویشی پردہ پوشی ہے لوگوں کے عیوب کو آشکارا کرنا نہیں چاہیے۔

(ماخوذ بابا فرید، صفحہ: ۷۳۔۷۰)

☆ توبہ و دنیا سے کنارہ کشی کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) دل کی توبہ یہ ہے کہ سفلی جذبات سے دل کو پاک رکھا جائے۔

(۲) زبان کی توبہ یہ ہے کہ اس عضو کو برائی کرنے سے پاک رکھا جائے۔ (۳) آنکھ کی توبہ یہ ہے کہ نامحرم پر نظر نہ ڈالی جائے۔ عیب جوئی سے بچا جائے اور ظلم کو دیکھ

کر چشم پوشی نہ کی جائے۔(۴) کانوں کی توبہ یہ ہے کہ خدا کے علاوہ باقی تمام آوازوں کے لیے کانوں کو بند کرلیا جائے۔(۵) ہاتھوں کی توبہ یہ ہے کہ جو جائز نہیں ہے اس کے حصول سے ہاتھوں کو روکا جائے۔(۶) قدموں کی توبہ یہ ہے کہ بری ترغیبوں کی راہ پر گامزن ہونے سے پیروں کو باز رکھا جائے۔

شاعری:

کہا جاتا ہے کہ بابا فرید گنج شکر عربی، فارسی، اور مقامی زبانوں بالخصوص پنجابی زبان میں اشعار کہتے تھے۔ عربی و فارسی کے چند ہی اشعار اب دستیاب ہیں۔ لیکن بابا فرید کے روحانی اشعار و ابیات جو پنجابی زبان میں کہے گئے مقامی سطح پر ان کے معتقدین اور افراد خاندان میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ سکھ دھرم کے بانی گرو نانک نے ان اشعار کو اپنی تصانیف میں بڑی احتیاط سے محفوظ کرلیا۔ ۱۶۰۴ء میں جب گرو اجن دیو نے آدی گرنتھ کی تالیف کی تو وہ اشعار آدی گرنتھ میں "اشلوک شیخ فرید کے" عنوان کے تحت شامل کرلئے۔اسطرح پنجابی اشعار کو بقائے دوام حاصل ہوا۔

جب حضرت بابا صاحب کے اشعار پر غور کرتے ہیں تو حقیقت اخروی کے ساتھ وصال کی شدید خواہش انسانی زندگی کی فنا پذیری، دنیاوی اشیاء اور دولت کی بے ثباتی، عشق الٰہی، موت کی اہمیت، روز قیامت اور گناہوں کے لیے سزا، روحانی اور دنیاوی زندگی کا نامیاتی اتحاد جیسے بلند صوفیانہ افکار و خیالات ملتے ہیں۔

بابا فرید پنجابی زبان کے سب سے پہلے شاعر تھے۔ جب کہ یہ زبان اپنی تکوین و تہذیب کے ابتدائی مراحل طے کررہی تھی۔ ایسی تو مولود زبان میں بلند پایہ اخلاقی و روحانی مضامین کا نظم کرنا بھی ایک کرامت ہی تھا۔

شیخ فرید عربی و فارسی کے بلند پایہ عالم تھے۔ جاندار قوت تخیل اور گہری زود حسی کے مالک تھے۔اسی بناء پر غیر ترقی یافتہ زبانوں کو انسان کے گہرے جذبات

اور محسوسات کے بیان کے قابل بنادیا۔

فرید سب سے پہلے صوفی شاعر تھے۔ جب ان پر کیف کا عالم طاری ہوتا تو وہ پنجابی میں شعر کہتے۔ ان کے اشعار ایسے درد دل کا اظہار کرتے تھے جو عشق الٰہی سے بھرا ہوا تھا۔ بحیثیت چشتی سلسلے کے سربراہ کے بابا فرید تصوف کے عقیدوں پر عمل کرتے تھے۔ لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے تھے۔ بحیثیت شاعر انھیں ایسی زبان اور محاورے کی نشو ونما کرنی تھی جس میں وہ تصوف کے باریک ولطیف تصورات کو بیان کر سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی زبان کا عام فہم بھی ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ صوفیوں کا تخاطب خواص سے نہیں بلکہ عوام سے تھا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ بابا فرید نے ملتانی، پنجابی (جو کہ ان کے بچپن کی زبان تھی) کو چنا۔ اور لوگوں کو دنیاوی داؤ پیچ سے دور کر کے خداترس بنانے کے لیے انہوں نے دیہات کی زندگی سے تشبیہات واستعارات اخذ کیے۔ اور استعمال کیے۔ پنجابی اشعار وابیات کا نمونہ اردو دانوں کے لے ناقابل فہم ہے۔ اس لئے یہاں نقل کرنا عبث ہے۔ ہاں پروفیسر محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں جو نیم فارسی نیم اردو آمیز نقل کی ہے درج ذیل ہے:

وقت سحر وقت مناجات ہے — خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا — خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
بادم خود ہمدم ہشیار باش — صحبت اغیار بوری (بری) بات ہے
باتن تنہا چہ روی زین و زمین — نیک عمل کن کہ وہی سات ہے
پند شکر گنج بدل جاں شنو — ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

(پنجاب میں اردو، صفحہ: ۲۳۱)

مقام ومرتبہ:

حضرت شیخ فریدالدین مسعود نے دہلی سے روانگی کے وقت اپنے احباب

سے کہا تھا

"جو نعمت مجھے مرشد نے بخشی ہے وہ شہر و بیابان میں یکساں ہے۔"

یعنی خانوادۂ چشت کے سربراہ کی حیثیت سے تبلیغ دین اور اصلاح باطن کا عمل جس طرح شہر میں ہو سکتا ہے اسی طرح صحرا و بیاباں میں بھی رشد و ہدایت کا مشن جاری رکھنا ممکن ہے۔ چنانچہ اجودھن جیسے غیر معروف دور افتادہ قصبہ میں حضرت بابا فرید نے ایک ایسا روحانی مرکز قائم کیا جو کسی طرح شہروں کے روحانی مراکز سے کم نہ تھا۔ شیخ فرید نے ایک ویران مقام کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ لیکن وہاں بھی حق کی جستجو کرنے والے دور دور سے کھنچ کر پروانوں کی طرح آنے لگے۔ مرشد برحق نے فرمایا تھا:

"خدا کے روشن ضمیر بندے سورج کے مانند چمکتے ہیں۔ یہ لوگ نور معرفت سے سارے عالم کو روشن کرتے ہیں۔ اہل محبت کا جو مقام ہے وہ فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔"

چنانچہ اس آفتاب کے گرد حق کی جستجو کرنے والے، روحانیت کے شیدائی، سعادتوں کے طالب، دنیا کے ستائے ہوئے انسان جمع ہونے لگے۔ شب و روز ارادتمندوں کا ہجوم خانقاہ میں رہنے لگا۔ آنے والے سماج کے ہر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں عالم و فاضل، جاہل و عامی، امراء و غرباء، اہل حرفت و صنعت اور بڑے بڑے تاجر و سوداگر بھی ہوتے۔ عوام کے ساتھ خواص کی بھی بڑی تعداد ہوا کرتی تھی۔ جو معاصی سے تائب ہوتے اور شیخ کبیر کے فیض روحانی سے اپنی صلاحیتوں کے مطابق روحانیت کے بلند مدارج حاصل کر لیتے۔

شیخ فرید کی علمی، اخلاقی و روحانی تربیت نے ہزاروں انسانوں کو ہدایت کا روشن مینارہ بنایا۔ اور ان مقتدر ہستیوں نے ہندوستان کے مختلف خطوں میں جا کر ہدایت و ارشاد کی شمعیں فروزاں کیں۔ اور اپنے اپنے حلقوں میں چشتیہ سلسلہ کی

اشاعت کی۔ آپ کے بعض نامور خلفاء نے اپنی تعلیمات وروحانیت کا حلقہ اتنا وسیع کر لیا کہ بجائے خود مستقل خانوادۂ تصوف و سلسلہ بیعت کے بانی قرار پائے۔ مثلاً شیخ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری نے سلسلہ صابریہ کی بنیاد رکھی۔ اور شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے سلسلہ نظامیہ قائم کی۔ اور قطب عالم حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی نے سلسلہ جمالیہ کی داغ بیل ڈالی۔ ان اکابر خلفاء کے علاوہ چند نامور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جنہوں نے چشتیہ سلسلہ کو فروغ و استحکام میں قابل قدر کوشش کی۔

(۱) حضرت شیخ شمس الدین پانی پتی (۲) حضرت شیخ یعقوب فرزند حضرت بابا صاحب (۳) حضرت شیخ نظام الدین (۴) حضرت شیخ بدرالدین سلیمان (۵) حضرت شیخ شہاب الدین (۶) حضرت نصیرالدین (۷) حضرت شیخ بدرالدین اسحاق (داماد حضرت بابا صاحب) (۸) حضرت شیخ دہارو (۹) حضرت شیخ زین الدین دمشقی (۱۰) حضرت شیخ علی شکرریز (۱۱) حضرت شیخ علی شکربار (۱۲) حضرت شیخ محمد سراج (۱۳) حضرت شیخ جمال کامل (۱۴) حضرت شیخ نجیب الدین متوکل برادر خورد حضرت بابا صاحب (۱۵) شیخ عارف سیوستانی (۱۶) حضرت شیخ صابر (۱۷) مولانا داؤد پاٹلی۔

شیخ فرید نے تبلیغ دین اور درس ہدایت کے لیے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ یہ تھا کہ اپنی شیریں کلامی اور اپنی بلند کرداری سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا۔ آپ کے محبت آمیز طرز عمل اور قند گفتار نے دلوں کو جوڑنے زخموں پر مرہم رکھنے اور لوگوں میں ہم آہنگی اور یک رنگی پیدا کرنے کا جو کارنامہ انجام دیا اس سے سب نے یکساں طور پر فیض پایا۔

"کسی شخص نے حضرت بابا فرید کو ایک قینچی پیش کی تو انھوں نے کہا اس کی جگہ پر مجھے سوئی اور دھاگہ دو۔ کیونکہ میں کاٹنے کے لئے نہیں بلکہ دلوں کو

جوڑنے کے لیے آیا ہوں۔"

یہ بات اس روحانی مشن کا خلاصہ ہے جس میں صلح و آشتی کا مرہم اہمیت رکھتا ہے۔ اور جہاں دلوں کو جوڑنے کا کام ہوتا ہے۔

شیخ فرید کی زندگی ہی میں ان کا حلقہ اثر دور دور تک پھیل گیا تھا۔ آپ کے حلم و مروت، شفقت و محبت کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

اس انحطاط و زوال کے دور میں بھی شیخ فرید کا نام سیدھی راہ دکھانے والے ستاروں کے مانند چمک رہا ہے۔ اور برتر زندگی کے متلاشیوں کو فیض پہنچا رہا ہے۔ عوام و خواص میں ان کو جو بے پایاں عظمت حاصل تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی وفات کے ایک صدی بعد جب تیمور وسیع اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوا اور اپنی روایتی غارت گری کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوا تو اس نے اجودھن کو بخش دیا۔ جہاں شیخ فرید کا مزار ہے اس نے شیخ کے مرقد انور کے سامنے اپنے تیر و تفنگ تہ کر لیے۔ اور سر عقیدت خم کرتا ہوا وہاں سے گذر گیا۔

حضرت بابا صاحب کا آستانہ مریدوں، تاجروں، افسروں، عالموں اور معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگوں کا مرکز بن گیا۔ جہاں آکر صرف عام ہی لوگ نہیں بلکہ خواص نے یہاں سکون قلب پایا۔ اپنے معاصی سے توبہ کی۔ اور شیخ کبیر کے فیض روحانی سے اپنی صلاحیتوں کے مطابق روحانیت کے مدارج پر فائز ہوئے۔

بابا صاحب کی تعلیم کے بنیادی اصول

حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید کو اپنے چہیتے شیخ نظام الدین سے جو انس تھا اس کا اندازہ اوپر کے واقعات سے بخوبی ہو چکا ہے۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے

دل میں حضرت بابا فرید صاحب کی کمال اطاعت اور ارادت و عقیدت تھی وہ بھی واقعات کے آئینے میں بخوبی نظر آتی ہے۔ ایک طرف شیخ سے روحانی فیض حاصل کرنے کا پر خلوص جذبہ تھا تو دوسری جانب مرید کی باطنی تربیت اور اصلاح حال کی لگن تھی۔ شیخ الشیوخ بابا فرید نے جن اصولوں پر حضرت نظام الدین اولیاء کی روحانی تربیت کی تھی۔ اور جن باتوں پر عمل کی ہدایت وہ مستقل کرتے رہتے تھے۔ اجمالاً درج ذیل ہیں:

اخلاقی تعلیم:

(۱) اہل حقوق کے حقوق کی ادئیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

(۲) دشمنوں کو راضی کرنا چاہیے۔

(۳) دل کا زنگ دور کرنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ لوہے کی طرح دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ قرآن کی تلاوت اور موت کی یاد سے دل کی صفائی ہو سکتی ہے۔

(۴) ہر قسم کے درویش کو اپنے پاس آنے دینا چاہیے۔

(۵) ہر شخص سے خلوص اور ہمدردی کا برتاؤ ہونا چاہیے۔

(۶) جس انسان کا دل کینہ، بغض، عداوت سے پاک نہیں وہ معرفت کی راہ میں ناکام رہے گا۔

روحانی تعلیم:

(۷) مجاہدہ کے بغیر روحانی ترقی ممکن نہیں

(۸) انسان کو کسی صورت میں بیکار نہیں رہنا چاہیے۔

(۹) روزہ انتہائی مؤثر عبادت ہے۔ نماز نوافل وغیرہ آدھا راستہ ہے۔ اور روزہ رکھنا دوسرا آدھا۔

(۱۰) تہجد کی نماز مؤثر ہے۔ اللہ سے ہر وقت آبدیدہ اور راحتِ دل کی دعا

کرنی چاہیے۔

(۱۱) جس آنکھ میں آنسو اور دور درد دل نہیں وہ محبت الٰہی کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔

(۱۲) سورۂ یوسف پڑھنے سے حفظ قرآن کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۳) بیماری سے صحت یابی کے لیے قبرستان میں دعاء مؤثر ہے۔

تنظیمی ہدایات:

(۱۴) خلافت اس شخص کو دینی چاہیے۔ جو علم، عقل اور عشق تینوں کا حامل ہو۔

(۱۵) خلافت ناموں پر لکھنے والوں کے دستخط ہونے چاہئیں۔ تاکہ خود غرض لوگ خلافت نامے وضع کر کے عوام کو دھوکہ نہ دے سکیں۔

(۱۶) خلافت اصل میں وہ ہے جو روحانی اشارہ پر دی جائے۔

(۱۷) سلاطین و امراء سے دور رہنا روحانی سعادت کے لیے ضروری ہے۔

(۱۸) جو شخص امراء اور شہزادوں سے تعلقات کا دروازہ کھول دیتا ہے اس کی آخرت خراب ہو جاتی ہے۔

(ماخوذ شیخ نظام الدین اولیاء صفحہ: ۴۶۔۴۵)

★★★

باب سوم

حیات سلطان المشائخ حضرت خواجہ محمد نظام الدین اولیاء

(الف) بچپن، تعلیم، ورود دہلی اور تکمیل تعلیم
(ب) روحانی تعلیم و تربیت اور شیخ کبیر سے وابستگی
(ج) خادم دہلی بحیثیت سربراہ سلسلہ چشتیہ
(د) سلاطین اور دربار شاہی سے بے تعلقی
(ہ) نظام الاوقات اور زندگی کے آخری ایام

(الف) بچپن، تعلیم، ورود دہلی اور تکمیل تعلیم:

آبائی وطن بخارا اور خاندان:

شہر بخارا دریائے زرافشاں کی زیریں گذرگاہ پر ایک شاداب نخلستان میں آباد تھا۔ محل وقوع کے اعتبار سے بڑا ہی پر فضا اور زرخیز خطہ تھا۔ قدرت کی فیاضیوں نے پورے علاقہ کو جنت نشان بنادیا تھا۔ ۶۷۴ء میں عبید بن زیاد کی سرکردگی میں پہلا اسلامی لشکر بخارا میں داخل ہوا تھا۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں سامانی خاندان کو عروج واقبال نصیب ہوا۔ نصر بن احمد سامانی نے ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۴ء میں خود مختار سامانی حکومت قائم کی۔ نصر کے بعد اس کے بھائی اسمٰعیل بن احمد سامانی نے ۲۸۴ھ مطابق ۸۹۷ء میں بخارا کے تخت پر جلوس کیا۔ اس سلسلہ کا آخری فرمانروا عبدالملک ثانی بن نوح کے قتل ۳۹۴ھ تک تقریباً ایک سو تیس سال تک بخارا سامانیوں کا پایہ تخت رہا۔ سامانی بادشاہوں کی علم دوستی اور معارف پروری نے بخارا کو عظیم علمی مرکز بنادیا۔ سامانیوں کے بعد بھی دو سو برس تک بخارا کی علمی، ادبی، ثقافتی مرکزیت قائم رہی۔ اور جس کی خاک سے اکابر ائمہ فن اور مقتدر علماء و مشائخ پیدا ہوتے رہے۔ حملہ چنگیز ۱۲۲۰ء تک بخارا علم و فن کا مرکز اور تقویٰ و ورع کا سرچشمہ رہا۔ روحانی اعتبار سے بخارا اور اس کے مضافات کا پورا علاقہ سلسلہ خواجگان کے زیر اثر تھا۔ جہاں ہر طرف مشائخ کی خانقاہیں قائم تھیں۔

سلطان المشائخ کے آباء واجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ نانا خواجہ عرب اور دادا خواجہ سید علی اسی سرزمین میں پروان چڑھے۔ یہ دونوں بزرگ ہم جد تھے۔ سید

عرب بخارا کے متمول تاجر تھے۔ ان کے پاس غلاموں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ اپنی صنعت و حرفت اور آقا کے مال سے تجارت کر کے سید عرب کے سرمایہ میں اضافہ کر رہے تھے۔ معاشرہ میں خوشحال امیر کی حیثیت سے آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا۔

ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کا عظیم فتنہ جو مشرق سے اٹھا۔ اور طوفان بلاخیز کی طرح پورے عالم اسلام کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے عالم اسلام کے مرکزی شہروں اور خوشحال قریوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ لاکھوں انسان بیدریغ قتل کر دئے گئے۔ اور صدیوں کے سرمایے لوٹ لئے گئے۔ بارونق شہروں کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس کی نظیر سے دنیا کی تاریخ خالی ہے۔ مؤرخ ابن اسیر لکھتا ہے:

"اس واقع کا تعلق تمام انسانوں سے ہے۔ لیکن خاص طور سے مسلمانوں سے ہے۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ از آدم تا ایں دم ایسا واقعہ دنیا میں پیش نہیں آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کی پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ اور شاید دنیا قیامت تک (یاجوج ماجوج کے سواء) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے۔ ان وحشیوں نے کسی پر رحم نہیں کھایا۔ انہوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کو قتل کیا۔ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے۔ اور پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) یہ حادثہ عالمگیر و عالم آشوب تھا۔ یہ ایک طوفان کی طرح اٹھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم میں پھیل گیا۔ (الکامل، ج:۱۲، صفحہ:۱۴۷)

بغداد کی تباہی و بربادی کا تذکرہ ابن کثیر اس طرح بیان کرتا ہے:

بغداد میں چالیس روز تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا، چالیس روز بعد یہ گلزار شہر جو دنیا کا پر رونق ترین شہر تھا۔ ایسا ویران و تاراج ہو گیا کہ

تھوڑے سے آدمی نظر آتے تھے۔ بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلے نظر آتے تھے۔ (البدایہ و النہایہ، ج:۱۳، صفحہ:۲۰۲)

منگولوں نے صرف سیاسی اقتدار کے مرکز ہی ختم نہیں کیۓ بلکہ پورا سماجی نظام درہم برہم کردیا۔ مسلمانوں کے عظیم الشان علمی اور تہذیبی مرکزوں میں خاک اڑنے لگی۔ مدرسے، خانقاہیں، رباط، زاویہ اور مسجدیں سب بے نور وبے چراغ ہوگۓ۔ منگول جس شہر پر حملہ کرتے اس کو ایک ڈھیر میں تبدیل کردیتے تھے۔ یہ پتا لگانا بھی مشکل ہوجاتا تھا کہ کونسا شہر کہاں آباد تھا؟ حملہ تاتار کا پہلا ہدف مرکز علم و فن بخارا تھا۔ بے رحم منگولوں نے پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور لاکھوں انسانوں کو دریاۓ خون میں ڈبو دیا۔

اجداد کا ورود ہند:

بخارا کی ویرانی کے بعد سید عرب اور خواجہ علی نے ترک وطن کا فیصلہ کیا۔ اور ہندوستان کی طرف ہجرت کی۔ باہر سے آنے والوں کی پہلی منزل لاہور ہوا کرتی تھی۔ یہ لوگ بھی پہلے لاہور آۓ وہاں کچھ دنوں قیام کے بعد بدایوں کی طرف رخ کیا۔ انہوں نے دارالسلطنت دہلی کے بجاۓ بدایوں کا انتخاب صرف اس لیے کیا کہ وہ ہنگامہ ء سیاست و جنگ سے الگ رہ کر پر سکون ماحول میں سادہ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بخارا کی تباہی و ویرانی کا جو ہولناک منظر دیکھا تھا اور دنیا کی بے ثباتی کا جو نقش ان کے دلوں پر مرتسم ہوا تھا اس نے انھیں دنیاوی جاہ ومال اور منصب وعزت سے بیزار و متنفر کردیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دارالحکومت سے دور بدایوں میں رہ کر خدا کی عبادت وریاضت میں مصروف رہیں اور اپنی اولاد کی علمی وروحانی تربیت وپرداخت کا اہتمام کرسکیں۔

الغرض دونوں بزرگوں نے قبۃ الاسلام بدایوں میں بود وباش اختیار

کرلی۔ اوران کے دوستانہ تعلقات و مراسم یہاں بھی بخارا ہی کی طرح قائم رہے۔ اس دوستی میں مزید قوت آئی۔ جب سید عرب نے اپنی دختر نیک اختر بی بی زلیخا کا عقد سید علی کے صاحبزادے سید احمد کے ساتھ کردیا۔ (سیر الاولیاء صفحہ: ۹۴)

چند سال بعد ان کے ہاں ایک فرزند صالح کی ولادت ہوئی۔ جو آگے چل کر فخر خاندان اور روحانی دنیا کا پیشوا بنا۔ جس کی اخلاقی و روحانی تربیت نے لاکھوں بندگانِ حق کو ہدایت بخشی۔ اور جس کی ولایت و مشیخیت کا ڈنکا پورے برصغیر ہند پر بجا۔

والد سید احمد:

حضرت محبوب الٰہی کے والد ماجد خواجہ احمد مادر زاد ولی اور باعمل عالم تھے۔ آپ کے علم و فضل اور زہد و اتقا سے متاثر ہو کر بادشاہِ دہلی نے آپ کو بدایوں کا قاضی مقرر کردیا تھا۔ مگر آپ کو اس کام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جلد ہی اس منصب کو ترک کردیا۔ اور شب و روز عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ خلق خدا کی ہدایت اور ان کی چارہ سازی آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا۔ آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے اس سلسلے کے ترویج و اشاعت میں سرگرم رہتے۔ جب شمس الدین التمش نے بدایوں میں جامع مسجد کی تعمیر کی تو اس مسجد میں سب سے پہلی نماز سید احمد ہی کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بدایوں کے علماء و مشائخ میں امتیازی شان کے مالک تھے۔

نام و نسب اور ولادت:

سلطان المشائخ ملک الاتقیاء حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا اسم گرامی سید محمد لقب شیخ المشائخ، سلطان المشائخ، نظام الدین، محبوب الٰہی ہے۔

آپ نجیب الطرفین حسینی سید تھے سلسلہ نسب اس طرح ہے سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ خلمی بن سید حسن خلمی بن سید علی مشہدی بن

سید احمد مشہدی بن سید ابو عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام احمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن امام حسین بن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔ ولادت باسعادت ۲۷ صفر المظفر ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۶ء کو آخری بدھ کو ہوئی سن ولادت میں اختلاف ہے تذکرہ نگاروں نے ۶۳۴ھ، ۶۳۶ھ، ۶۴۲ھ، ۶۴۵ھ مختلف سنیں ولادت کا اپنی اپنی کتابوں میں اندراج کیا ہے۔

لقب نظام الدین:

ابتدائے عمر ہی سے آپ کو نظام الدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب آپ بدایوں میں طالب علم تھے مکان کے پاس کسی نے بلند آواز سے مولانا نظام الدین کہہ کر پکارا۔ آپ نے خیال کیا کوئی مجھے بلا رہا ہے۔ مکان سے باہر آئے تو ایک شخص نے آپ کو خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ السلام علیکم مولانا نظام الدین۔ اسی دن سے آپ کو شیخ نظام الدین کہا جانے لگا۔ یہ لقب اس قدر مقبول و مشہور ہوا کہ تمام لوگ آپ کو اسی لقب سے یاد کرنے لگے۔

محبوب الٰہی:

ایک مرتبہ حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ نے اپنے چہیتے مرید و خلیفہ شیخ نظام الدین اولیاء کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی ''الٰہی نظام الدین جو تجھ سے طلب کرے تو اسے عطا فرمایا کر'' یہ دعا مقبول ہوئی اسی لئے وہ ''محبوب الٰہی'' کہلائے۔

(سید العارفین، صفحہ: ۶۳)

یتیمی:

حضرت شیخ المشائخ کی عمر ابھی پانچ برس ہوئی تھی کہ والد بزرگوار سخت بیمار ہوئے۔ ایک شب والدہ ماجدہ بی بی زلیخا نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ

رہا ہے "اپنے شوہر خواجہ احمد یا اپنے بیٹے سید محمد میں کسی ایک کو اختیار کرو۔" انہوں نے بیٹے کو اختیار کیا۔ صبح بیدار ہوئیں تو سید احمد کی بیماری زور پکڑنے لگی۔ بی بی زلیخا نے سمجھ لیا کہ اب ان کے خاوند دنیا سے جلد ہی رحلت فرما جائیں گے۔ اس لیے پرہیز ترک کر دیا۔ اور وہ جس چیز کی خواہش کرتے بلا تامل وہ چیزیں کھانے کو دیتیں۔ بالآخر چند ہی دنوں بعد اس مریض نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کا روضہ مبارک بدایوں میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

تعلیم اور اساتذہ:

سیدہ بی بی زلیخا جو خدا شناس پارسا خاتون تھیں۔ وہ اپنی بیوگی اور لخت جگر کی یتیمی سے پریشان و دل گرفتہ نہ ہوئیں۔ بلکہ انہوں نے نامساعد حالات سے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور فرزند دل بند کی تعلیم و تربیت کے لئے کمربستہ ہو گئیں۔ در یتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت مادرانہ شفقت اور پدرانہ حوصلہ مندی کے ساتھ کرنے لگیں۔ ابتداء میں پہلے قرآن شریف کی تعلیم کے لئے خواجہ شادی مقری کی خدمت میں بھیجا۔ شادی مقری ایک ہندو کے غلام رہ چکے تھے۔ لاہور کے ایک مشہور عالم خواجگی مقری کے شاگرد رشید تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ جس کو بھی قرآن ناظرہ پڑھا دیا اس نے عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں قرآن ضرور حفظ کر لیا۔ شیخ نظام الدین نے ان سے ایک پارہ پڑھا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ شادی مقری ہی کا فیض ہے کہ میں نے قرآن حکیم حفظ کر لیا۔

پھر قرآن ناظرہ پڑھنے کے بعد محلے کی مسجد میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ جب ابتدائی تعلیم مکمل ہو گئی تو والدہ ماجدہ نے بدایوں کے مشہور عالم "مولانا علاء الدین اصولی" کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے بھیج دیا۔ مولانا علاء الدین وقت کے متبحر عالم اور متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ مگر ان کی معاشی حالت بڑی ابتر تھی۔ بسا اوقات فقر و فاقہ سے دوچار ہوتے۔ ان نامساعد حالات میں بھی

خودداری اور صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پاتا۔ بھوک پیاس سے بے حا
ہو جاتے مگر تدریسی مشاغل میں ذرہ برابر فرق نہ آتا۔ بدرجہ مجبوری کسی کا تح
قبول کرتے تو وقتی ضرورت ہی کی حد تک کبھی کبھی کھلی اور کنجارہ پر گذر بسر کرتے
شیخ نظام الدین اولیاء پر مولانا علاء الدین اصولی کی متوکلانہ زندگی اور آ
تبحر علمی کا بڑا گہرا نقش تھا۔ مولانا اصولی نے اپنی ماہرانہ تدریسی بصیرت سے
نظام الدین اولیاء کے اندر علوم وفنون سے گہری مناسبت اور حصول علم کی سچی لگ
پیدا کر دی تھی۔

جب شیخ المشائخ نے قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین اصولی نے فرما
"اب دستار باندھنے کا وقت آگیا ہے۔" لیکن آپ کو گھر کی عسرت اور والدہ
تنگ دستی کا علم تھا۔ جہاں فاقے پر فاقے ہو رہے ہوں دستار کے لئے روپیہ کہا
سے آئے گا۔ اس شدید احساس نے بارہ سال کے بچے کو مضمحل اور رنجیدہ خاط
بنادیا۔ مسلسل فاقوں کی شدت خوشدلی سے گوارہ کرنے والا فرزند آج شام کو گ
پہنچا تو بی بی زلیخا نے لخت جگر کے چہرے پر طمانیت کے بجائے حزن و ملال او
افسردگی کے آثار دیکھے۔ سمجھ گئیں کوئی غیر معمولی بات ہے۔ لخت جگر کے سر
ہاتھ پھیرا۔ پھر نرمی سے دریافت کیا۔ "کوئی خاص بات ہے؟" انھیں اس نزاکت
بھرپور احساس تھا کہ بچہ یتیم ہے۔ باپ کا سایہ سر پر نہیں۔ کہیں دل میلا نہ ہو۔ صب
واستقلال کی پیکر ماں نے بیٹے کے چہرے پر نظر جما دی۔ آہستہ آہستہ شیخ نظام الدی
نے کہا۔ مولانا صاحب نے فرمایا ہے اب تم ایک بڑی کتاب ختم کرنے والے ہو
اس لئے تمہیں دستار فضیلت باندھنا چاہئے۔ بی بی زلیخا نے مسکرا کر فرمایا۔ یہ بات
ہے۔ میں تمہاری دستار کے لئے کپڑا تیار کرادوں گی۔ اور کتاب ختم ہونے پ
تقریب ہو گی۔

تقریب دستار بندی:

بے سر و سامانی کے باوجود بی بی زلیخا نے ہمت نہ ہاری۔ اور بازار سے روئی منگا کر اپنے مقدس ہاتھوں سے سوت کاتا۔ اور اسے ایک پڑوسی بنکر کے حوالہ کیا۔ جس نے چند دنوں میں دستار تیار کر دی۔ اور بی بی زلیخا نے دستار کے ساتھ کچھ پیسے رکھے تاکہ کھانے کی کوئی چیز خرید کر تقسیم کی جا سکے۔ اسے مولانا اصولی کی خدمت میں بھیج دیا۔ مولانا اصولی نے اپنے پاس سے کچھ پیسے ملائے اور علماء و صوفیہ کی ضیافت کے لئے اہتمام کیا۔ بدایوں کے اکابر علماء و صوفیہ کے علاوہ وہاں کے مشہور بزرگ علی مولیٰ مرید شیخ جلال الدین تبریزی کو تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔

ختم قدوری کی مجلس منعقد ہوئی۔ دستار کا ایک سرا مولانا اصولی نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا سرا علی مولیٰ کو دیا۔ دونوں نے مل کر شیخ نظام الدین اولیاء کے سر پر دستار باندھی۔ فرط محبت و عقیدت سے شیخ نظام الدین نے استاذ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ پھر تمام حاضرین کی قدمبوسی کی۔ علی مولیٰ یہ ادب و تعظیم دیکھ کر پکار اٹھے "ارے مولانا یہ بڈا ہوسے" یعنی یہ لڑکا بڑا بزرگ ہوگا۔ مولانا اصولی نے دریافت کیا۔ یہ کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا "جو منڈا سا باندھے سو پائن پسرے۔" یعنی جو دستار سر پر باندھتا ہے وہ کس کے پاؤں پڑتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی پگڑی میں ریشم کی آمیزش نہیں ہے۔ جو اس کے بڑے ہونے کی علامت ہے۔ تمام حاضرین نے خواجہ محمد نظام الدین کو علم، بصیرت اور نیکی و صلاح کی دعائیں دیں۔ یہ تقریب بی بی زلیخا کی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل تھی۔ شیخ نظام الدین نے بدایوں میں صرف و نحو، ادب و لغت، حدیث و فقہ کی تعلیم پائی۔ (خیر المجالس، م ۵۶، صفحہ: ۱۹۴)۔

فقر و فاقہ:

حضرت نظام الدین اولیاء جب تک بدایوں میں مقیم رہے تنگدستی و عسرت کا دور دورہ رہا۔ والد بزرگوار کے انتقال سے اقتصادی نظام درہم برہم

ہو گیا تھا۔ گھر کی کفالت کا سارا بوجھ بی بی زلیخا کے کاندھوں پر تھا۔ آمدنی کے
مستقل ذرائع نہ تھے۔ اکثر و بیشتر فاقوں میں بسر ہوتی۔ حضرت جب مدرسہ سے واپس
آتے تو ان کی والدہ فرماتی تھیں۔ ''آج ہم اللہ کے مہمان ہیں'' فقر و توکل کی
سلطنت کے تاجدار کو یہ بات بڑی بھلی لگتی تھی۔ اگر مسلسل کئی روز کھانے کا
بندوبست رہتا تو خواہش کرتے کب وہ دن آئے گا جب ہم اللہ کے مہمان ہوں گے۔

ذوق معنوی:

خواجہ محمد نے صرف صوری انداز کی تعلیم نہیں پائی تھی۔ بلکہ وہ تعلیم کے
ذوق معنوی سے بھی آشنا تھے۔ ان کی تعلیم کا انداز یہ تھا کہ وہ صرف کتابیں پڑھتے
نہ تھے بلکہ کتاب کے مختلف نسخوں کا مقابلہ بھی ہوتا تھا۔ اور متن کی تحقیق و اصلاح
کا کام بھی ہوتا تھا۔ ذوق حسّی کی تربیت بھی ہوتی تھی۔ اور ذوق معنوی بھی پروان
چڑھتا تھا۔ ایک دفعہ ایک کتاب کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک نسخہ مولانا علاء الدین اصولی
کے پاس تھا۔ دوسرا خواجہ محمد کے پاس تھا۔ کبھی مولانا پڑھتے اور خواجہ محمد نظام
الدین کتاب دیکھتے اور کبھی خواجہ محمد پڑھتے اور مولانا کتاب دیکھتے جاتے۔ اس
مقابلہ اور تصحیح میں ایک ایسا مصرع آیا جو ناموزوں بھی تھا اور بے معنی بھی۔ مولانا
نے اس پر بہت غور کیا۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اتنے میں شیخ ملک یار آ گئے۔ جو
علم ظاہر سے تو آشنا نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو علم باطن سے حظ وافر بخشا تھا۔
مولانا علاء الدین نے ان سے کہا۔ اس مصرع کی تصحیح کر دیجئے۔ خواجہ ملک یار نے
فوراً اس مصرع کو اس طرح پڑھ دیا کہ وہ موزوں بھی ہو گیا اور بامعنی بھی۔ استاذ
شاگرد دونوں مطمئن ہو گئے۔ بعد میں مولانا علاء الدین اصولی نے شیخ نظام الدین
سے کہا کہ ملک یار نے اس مصرع کی تصحیح اپنے باطنی ذوق سے کی ہے۔ اس وقت
خواجہ نظام الدین پر علم کے ذوق معنوی کی حقیقت آشکار ہوئی۔ اور انہوں نے
ذوق معنوی کے حصول کو اپنا بنیادی مقصد تعلیم بنا لیا۔

خواجہ محمد نظام الدین کی علمی زندگی کا تشکیلی دور تھا۔ ذہن و دل کے سامنے علم کا ایک ناپیدا کنار سمندر موجزن تھا۔ ہر روز علم و فن کے نئے مسائل سامنے آتے۔ اور ان کی تحقیق و جستجو کا ذوق بحر علم میں شناوری کا حوصلہ عطا کرتا۔

دہلی کا سفر اور مزید تعلیم

۱۶ ر سال کی عمر تک سلطان المشائخ بدایوں میں رہے جہاں ان کی والدہ اور ان کی بہن بی بی جنت کے علاوہ خاندان یا رشتہ کا کوئی ایسا بزرگ نہ تھا جو ان کو مالی سہولت پہنچا سکتا۔ بی بی زلیخا نے جس عزم و ہمت اور صبر و تحمل کے ساتھ فقر و فاقہ کی بے نیازانہ زندگی بسر کی۔ اور نامساعد حالات میں فرزند کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اس کی مثال کم ہی نظر آتی ہے۔ والدہ کی اخلاص و توکل اور عبادت و ریاضت سے بھرپور زندگی درخشندہ نمونہ عمل تھی۔ جس نے سلطان المشائخ کے دل میں فقر و استغنا اور قناعت و توکل کا گہرا نقش ثبت کر دیا تھا۔

بی بی زلیخا فرزند کو ایک متبحر عالم دین بنانے کی متمنی تھیں۔ ہر طرح کے مصائب جھیل کر بدایوں میں تعلیم کے بھرپور مواقع فراہم کرتی رہیں۔ اور کسی مرحلہ پر فرزند کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونے دیا۔ یہی وہ جذبہ خیر تھا کہ جب سلطان المشائخ نے مزید تعلیم اور علماء دین سے اکتساب فیض کے لئے سفر دہلی کا ارادہ ظاہر کیا تو مادر مہربان بدایوں چھوڑ کر دہلی جانے پر خوشی کے ساتھ راضی ہو گئیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اپنی والدہ اور عزیز ہمشیرہ کے ساتھ دہلی آئے تو سرائے میاں بازار میں (جسے سرائے نمک بھی کہتے ہیں) اترے۔ والدہ اور بہن کو سرائے کے ایک مکان میں اتارا۔ اور سرائے کے دروازے کے سامنے بارگاہ قواس

میں ٹھہرے۔

جب شیخ المشائخ دہلی پہنچے تو سلطان ناصر الدین محمود ۶۴۳ھ تا ۶۶۴ھ ک
دور حکومت تھا۔ اس زمانہ میں دہلی ایک بین الاقوامی علمی مرکز تھا۔ ہندوستان کے
باکمال علماء کے علاوہ عرب و عجم، سمرقند و بخارا، کے ہزاروں متبحر علماء و فضلاء یہاں
آکر آباد ہو گئے تھے۔ راجدھانی دہلی کا ہر گوشہ تعلیم و تعلم کے چرچوں سے معمو
تھا۔ دہلی پہنچ کر سلطان المشائخ نے بعض علماء سے باضابطہ استفادہ کیا۔ اور بعض سے
سرسری استفادہ کیا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے مروجہ علوم و فنون میں کامل دستگا
بہم پہنچائی۔ اپنی فطری ذہانت اور وسعت معلومات کی بناء پر اپنے رفقاء درس میں
امتیازی شان پیدا کرلی۔ علمی مباحثوں اور سوال وجواب میں آپ کی طاقت لسانی اور
قوت استدلال کا ایسا ظہور ہوا کہ آپ جس مسئلہ پر بھی بحث میں حصہ لیتے اصحاب و
اقران لاجواب ہو جاتے۔ اور محفل پر آپ کی برتری اور صداقت کا سکہ بیٹھ جاتا۔
یہی وجہ ہے کہ علمی حلقوں میں آپ کو مولانا نظام الدین بحّاث اور مولانا نظام
الدین محفل شکن کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

دہلی کے وہ مشاہیر علماء جن سے آپ نے مختلف علوم و فنون کا درس لیا تھا
ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مولانا شمس الدین:

مولانا شمس الدین خوارزمی دہلی کے ممتاز عالم اور مشہور استاذ تھے۔ دلی
کے اکثر علماء آپ کے شاگرد تھے۔ جامع معقولات و منقولات تھے۔ غیاث الدین
بلبن آپ کا بے حد قدردان تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی بادشاہت کے زمانہ میں ان کو
شمس الملک کا خطاب دیا۔ اور مستوفی ممالک کے عہدہ پر مامور کیا۔ بعد میں مولانا
نے اس منصب سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔

خواجہ نظام الدین نے مولانا شمس الدین سے مقامات حریری کے چالیس

مقامے بڑی تحقیق سے پڑھے۔ اور ان کو زبانی یاد کر لیا۔ شاگرد کی غیر معمولی ذہانت اور قوت حفظ سے استاذ کافی متأثر تھے۔ چنانچہ جن عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلا کر درس دیا کرتے تھے ان میں خواجہ نظام الدین بھی تھے۔

مولانا شمس الدین کے مزاج میں کافی ظرافت تھی۔ چنانچہ جب کوئی شاگرد ناغہ کرتا تو مزاحاً فرماتے میں نے ایسا کیا کیا تھا کہ جو تم نہیں آئے؟ کیا پھر وہی کروں؟ لیکن شیخ نظام الدین کے ساتھ ان کا معاملہ مختلف تھا۔ شیخ نظام الدین فرماتے ہیں:

> شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر شاگرد سبق ناغہ کرتا یا کوئی دوست بہت دیر کر کے آتا تو فرماتے کہ میں نے کیا کیا ہے؟ جس کی وجہ سے تم نہیں آئے۔ مسکرا کر فرماتے میں نے کیا کیا ہے کہ تم نہیں آئے تاکہ پھر وہی کروں۔ اگر میں ناغہ کرتا یا دیر کر کے جاتا تو مجھے خیال ہوتا کہ مجھ سے بھی ایسی ہی بات کہیں گے۔ لیکن مجھ سے وہ یہ کہتے۔
>
> آخر کم ازاں کہ گاہ گاہی   آئی و بماکنی نگاہی
>
> ان کے خاص کمرے میں کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی بجز میرے۔ قاضی فخر الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی کے۔ میں کہتا یہ آپ کی جگہ ہے۔ لیکن وہ یہ کہتے کہ بیٹھو۔ میری معذرت قبول نہ کرتے اور مجھے وہیں بیٹھاتے۔ (فوائد الفواد، ج:۲، صفحہ:۱۱۵)

مولانا شمس الدین جس طرح اپنے شاگرد سے پیش آتے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی دور بین نگاہوں نے ان کے شاندار روحانی مستقبل کا اندازہ کر لیا تھا۔

عمر کے آخری حصہ میں ان کو ایک مصیبت پیش آئی۔ سلطان دہلی نے ان کے اموال و خزائن کی ضبطی کا حکم دے دیا۔ جس وقت حکام ان کے گھر پہنچے تو شیخ نظام الدین وہاں موجود تھے۔ دولت سے محرومی ان کے لئے سوہانِ روح بن رہی تھی۔ اور وہ بے حد بے چین نظر آرہے تھے۔ شیخ نے استاذ کا احترام ملحوظ رکھتے

ہوئے نصیحت کرنے سے گریز کیا۔ لیکن انتہائی ادب کے ساتھ اتنا ضرور عرض کر دیا کہ متاع دنیا خدا اور بندے کے درمیان حجاب ہے۔ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو تقدیر پر بھروسہ کیجئے اور رنج والم نہ کیجئے۔

ایک دن مولانا شمس الدین نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں ایک شعر پڑھوں گا شرط یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اسے یاد کر لے مگر دوبارہ نہ پڑھوں گا۔ یاران مجلس خاموش رہے۔ حضرت نظام الدین نے فرمایا۔ میں یاد کرلوں گا۔ مولانا شمس الملک نے یہ شعر پڑھا۔

دولت چہ کنم دولت تو دولت ماست
نعمت چہ کنم نعمت تو نعمت ماست

(نفائس الانفاس ملفوظ، ۱۰ر جمادی الاول ـــــــہ)

مولانا برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد بخاری:

مولانا برہان الدین محمود سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔ انہوں نے شیخ رضی الدین حسن صنعانی ۶۵۰ھ صاحب مشارق الانوار سے شرف تلمذ پایا تھا۔ انہوں نے شیخ سے ان کی کتاب مشارق الانوار پڑھی تھی۔ اور اس کی سند حاصل کی تھی۔ دہلی آکر انہوں نے سب سے پہلے مشارق الانوار کا درس جاری کیا۔ ان کو صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ ۵۹۳ھ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔

مولانا برہان الدین نے ۶۸۷ھ مطابق ۱۲۸۸ء میں وفات پائی۔ حوض شمسی (دہلی) کے مشرقی کنارے پر مدفون ہوئے۔

مولانا برہان الدین اپنے شاگردوں سے تین وعدے لیا کرتے تھے۔ (۱) دن رات میں صرف ایک بار کھانا کھائے۔ (۲) کوئی سبق ناغہ نہ کرے۔ (۳) مولانا سے راستہ میں ملے تو صرف سلام کرے۔ اور اپنا راستہ لے۔

شیخ نظام الدین اولیاء آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

مولانا برہان الدین بلخی نے بیان کیا ہے کہ میں پانچ چھ سال کا تھا۔ اپنے والد کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ مولانا برہان الدین مرغینانی جنہوں نے ہدایہ لکھی ہے نمودار ہوئے۔ میرے والد مجھے چھوڑ کر دوسرے کوچہ میں چلے گئے۔ جب مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری قریب آئی تو میں سامنے گیا اور سلام کیا۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا۔ اور فرمایا میں اس بچے میں علم کا نور دیکھتا ہوں۔ میں نے ان کا یہ ارشاد سنا اور سواری کے آگے آگے چلنے لگا۔ انہوں نے پھر فرمایا کہ خداوند تعالیٰ مجھ سے یوں کہلواتا ہے کہ یہ بچہ اپنے وقت میں علامہ عصر ہوگا۔ پھر فرمایا یہ بچہ ایسا بزرگ ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر آئیں گے...... خواجہ نظام الدین نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین بلخی میں وفور علم کے ساتھ کمال صلاحیت بھی اس قدر تھا کہ بار بار فرماتے کہ خداوند تعالیٰ مجھ سے کسی کبیرہ گناہ کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ (فوائد الفواد، ج:۵م ۱۶، صفحہ:۴۰۶)

شیخ نظام الدین اولیاء نے آپ کو اپنے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔

(نظام الدین اولیاء صفحہ:۵۳)

مولانا محمد بن احمد ماریکلی معروف بہ کمال الدین زاہد م ۶۸۴ھ مطابق ۱۲۸۵ء

مولانا کمال الدین زاہد ماریکلہ (گجرات) کے باشندے تھے۔ انہوں نے شیخ رضی الدین حسن صنعانی کی کتاب مشارق الانوار کا درس برہان الدین محمود م ۶۸۷ھ مطابق ۱۲۸۸ء اور شرح آثار المنیرین فی اخبار الصحیحین کے مصنف کے ساتھ لیا تھا۔ آپ اپنے زمانے کے مشہور جید عالم اور بڑے متدین

بزرگ تھے۔ انہوں نے کبھی شاہی منصب و اعزاز قبول نہ کیا۔ شیخ نظام الدین فرماتے ہیں:

مولانا کمال الدین زاہد اپنے وفور علم، کمال تقویٰ و پرہیزگاری کے لئے مشہور و معروف تھے۔ ان کی دیانت علم اور عمل کی صلاحیتوں کی خبر سلطان بلبن کو ملی تو اسے یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اپنی مسجد کی امامت مولانا کمال الدین زاہد کو سونپ دے۔ اس لئے مولانا کمال الدین کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ پہنچے تو سلطان نے کہا۔ ہمیں آپ کی دیانت اور استواری پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اگر آپ موافقت کریں تو ہماری مسجد کی امامت قبول فرمائیں۔ آپ کی عنایت ہوگی۔ اور ہمیں بھی اپنی نماز خدا کے حضور قبول ہونے کا یقین ہو جائے گا۔ مولانا نے جواب دیا کہ ہمارے پاس سوائے نماز کے اور کچھ نہ تھا۔ اب بادشاہ کا ارادہ ہے کہ وہ بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہے۔

چونکہ مولانا نے یہ بات پختگی ایمان کے ساتھ کہی تھی، لہذا سلطان کا جواب ہو گیا وہ سمجھ گیا کہ یہ بزرگ اس پیش کش کو کسی طرح قبول نہ کریں گے۔ معذرت چاہی اور واپس کر دیا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ:۱۱۵)

شیخ نظام الدین اولیاء نے نجم الدین ابو بکر تلواسی کی مسجد میں مولانا کمال الدین زاہد سے حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کا بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے درس لیا تھا۔ ۲۲ر ربیع الاول ۹ے۶ھ کو سند حدیث لکھ کر حضرت کو عنایت کی۔ نقل سند منسلک ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جن اساتذہ کے تبحر اور تقدس کا سب سے گہرا نقش شیخ نظام الدین کے دل پر پڑا وہ مولانا علاء الدین اصولی اور دہلی کے مولانا کمال الدین زاہد ہی تھے۔ یہ دونوں فقر و توکل، صبر و رضا، انکسار و تواضع میں مشترک تھے۔ جو

خود نظام الدین اولیاء کا ابتداء ہی سے شیوہ تھا۔

سند:

بسم الله الرحمن الرحيمo الحمد لمن لهٗ الاقتداء و الاعطاء و الصباح و الرواح والمدح لهٗ الالاء و النعماء و الصباح والمداح والصلوٰة الفساح على ذى الفضائل السماء و الكملة و الكلام المفتاح و المناقب العلياء والاحاديث الصحاح صلوٰة تدوم دوام الصباح والرواح و بعد فان الله تعالىٰ وفق الشيخ الامام العالم الناهل السالك نظام الدين محمد بن احمد بن على مع وفور فضله فى العلم و بلوغ قدرة ذروة الحليم مقبول المشائخ الكبار منظور العلماء الاخبار والابرار بان قرأ هذا الاصل المستخرج من الصحيحين علىٰ سائر هٰذهٖ السطور فى من الزمن الحار و ورود الامطار من اوله الى آخرهٖ قراء ة بحث اتقان و تنقيد معانيه تنقيح مبانيه و كاتب السطور يرويه قراء ة و سماعاً عن الشيخين الامامين العالمين الكاملين احد الشيخين مؤلف شرح آثار الدين فى الاحيار الصحيحن و الآخر صاحب الدرسين النيرين الامام الاجل الكامل مالك رقاب النظم و برهان الملة والدين محمود بن ابى الحسن اسعد البلخى رحمة الله عليهما رحمةً واسعةً كتابةً و شقاهة و

هما یرویانه عن مؤلفة واجرت له ان یروی عنی. کما هو المسروط فی هذالباب و الله اعلم بالصواب. و اوصیته ان لا ینسانی و الاولادی فی دعواتهٖ فی خلوته و صحَّ له القراء ة و السماء السماع فی المسجد المنسوب الی نجم الدین الی بکر التلواسی رحمة الله فی بلدة دهلی صابها الله عن الآفات و العاهات و هذا الخط اضعف العباد الله و احقر خلیفة محمد بن احمد الماریکلی المقلب بکمال الزاهد الفراع من القراء ة و السماع. و کتب هذهٖ السطور فی الثانی و العشرین من ربیع الاول سنة تسع وسبعین و ستمائة حامداً الله تعالیٰ و مصلیاً علیٰ رسولهٖ . (سیرالاولیاء ، صفحه: ۱۱۳)

''سب ثنا و ستائش مخصوص ہے اس ذرے کو جو رہنما ہے۔ اور بخشش کرنے والا ہے۔ صبح و شام اسی کے حکم میں ہے۔ تعریف کے لائق وہی ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں سب نعمتیں صبح و شام بے شمار رحمتیں بہت بزرگیوں والوں پہ اور ان نکات و حقائق کے حامی پہ جن کی کلید ان کے پاس ہے۔ اور صاحب منقبت ہائے بزرگ تر پر اور صاحب حدیث صحیح تر پر۔ صلوٰۃ کے پائیدار صبح شام۔ اور بعدہٗ ثنا و صلوٰۃ کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ جس بزرگ امام، دانا، عابد اور راہ حق کے سالک نظام الدین محمد بن احمد بن علی بخاری جو فضل کے باوجود علم اور کمال بلاغت میں بڑے مشائخ ہیں۔ اچھے اور نیک عالموں کی منظور نظر ہوئے۔ اور عالمان نیک سے کتاب جو مستخرج ہے صحیح مسلم اور صحیح بخاری سے راقم سطور سے اول سے آخر تک پڑھی۔ بڑی جدو کوشش اور استواری سے

صاف اور واضح طریق سے روحانی کتاب کو سمجھا۔ اور تحقیق و تدقیق کی ان کتب کے سلسلہ میں اور ان سطور کا لکھنے والا راوی ہے اس کتاب کو دو شیخ و پیشواء، و داناو کامل سے پڑھنے اور سننے سے ان کاملوں میں سے ایک شرح زیرین کا جمع کنندہ اور دوسرا اصاحب علم ظاہر و صاحب علم باطن اور صاحب دوشیر۔ یعنی واعظ علم شریعت و علم طریقت پیشواء بزرگ و کامل و قادر جسے نظم ونثر دونوں میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ محمود ابی الحسن اسعد بلخی جس پر خدا کی رحمت ہو ان دونوں شیخوں پر بھی خدا کی رحمتیں ہوں۔ وہ دونوں راوی ہیں جمع کنندہ اس کتاب سے میں نے سلطان المشائخ کو اجازت دی کہ ہماری زبانی روایت کرے۔ علم حدیث کو اور خدا دانا علیم ہے۔ انجام کار کا میں نے سلطان المشائخ کو وصیت کی کہ وہ اپنی دعاؤں میں مجھے اور میری اولاد کو فراموش نہ کریں۔ یہ کتاب اس نے اس مسجد میں پڑھی اور سنی جو منسوب ہے نجم الدین ابو بکر تلواسی خدا اسے اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ شہر دلی میں خدا اس شہر کو آفات سے بچائے۔ اور ہر قسم کے گزند سے یہ خط ضعیف البیان اور احقر العباد محمد بن احمد بن محمد الماریکلی کا لکھا ہے۔ جو کمال زاہد و درع کے لئے مشہور ہے۔ تاریخ لکھنے کی ۲۱ ماہ ربیع الاول ۶۷۹ء بفضلہٖ تعالیٰ اور درود حضور سرور کائنات پر ہو۔"

والدہ ماجدہ کا انتقال:

شیخ المشائخ کا دستور تھا کہ ہر نئے چاند کی مبارکبادی کے لئے والدہ ماجدہ کے قدموں کو بوسہ دیتے اور مخدومہ کی دعائیں لیتے۔ ایک بار نئے چاند کی مبارکباد کے لئے والدہ کے قدموں پر سر رکھا تو انہوں نے فرمایا:

"آئندہ ماہ کی پہلی تاریخ کو سر کس کے قدموں پر رکھو گے؟"

شیخ المشائخ سمجھ گئے کہ اب والدہ کا دم واپسیں قریب آچکا ہے۔ جدائی کے

ہولناک تصور سے اشکبار ہو گئے۔ اور مسلسل روتے رہے۔ اسی حالت میں دریافت فرمایا۔ مجھ مسکین و بے چارے کو کس کے حوالہ کریں گی؟ فرمایا اس کا جواب کل دوں گی۔ اور شیخ المشائخ کو شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں رات گزارنے کا حکم دیا۔ آپ حسب الحکم شیخ نجیب کے گھر چلے گئے۔ رات کو آخری حصہ میں خادمہ آئی۔ اور اس نے کہا کہ مخدومہ آپ کو بلا رہی ہیں۔ حضرت شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

"جب میں مخدومہ کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ رات تم ایک بات پوچھ رہے تھے میں نے اس کے جواب کا وعدہ کیا تھا۔ لو سنو! اور انہوں نے میرا داہنا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اے خدا میں اسے تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جاں جہاں آفریں کو دے دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ مخدومہ اگر اپنے بعد سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ جاتی تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی کہ دم واپسیں یہ الفاظ کہہ کر مجھے خوشی و راحت بخشی ہے۔ اس پر خدا کی رحمتیں ہوں۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۶۲)

بی بی زلیخا کا انتقال یکم جمادی الآخر ــــہ کو ہوا، مزار پاک "ادھ چنی" گاؤں میں ہے۔ جو قطب مینار سے ایک میل کے فاصلہ پر لب سڑک واقع ہے۔ دلی میں اس درگاہ کو بی بی نور کی درگاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(ب) روحانی تعلیم و تربیت اور شیخ کبیر سے وابستگی

بی بی زلیخا نے حضرت نظام للدین کی پرورش اور تربیت کچھ اس طرح کی کہ زندگی کے ابتدائی ایام ہی سے ان کے اندر صلاح و تقویٰ اور توکل و قناعت کے جوہر کھلنے لگے۔ اور وہ غیر شعوری طور پر تصوف و سلوک کے مراحل طے کرنے لگے۔ دوسرے بچوں کی طرح آپ کا بچپن کھیل کود اور لہو و لعب میں بسر نہ ہوتا۔

بلکہ وہ ان چیزوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ عام بچوں سے الگ تھلگ خاموش اور اپنے آپ میں گم رہتے۔ حصول علم کی لگن، عالم با عمل بننے کا عزم اور اپنے آباء و اجداد کی روحانی قدروں کو باقی رکھنے کا سچا جذبہ انھیں تصوف و معرفت کے کوچے سے قریب کر رہا تھا۔

بابا فرید سے ارادت:

شیخ نظام الدین فرماتے ہیں میری عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جسے ابو بکر خراطہ اور ابو بکر قوال بھی کہتے تھے۔ میرے استاذ کے پاس آیا۔ وہ شاید ملتان کی طرف سے آیا تھا۔ اس نے کہا کہ ''میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ ان کے ہاں ذکر و اذکاریوں اور عبادت یوں ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ کنیزیں جو چکی پیستی ہیں سب ذکر الٰہی میں محو ہوتی ہیں۔'' اس نے ایسی ہی کئی حکایتیں سنائیں۔ مگر دل میں کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ پھر اس نے کہا وہاں سے میں اجودھن گیا۔ ایک بادشاہ دین کو دیکھا جو ایسا تھا۔ اور ان خصوصیات کا مالک تھا۔ انہوں نے شیخ الاسلام بابا فرید الدین کا تذکرہ کیا۔ یہ سنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی۔ اور ان کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی جاگزیں ہوئی کہ مجھے ان کا نام لینے میں مزہ آنے لگا۔ یہاں تک کہ میں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ شیخ فرید اور دس مرتبہ مولانا فرید کہتا تھا...... اس محبت و ارادت کا علم میرے دوستوں کو بھی ہو گیا۔ چنانچہ جب وہ مجھے کسی بات پر قسم دلانا چاہتے تو کہتے تھے ''اچھا شیخ فرید کی قسم کھاؤ''۔ (فوائد الفواد، ج: ۴، صفحہ: ۲۵۳)

شیخ المشائخ نے سفر دہلی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''عوض نامی ایک بوڑھا رفیق سفر تھا۔ راستہ میں اگر کہیں شیر کا خوف ہوتا یا چور کا ڈر ہوتا تو وہ کہتے اے میرے پیر حاضر رہنا۔ یا مرشد ہم تیری پناہ میں جا رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا تم کس مرشد کو مخاطب کرتے ہو؟

جواب دیا شیخ الشیوخ خواجہ فریدالدین کو۔ میرا اضطراب محبت اور جوش عقیدت مزید بڑھا۔"

دہلی پہنچ کر شیخ نجیب الدین متوکل کے مکان کے پاس ہی اترے۔ جو شیخ فریدالدین کے حقیقی بھائی تھے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ:۹۔۱۰۸)

شیخ نجیب الدین متوکل:

شیخ نجیب الدین متوکل نے شیخ نظام الدین کے افکار واحوال پر گہرا اثر ڈالا اور ان کے لئے ہر موقع پر معاون ثابت ہوئے۔ مشائخ دہلی میں حضرت نظام الدین جس بزرگ سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے وہ شیخ نجیب الدین متوکل ہی تھے۔ نظام کی تشکیل روحانیت میں خواجہ متوکل نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

شیخ متوکل کی زندگی فی الحقیقت توکل کی زندگی تھی۔ ایک حجرہ تھا اور اس کے اوپر ایک چھپر جس میں وہ رہتے تھے۔ ستر سال دہلی میں رہے نہ کوئی جاگیر تھی وظیفہ۔ اللہ پر توکل کر کے زندگی بسر کرتے۔ اکثر فاقوں میں بسر ہوتی۔ شیخ المشائخ کے زمانے میں اس شہر میں ان کے پایہ کا اور کوئی آدمی نہیں ملا۔ ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ کون سا دن ہے؟ اور کون سا مہینہ ہے؟ اور یا غلہ کس بھاؤ بکتا ہے؟ اور گوشت کس بھاؤ دیتے ہیں؟ اس طرح کی کسی بات کا ان کے پاس گذر ہی نہ تھا۔ وہ زبردست شاغل تھے۔ (فوائد الفواد، ج:۴، م:۸، صفحہ:۲۱۶)

شیخ نجیب متوکل حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید گنج شکر کے برادر خرد اور ان کے نعمت یافتہ خلیفہ تھے۔ جب تحصیل علم کے لئے استاذ کے روبرو گئے تو استاذ نے پوچھا نجیب الدین متوکل تم ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں تو نجیب الدین متاکل ہوں۔ متوکل ہونا کس کے بس میں ہے۔ استاذ نے پوچھا تم خواجہ فریدالدین کے بھائی ہو؟ جواب دیا۔ برادر صوری ہوں۔ برادر معنوی نہ جانے کون ہوگا۔

(فوائدالفواد، صفحہ:۲۳)

شیخ نجیب نے توکل و قناعت کی مثالی زندگی بسر کی تھی۔ ان کے فقر و فاقہ اور سیر چشمی کے بہت سے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

عید کے دن فاقہ:

ایک عید کا واقعہ ہے کہ باہر سے کچھ مسافر پہنچے۔ جو شیخ نجیب کی معاشی حالت سے ناواقف تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں جن کے چاروں طرف ارادت مندوں کا ہجوم ہے۔ اور ہر شخص ان کے ہاتھ پاؤں چوم رہا ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے طے کیا کہ آج کا کھانا انھیں کے دستر خوان پر کھائیں۔ لیکن شیخ نجیب کے گھر عید کے دن بھی فاقہ تھا۔ جب وہ درویش، پہنچے تو آپ نے اپنی بیوی کی چادر بیچ کر کچھ منگانا چاہا۔ لیکن چادر میں اتنے پیوند تھے کہ اس کو کسی نے نہ خریدا۔ پھر آپ نے اپنا مصلیٰ بیچنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کی حالت بھی چنداں بہتر نہ تھی۔ مجبوراً آپ نے درویشوں کی رسم کے مطابق ایک پانی کا کوزہ ہاتھ میں لیا۔ اور درویشوں کی مجلس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آنے والے درویش سب صاحب حال تھے وہ کھڑے ہو گئے۔ اور پانی پی کر چلے گئے۔

شیخ المشائخ کا بیان ہے جب شیخ نجیب کے وہاں کئی کئی فاقے ہو جاتے۔ ان کی منہ بولی بہن بی بی فاطمہ سام جو صاحب باطن دایہ تھیں انھیں نور باطن سے معلوم ہو جاتا۔ ایک من یا آدھ من آٹے کی روٹیاں پکا کر شیخ نجیب متوکل کو بھیج دیتیں۔ جب یہ روٹیاں نجیب الدین متوکل کے پاس پہنچتیں فرماتے:

> "جس طرح بی بی فاطمہ سام کو درویشوں کے حال سے آگاہی ہو جاتی ہے اگر بادشاہ وقت کو ہو جائے تو کوئی بابرکت چیز بھیجے پھر مسکرا کر فرماتے بادشاہوں کو یہ کشف کہاں نصیب۔ (سیر الاولیاء صفحہ: ۱۸۰)

> "مال خرچ کرنے کے سلسلے میں شیخ نجیب کا نظریہ تھا کہ جب آتا ہے تو خرچ کرو تاکہ اس پر تکیہ نہ کر سکو۔ اور جب جاتا ہے تو روکو مت جانے

دو کہ اسے پائیداری نہیں۔(ایضاً، صفحہ:۱۸۱)

حق گوئی:

شیخ نجیب الدین متوکل حق گوئی میں بلند مقام رکھتے تھے۔وہ ذریعہ معاش کے لئے خوشامد کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔بلکہ ارباب مال و جاہ کی بے راہ روی پر سخت تنقید سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔چنانچہ دہلی میں،،"ایتمر" نامی ایک ترک تھا۔اس نے ایک مسجد تعمیر کی۔اور شیخ نجیب الدین متوکل کو مسجد کا امام مقرر کیا اور آپ کے رہنے کے لئے ایک مکان بھی بنایا۔اس ترک نے اپنی بیٹی کی شادی میں ایک لاکھ جیتل بلکہ اس سے بھی زیادہ خرچ کیا تھا۔شیخ نجیب الدین متوکل نے ایک دن دوران گفتگو"ایتمر" سے کہا:"کامل مسلمان وہ ہے جس کی محبت الٰہی اپنی اولاد کی محبت پر غالب ہو۔آپ نے ایک لاکھ جیتل سے زیادہ اپنی بیٹی کے اوپر خرچ کیا ہے۔اب آپ اگر اس کی دوگنی رقم راہ خدا میں خرچ کریں گے تو آپ پکے مسلمان ہو گئے۔"ایتمر کو آپ کی یہ بات سخت ناگوار گزری اور اس نے آپ کو امامت سے سبکدوش کر دیا۔اور رہائشی مکان سے نکال دیا۔

آپ اپنے برادرِ بزرگ بابا فرید کی خدمت میں اجودھن پہنچے اور یہ واقعہ بیان کیا۔شیخ فرید نے فرمایا:کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ کیا ہے۔

ما ننسخ من آیة او ننسھانات بخیر منھا او مثلھا.

"جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلادیتے ہیں تو ویسی ہی آیت یا اس سے اچھی بھیجتے ہیں۔"

شیخ فرید نے فرمایا:اگر ایتمر گیا ہے تو اینکر آئے گا۔اسی زمانہ میں ایک بڑا ملِک جس کا نام اینکر تھا اسی دیار میں آیا۔اور شیخ فرید اور ان کے خاندان کی اتنی خدمت کی کہ اس خدمت کی وجہ سے اسی خاندان سے منسوب ہو گیا۔(فوائد الفواد، صفحہ:۱۳۴)

شیخ نظام الدین کے لئے شیخ نجیب الدین متوکل جیسی اہم روحانی شخصیت

سے تعلقات اثر آفریں ثابت ہوئے۔ اور انھیں اپنی آئندہ زندگی کا رخ متعین کرنے میں مدد ملی۔

شیخ نظام الدین کی خواہش تھی کہ وہ تکمیل علم کے بعد کہیں کے قاضی بن جاتے تاکہ ان کی معاشی بدحالی دور ہو جائے۔ اور وہ فارغ البال زندگی بسر کرنے لگیں۔ شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

> "ایک دن میں ان کی خدمت میں بیٹھا تھا اس وقت میرے سر پر بال تھے۔ میں نے ان سے عرض کی کہ ایک بار سورہ فاتحہ اس نیت سے پڑھیے کہ میں قاضی بن جاؤں۔ شیخ نجیب الدین خاموش ہو گئے۔ مجھے خیال آیا کہ شاید سنا نہیں۔ دوبارہ عرض کی پھر جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ جو عرض کیا تو مسکرا کر فرمایا۔ تم قاضی نہ بنو تم کچھ اور چیز بنو۔
>
> (فوائد الفواد، صفحہ:۴۶)

قاضی منہاج السراج جوزجانی:

شیخ نظام الدین کی روحانی زندگی پر قاضی منہاج السراج کی تذکیر و وعظ کا بھی نمایاں اثر پڑا تھا۔ حضرت منہاج السراج جوزجانی کے دادا ترکستان سے غزنی آئے۔ سلطان ابراہیم بادشاہ غزنی کی چالیس بیٹیاں تھیں۔ ان کے لئے اتنے شہزادوں کا ملنا ممکن نہ تھا۔ ان سلئے اس بادشاہ نے طے کیا کہ بیٹیوں کا نکاح اچھا جہیز دے کر علماء کے ساتھ کر دیا جائے۔ چنانچہ سلطان ابراہیم کی ایک شہزادی کا نکاح مولانا منہاج کے دادا سے ہوا۔

جب غزنی اور غور کے درمیان نزاع و خصومت اور جنگ و جدال کا ماحول پیدا ہوا اور غزنی والے شکست سے دوچار ہونے لگے تو تحفظ کے خیال سے آپ کے خاندان والوں نے فیصلہ کیا کہ فتحمند گروہ کے ساتھ رہنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے والد نے غزنی ترک کر کے غور میں سکونت اختیار کی۔

افغانستان پر چنگیزی منگولوں کے حملہ کے وقت مولانا منہاج کی عمر تقریباً ۱۸ برس تھی۔ آپ چنگیزیوں کے خلاف جہاد میں شریک ہوئے۔ بڑی دلیری و شجاعت سے مقابلہ کیا۔ اور چنگیزیوں سے بچ کر آپ ہندوستان پہنچے۔ اور امیر قباچہ حاکم ملتان کی ملازمت اختیار کی۔ اس زمانہ میں قباچہ اور التمش کے درمیان اختلافات شدید ہو چکے تھے۔ اور دونوں طرف سے فوج کشی کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن امیر ملتان قباچہ کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ سلطان دہلی التمش کا مقابلہ کر سکے۔ اس لئے مولانا منہاج نے قباچہ کی ملازمت ترک کر دی۔ اور دہلی جا کر سلطان التمش کی ملازمت اختیار کی۔ اور شاہی تقرب حاصل کیا۔

مولانا منہاج تین بار قاضی القضاۃ اور صدر الصدور کے عہدہ پر مقرر ہوئے۔ آپ نے اپنی تاریخ طبقات ناصری بڑی احتیاط سے لکھی ہے۔ جس کے اندر امراء و سلاطین کے ساتھ تعلقات اور زمانہ سازی کی نظیریں عام طور پر ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہدہ، مال اور ترقی کے معاملہ میں مولانا منہاج السراج دہلی کے تمام علماء ظاہر سے فوقیت لے گئے۔

لیکن بعد میں مولانا منہاج نے دنیاوی جاہ و جلال اور مال و دولت ترک کر کے روحانیت کی مجلسیں منعقد کرنی شروع کیں۔ طالبان حق جس میں بڑے ذوق و شوق سے حاضر ہوتے۔ حضرت شیخ المشائخ آپ کی مجلسِ وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:

> ''ہر دوشنبہ کو میں ان کی مجلس تذکیر میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں ان کے وعظ میں موجود تھا۔ جب انہوں نے یہ رباعی پڑھی۔

لب برلب دلبران مہوش کردن و آہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوشی ست لیکن فردا خوشی نیست خود را چہ نسے طعنۂ آتش کردن

ترجمہ: چاند سے دلبروں کے ہونٹوں پر ہونٹ اور زلف پریشان کا قصد

کرنا آج بہت اچھا لگتا ہے لیکن کل اچھا نہیں ہوگا۔ جب خود کو گھاس کی طرح آگ کا لقمہ بنانا ہوگا۔

جب میں نے یہ رباعی سنی تو بے خود ہو گیا۔ اور کچھ دیر بعد میرے ہوش بجا ہوئے۔ (فوائد الفواد، صفحہ: ۳۲۲)

میں بلاناغہ ہر دو شنبہ کو ان کی تذکیر میں جاتا تھا۔ کیوں کہ ان کے وعظ میں بڑی راحت ہوتی تھی۔ اور ان کے بیان اور قاریوں کے پڑھنے سے سکون قلب حاصل ہوتا، ایک دن آپ نے یہ دو مصرعے پڑھے۔

تو زلب سخن کشادی ہمہ خلق بے زباں شد
تو برہ خرام کردی ہمہ دیدہا رواں شد

ترجمہ: بات تمہارے ہونٹوں سے نکلی اور ساری مخلوق بے زباں ہو کر رہ گئی۔ تم کس راہ چلے ساری نگاہیں اٹھنے لگیں۔

ایک دن میں ان کی تذکیر میں شدت ذوق سے بے خود ہو گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں مر گیا ہوں یا مجھے کیا ہوا ہے؟ اس سے پہلے میری یہ حالت سماع یا کسی اور موقع پر نہیں ہوئی تھی۔ یہ واقعہ اس زمانے سے پہلے کا ہے جب میں شیخ فرید کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ (فوائد الفواد، صفحہ: ۴۲۹)

ظاہر ہے سلطان المشائخ کی روحانی بالیدگی میں مولانا منہاج السراج کی تذکیر و وعظ کا بھی حصہ تھا۔

مردان حق:

خواجہ نظام الدین نے شیخ متوکل سے دعاء کی فرمائش تو کی تھی مگر دل کا یہ حال تھا کہ وہ خود شرحِ صدر کے ساتھ قاضی بننا پسند نہ کرتے تھے۔ دل کے اندر محبت الٰہی کی جو آگ سلگ رہی تھی اس کا تقاضا کچھ اور ہی تھا۔ جب وہ بدایوں سے دہلی کے لئے چلے تھے تو راستہ میں ایک خرقہ پوش، گلیم دربغل شخص نے دیوانوں

کی طرح سامنے آکر سلام کیا۔ پھر گلے مل کر سینہ کو سونگھا۔ اور غور سے دیکھ کر کہا تھا "یہاں سے تو مسلمان کی خوشبو آتی ہے"۔

پھر دہلی کے زمانہ قیام میں جب شیخ المشائخ نے شیخ رساں کے روضہ میں چلہ کیا تھا وہاں ایک سوکھا سا درخت تھا شیخ فرماتے ہیں "میں نے دیکھا کہ چلے کے اندر ہی اندر ہرا بھرا ہو گیا۔ ختم چلہ کے بعد میں شیخ رساں کے روضہ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا۔ شیخ ایک ہی چلے میں اس خشک درخت کی کایا پلٹ گئی۔ اور یہ ہرا بھرا ہو گیا۔ مگر میری حالت ذرا بھی نہیں بدلی۔ ابھی راستہ ہی میں تھا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص گویا نشہ میں چور دیوانہ وار میری طرف بڑھ رہا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی خماری یا نشہ باز ہے۔ لہذا اس سے بچ کر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں جدھر رخ کرتا ادھر ہی وہ آتا۔ بالآخر تنگ آکر میں نے خدا پر بھروسہ کیا۔ دونوں ہاتھ اوپر اٹھالئے۔ اور اس کی طرف چلا۔ اور اس سے گلے ملا۔ اس کا منہ اور سینہ تو عطر کی مہک رہا تھا۔ گلے ملتے ہی اس نے مجھ سے کہا کہ "اے صوفی تیرے سینے سے تو محبت حق کی خوشبو آرہی ہے۔" یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔

(سیر الاولیاء، صفحہ:۱۴۹)

روحانی زندگی کا حتمی فیصلہ:

مردان حق کی بشارتیں اور شیخ الشیوخ کے روحانی تذکرے اندر ہی اندر دل کی دنیا میں انقلاب پیدا کر رہے تھے۔ ہر شب شبستان محبت میں مسعودی شمعیں روشن ہو جاتیں۔ ایک طرف علم اور اس کا دنیاوی مصرف تھا دوسری جانب علم راہ معرفت کا نقیب تھا۔ سخت کشمکش تھی۔ خواجہ نظام الدین بحاث محفل شکن کے لئے فیصلہ کرنا بڑا مشکل تھا۔

ایک صبح مسجد جامع سے فجر کی اذان بلند ہوئی۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اذان ختم ہوئی تو مؤذن نے بڑی خوش الحانی سے یہ آیت کریمہ پڑھی: الم یان للذین

آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ. خواجہ محمد نے یہ آیت کریمہ سنی ہدایت ربانی تھی جو دل میں اترتی چلی گئی۔ ایک غیبی اشارہ تھا۔ حکم تھا نظام الدین اولیاء کی زندگی کے حتمی رخ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ علم نافع معرفت الٰہی کا ذریعہ بنا۔ اور پھر شیخ الشیوخ بابا فرید گنج شکر کی زیارت اور آپ کے قدموں میں رہ کر سلوک و معرفت کے مراحل طے کرنے کے لئے اجودھن کی راہ لی۔

شیخ الشیوخ سے پہلی ملاقات:

شیخ نظام الدین پورے ذوق و شوق کے ساتھ اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ سفر کی دشوار منزلیں عجیب کیفیت میں طے کیں۔ بدھ کے دن منزل شوق پر پہنچے۔ بابا فرید کی عمر اس وقت تقریباً نوے سال ہو چکی تھی۔ تقریباً ۷۵ سال تک مسلسل بندگان خدا کی رہبری کرنے کے بعد اب ان کی نظریں نیابت اور سجادگی کے لئے کسی جوہر قابل کی متلاشی تھیں۔ چنانچہ حضرت شیخ نظام الدین پر نظر پڑی تو بے ساختہ فرمایا ۔

اجودھن کے اسفار:

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے اجودھن کے کل دس سفر کئے۔ تین بار حضرت بابا فرید کی زندگی میں اور سات بار بابا صاحب کی وفات کے بعد۔ پہلے تین اسفار جن میں بیعت، تعلیم و تربیت اور عطائے خلافت کے واقعات وجود میں آئے۔ ان میں آپ عموماً رجب کے مہینہ میں دہلی سے اجودھن تشریف لے جاتے۔ شوال یا ذیقعدہ میں دہلی واپس آتے۔ فرماتے ہیں: "میں شیخ کے بارگاہ میں تین مرتبہ حاضر ہوا۔ ہر سال ایک بار۔ ان کے انتقال بعد سات مرتبہ پھر حاضر ہوا۔" (سیر الاولیاء صفحہ: ۱۱۷)

تذکرہ و سیر کی کتابوں میں اجودھن کے جو واقعات ملتے ہیں ان میں بعض واقعات کے بارے میں قطعی وضاحت نہیں ملتی کہ وہ کس سفر سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرائن کی روشنی میں ان واقعات کو الگ الگ اسفار کے ذیل میں درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہاں خراب کردہ

ترجمہ:۔ تیری جدائی کی آگ نے دل کو کباب کر دیا۔ اور تیری ملاقات کے اشتیاق نے جان کو تباہ کر ڈالا۔

یہ آتش فراق ایک سچے جانشیں کی تلاش میں تھی۔ اس سیلاب اشتیاق کے پیچھے ایک ایسے مردِ خدا شناس کی جستجو تھی جو ان کے کام کو عزم و ہمت کے ساتھ آگے بڑھا سکے۔ چنانچہ جس زمانہ میں خواجہ نظام الدین دہلی میں تھے اور اجودھن جانے کی تڑپ ان کے دل کو بے چین کر رہی تھی۔ حضرت بابا فرید نے ایک دن حاضرین مجلس سے فرمایا:

"میں کسی کو نعمت دینا چاہتا ہوں۔ مگر میرے دل میں القا کیا گیا کہ نظام الدین دہلی سے آرہے ہیں۔ ان کا انتظار کرو۔"

شیخ المشائخ فرماتے ہیں میں نے چاہا کہ ان کی خدمت میں اپنے ذوقِ زیارت کی داستان بیان کر دوں۔ لیکن آپ کے رعب کی وجہ سے صرف اتنا کہہ سکا کہ "حضور کی قدم بوسی کا بڑا شوق تھا۔" آپ نے مجھ پر خوف و دہشت کے آثار دیکھے تو زبان مبارک سے فرمایا۔ لکل داخل دھشت جو بھی پہلے پہلے یہاں آتا ہے دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔

کیفیت بیعت:

جب شیخ نظام الدین اولیاء بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہونے کی درخواست پیش کی تو شیخ کبیر نے بیعت کی درخواست فوراً منظور کر لی۔ پہلے سورۂ فاتحہ پڑھوائی۔ پھر سورۂ اخلاص اسکے بعد آمن الرسول (الخ) اس کے بعد شھد اللّٰہ انہ لا الہ الا ھو تا ان الدین عنداللّٰہ الاسلام تلاوت کرائی۔ اور فرمایا کہو:

"میں نے اس فقیر (حضرت بابا فرید گنج شکر) اور اس کے خواجگان اور حضرت رسول خدا علیہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ، پیر اور آنکھوں کو محفوظ رکھوں گا۔ اور شریعت کا پابند رہونگا۔"

حضرت نظام الدین نے یہ الفاظ دہرائے تو بابا صاحب نے قینچی لے کر ان کے بالوں کی ایک لٹ داہنی طرف سے کاٹ دی۔ اور اپنا ایک کرتا اپنے ہی ہاتھ سے پہنایا۔ اس وقت یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ولباس التقویٰ ذالك خیر والعاقبة للمتقین. اس کے بعد حاضرین سے فرمایا: "آج میں نے ایک ایسا درخت لگایا جس کے سایہ میں بہت سی خلق خدا آرام پائے گی۔" پھر وصیت فرمائی۔ (۱) جو اس فقیر کا مرید ہو اسے قرض نہیں لینا چاہیے۔ (۲) اپنے دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے۔ اور حقدار کو اس کا حق دینا چاہیے۔ (نفائس الانفاس، ۱۳ ربیع الآخر ۳۲ ے ھ)

شیخ نظام الدین فرماتے ہیں: سر کے بال منڈوانے کی میری نیت نہ تھی۔ کیوں کہ یوں سر منڈواکر طالب علموں کے روبرو مجھے شرم محسوس ہوتی۔ دوسرے دن میں نے دیکھا کہ ایک شخص آپ کی خدمت اقدس میں آیا۔ اور مولانا بدرالدین اسحاق نے اس کے بال مونڈ دیئے۔ میں نے دیکھا اس کے چہرے پر نور کی جھلک پیدا ہوئی۔ اس کے بعد دو تین مریدوں کو اور بھی سر منڈاتے دیکھا۔ ان کا باطنی نور ظاہر میں بھی آشکارا ہونے لگا۔ میرا دل چاہا کہ میں بھی سر منڈا دوں۔ مولانا بدرالدین اسحاق نے شیخ الشیوخ کی خدمت میں میری عرضداشت پیش کردی اسی وقت حکم صادر فرمایا کہ ہاں بال اتروادو۔ میں نے فوراً بال اتروادئے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۶۔۱۱۵)

مرید کی خاطر:

ذوق دیدار اور شوق ملاقات صرف شیخ نظام الدین ہی کی طرف سے نہ تھا۔ بلکہ شیخ الشیوخ بھی اپنے باعظمت مرید کے منتظر تھے۔ جس کا اندازہ پہلی

ملاقات میں شیخ کبیر کے شعر سے ہوتا ہے۔

پھر جب رات ہوئی تو اپنے مقتدر مرید کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھانے کا حکم دیا۔ جب کہ برسہا برس شیخ کی خدمت میں مجاہدہ و سلوک کی منزلیں طے کرنے والوں کو یہ اعزاز نصیب نہ ہوا تھا۔ اس واقعہ کے بارے میں شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

> ''ارشاد فرمایا: اس پردیسی طالب علم کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے۔''

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کرونگا کتنے معزز مسافر، کتنے حافظ کلام اللہ، کتنے عاشقان خدا زمین پر سو رہے ہیں۔ میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ بدرالدین اسحاق کو پہنچی۔ انہوں نے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ ''تمہیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل۔ میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کرونگا۔ فرمایا جاؤ چارپائی پر سو رہو۔ (سیر الاولیاء صفحہ: ۱۱۶)

تعلیم توکل:

بابا فرید کے آخری زمانہ (جماعت خانہ) میں فقر و فاقہ کا ماحول رہتا تھا۔ فتوح کے دروازے تقریباً بند ہو گئے تھے۔ تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت و تنگی اور فاقہ میں گذرتی تھی۔ مولانا بدرالدین اسحاق لنگر کے لئے ایندھن کی لکڑیاں جنگل سے لاتے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جاکر ویلہ لایا کرتے تھے۔ یہ ایک قسم کا پھل تھا۔ جس کا عام طور پر نمک اور سرکہ ملا کر اچار بنایا جاتا تھا۔ حسام الدین کابلی پانی بھر لاتے۔ اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے۔ حضرت نظام الدین کے ذمہ ویلوں کے پکانے کی خدمت تھی۔ ویلہ میں ڈالنے کے لئے کبھی نمک میسّر ہوتا اور کبھی نہ ہوتا۔ جب کبھی کہیں سے غیبی مدد آجاتی تو پڑوس کے بقال کی دوکان سے مسالہ خرید لیا جاتا۔

ایک دن مطبخ میں نمک نہ تھا۔ حضرت نظام الدین نے سوچا ویلوں کا بے نمک سالن بے مزہ ہوگا۔ اور مرشدِ کامل اسے کھا کر بے لطف ہوں گے۔ اس تصور سے انہوں نے ایک درہم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا۔ اور ویلہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے۔ مولانا بدرالدین اسحاق، شیخ جمال الدین ہانسوی اور حضرت شیخ نظام الدین ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے۔ جب بابا گنج شکر نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی۔ اور لقمہ اٹھا نہ سکے۔

فرمایا: "ازیں بوئے اسراف می آید" اس سے فضول خرچی کی بو آتی ہے۔

دریافت کیا: نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے؟ حضرت شیخ نے لرزہ براندام ہوکر عرض کیا۔ قرض کا ہے۔ بابا گنج شکر نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے۔ اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی۔" یہ کہہ کر پیالے کا سالن غرباء میں تقسیم کردینے کا حکم دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں: "میں نے اسی وقت دل ہی دل میں قرض لینے سے توبہ واستغفار کی۔ مرید کی اس توبہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کمبل پر بیٹھے ہوئے تھے اس کو عطا کر کے فرمایا کہ: "انشاء اللہ آئندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔" شیخ کبیر نے ان دو باتوں کی نصیحت فرمائی۔

ایک یہ کہ کسی سے قرض لینا تو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا حقداروں کا حق ادا کرنا۔

(سیر العارفین، صفحہ: ۸۲، مرآۃ الاسرار)

ادائے قرض اور ادائیگی حق:

حضرت بابا فرید نے بوقت بیعت بھی یہ نصیحت فرمائی تھی۔ اس واقعہ کے

بعد حضرت شیخ نظام الدین نے پوری عمر شیخ کے ان نصائح پر عمل کیا۔ اس سلسلہ میں چند واقعات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

کمبل کی نگہداشت:

اجودھن سے دہلی واپس آرہے تھے راستہ میں ایک کمبل پڑا ہوا دیکھا۔ آپ وہاں ٹھہر گئے۔ ایک قافلہ ادھر سے گذر رہا تھا۔ جب تک وہ پورا قافلہ نہ گذر گیا آپ اس کمبل کے پاس کھڑے رہے۔ اور اس کی حفاظت کرتے رہے۔ تاکہ کوئی اور نہ اٹھالے۔ اور جس کا حق ہے وہ مارا نہ جائے۔

کتاب گم شدہ:

دہلی آئے تو اپنے ایک دوست کے پاس گئے۔ جس سے ایک کتاب مستعار لی تھی۔ اور وہ گم ہو گئی تھی۔ اس سے کہا کہ میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی۔ جو گم ہو گئی۔ آپ کی گمشدہ کتاب میرے ذمہ قرض ہے۔ اب میرا مصمم ارادہ ہے کہ کاغذ مہیا کر کے کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کردوں۔ وہ عزیز یہ سن کر کافی متاثر ہوئے اور کہا جس جگہ سے تم آئے ہو وہاں کی یہی برکت ہے کہ رضائے خدا حاصل ہوتی ہے جاؤ میں نے وہ کتاب تمہیں بخش دی۔

بزاز کا قرض:

حضرت نظام الدین نے اجودھن جانے سے قبل ایک بزاز کے ہاں سے ادھار بیس جیتل کا کپڑا خریدا تھا۔ جب دہلی آئے اسے دس جیتل دیئے۔ اور بقیہ رسم بعد میں دینے کا وعدہ کیا۔ بزاز نے دس جیتل لے لئے۔ اور بقیہ دس جیتل حضرت نظام الدین کے مرشد کے صحبت کی عمدہ تاثیر کی وجہ سے معاف کر دیئے۔

(سیر الاولیاء صفحہ ۶۳، وسیر العارفین صفحہ :۸۵)

واپسی:

جب اجودھن کے اس سفر سے واپسی کا وقت آیا تو حضرت خواجہ نظام

الدین، شیخ جمال الدین ہانسوی اور شمس دبیر ایک مختصر سا قافلہ بنا کر نکلے۔ یہ واپسی غالباً ذیقعدہ ۶۶۷ھ مطابق جولائی ۱۲۶۹ء میں ہوئی۔ بوقت رخصت تینوں نے شیخ کبیر کے قدموں کو بوسہ دیا۔ شیخ جمال ہانسوی نے عرض کیا۔ ہمیں کچھ وصیت فرمائیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکر نے شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ''انھیں خوش رکھنا'' اس ہدایت کی بناء پر شیخ جمال ہانسوی نے اثنائے سفر آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھا۔ اور شمس دبیر اپنے پُر لطف لطیفوں اور بذلہ سنجیوں سے راستہ کی کلفتوں کو آسان کرتے رہے۔

دوران سفر یہ قافلہ ''اگرودہہ'' نامی گاؤں میں پہنچا۔ یہاں کا حاکم میران شیخ جمال ہانسوی کا مرید تھا۔ اس نے پرجوش خیر مقدم کیا۔ اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ مہمان رکھا۔ دوسری صبح جب یہ قافلہ آمادۂ سفر ہوا حاکم نے تینوں مہمانوں کے لئے تازہ دم گھوڑے کا انتظام کر دیا۔

شیخ نظام الدین جس گھوڑے پر سوار ہوئے وہ شوخ اور بدلگام تھا۔ اس نے کافی پریشان کیا۔ اور آپ اپنے رفقاء سے میلوں پیچھے رہ گئے۔ اور تنہا رہ گئے۔ موسم سخت، پیاس کا غلبہ تھا۔ گھوڑے نے سرکشی کی اور آپ کو زمین پر گرا دیا۔ آپ بیہوش ہو گئے۔ اور اسی حالت میں دیر تک پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو زبان پر حضرت بابا فرید کا نام جاری تھا۔ اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ شیخ کا اسم مبارک اس حال میں بھی وردِ زبان ہے۔

دلی واپس آئے تو زندگی کا رخ بدل چکا تھا۔ تصوف و سلوک کا رنگ معمولات حیات پر گہرا اثر ڈال چکا تھا۔ صبر و تحمل کا پیکر جمیل بن چکے تھے۔ ناخوشگوار حالات میں بھی دامن صبر ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔

شرف الدین قیامی:

پہلی بار جب شیخ المشائخ بیعت کے بعد سر منڈا کر دہلی آئے اور شیخ کبیر کا

خرقہ پہن کر جامع مسجد میں تشریف لے گئے تو شرف الدین قیامی جو حضرت بابا صاحب سے عناد رکھتے تھے۔ ان کو بلایا۔ حضرت نے شیخ کبیر سے اپنی بیعت اور خلعت کا حال بیان کیا۔ یہ سن کر انہوں نے شیخ کبیر کے بارے میں دوبار ایسے الفاظ استعمال کئے جو ان کی شان کے لائق نہ تھے۔ اور حضرت شیخ المشائخ کو بھی برا بھلا کہا۔ حضرت فرماتے ہیں۔ میں جواب دے سکتا تھا۔ لیکن میں تحمل کو بہتر سمجھا۔ جب میں نے شیخ فرید سے یہ حال بیان کیا تو وہ رونے لگے۔ اور میرے تحمل کی تعریف کی۔ آپ کی زبان مبارک سے غلبہ حال میں جو الفاظ نکلے ان سے مجھے خیال ہوا کہ شیخ شرف الدین قیامی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جب میں دہلی آیا تو وہ انتقال کر چکے تھے۔

اجودھن کا دوسرا سفر:

رجب ۶۶۸ھ میں حضرت شیخ المشائخ نے اجودھن کا دوسرا سفر کیا۔ شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

"میں نے دہلی سے ایک عرض داشت شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن بھیجی جس کے اندر یہ رباعی مندرج تھی۔

زاں روز کے بندۂ تو خوانند مرا ۔۔۔ بر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرموداست ۔۔۔ ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

جب میں بارگاہ شیخ العالم میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا میں نے وہ رباعی یاد کر لی ہے۔ انشاء اللہ تم جہاں بھی رہو گے صاحب نظر تم کو اپنی مردم دیدہ (پتلی) میں جگہ دیں گے" (فوائد الفواد، ۱۲ر شعبان ۷۱۷ھ)

جذبہء شوق اور طلب باطن کا تقاضا یہ تھا کہ اب ظاہری علوم کی تحصیل ترک کر دی جائے اور اوقاتِ عزیز کو علم تحقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے۔ جو صوفی کا مقصد اولین اور بارگاہ شیخ کی حاضری کی غرض وغایت ہے۔

تحصیل علم میں ایک عمر بسر کی تھی۔ اب جب کہ یقین کا سررشتہ اور علم

حقیقی کا سر چشمہ مل گیا اس سلسلہ کو دراز کرنا طبیعت پر سخت گراں تھا۔ مگر ابھی کچھ کتابیں باقی تھیں۔ جنھیں پڑھنے کی تمنا دل میں مچل رہی تھی۔ چنانچہ اس کشمکش کا اظہار شیخ کبیر کی بارگاہ میں کیا۔

"فرمایئے کیا حکم ہے؟ میں تعلیم کا سلسلہ بند کر دوں۔ اور اوراد و وظائف اور نوافل میں مشغول ہو جاؤں؟ شیخ الشیوخ نے فرمایا میں کسی کو حصول علم سے نہیں روکتا وہ بھی جاری رکھو۔ اور یہ بھی کرو۔ پھر دیکھو کونسی چیز غالب آتی ہے۔ درویش کو علم بھی کسی حد تک ضرور آنا چاہئے۔"

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۱۷)

چونکہ شیخ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھے۔ اور طریقت کے لئے علم ظاہر کو بقدر ضرورت ناگزیر سمجھتے تھے۔ وہ اپنے مرید سے ارشاد و ہدایت کا جو اہم کام لینا چاہتے تھے اس کی نازک ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت تھی۔

بابا فرید سے درس:

شیخ الشیوخ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی تعلیم و تربیت کے ساتھ تین کتابیں اپنے چہیتے مرید شیخ نظام الدین کو پڑھائیں۔

☆ قرآن شریف کے چھ سیپارے، تمہیدات ابو شکور سالمی، اور عوارف المعارف کے چھ باب پڑھائے۔ قرآن شریف کی تعلیم اس فکر کی گہرائیوں سے آشنا کرنے کے لئے ضروری تھی۔ جس کے ذریعہ روح اسلام تک رسائی ممکن ہو سکے۔ یہ تعلیم کچھ اور تھی۔ پڑھانے والا پڑھا نہیں رہا تھا، حق شناسی و معرفت کی دنیا کے دروازے کھول رہا تھا۔ قرآن کی تعلیم قواعد تجوید کے مطابق دی جا رہی تھی۔ شیخ نظام الدین فرماتے ہیں:

"قرآن کے چھ سپارے شیخ کبیر سے پڑھے ہیں۔ اور تین کتابیں اور بھی

پڑھی ہیں ایک کو سنا ہے۔ اور دو کو پڑھا ہے۔ جس دن میں نے یہ گذارش کی کہ میں آپ سے قرآن پڑھنا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ پڑھو۔ اس کے بعد جمعہ کے روز عصر کے وقت تک جب کہ فرصت رہتی تھی میں کچھ کچھ پڑھا کرتا۔ الغرض چھ سپارے شیخ سے پڑھ لئے۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو مجھ سے فرمایا الحمدللہ پڑھو جو میں نے پڑھنا شروع کیا اور ولاالضالین پر پہنچا تو ارشاد ہوا کہ ضاد کو اس طرح پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ ہر چند میں نے چاہا کہ اسی طرح پڑھوں جس طرح شیخ پڑھ رہے ہیں۔ لیکن ادا نہ ہو سکا۔ کیسی فصاحت اور بلاغت تھی۔ حضرت شیخ ضاد کو اس طرح پڑھتے تھے کہ کوئی اور نہیں پڑھ سکتا تھا۔

(فوائد الفواد، م: ۳۲، ج: ۴، صفحہ: ۲۷۵)

☆ تمہیدات ابو شکور سالمی میں عقائد کی بحث جس انداز میں کی گئی ہے۔ و اپنی جگہ اہم تھی۔ اور اس کے ذریعہ فقہ و کلام کے مسائل و نکات سے پوری طرح آگاہ ہوتا تھا۔ شیخ نظام الدین نے یہ پوری کتاب شیخ کبیر سے سبقاً سبقاً پڑھی۔ جس کی اجازت خلافت نامہ میں شامل ہے۔

☆ عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ جو علم تصوف کا گنجینہ ہے۔ جس کے اندر خانقاہی نظام، عملی تربیت اور تنظیم کی مکمل تفصیل درج ہے۔

بابا صاحب کے درس میں جو لذت تھی حضرت نظام الدین اولیاء اس کی کیفیت کو کبھی نہ بھولے۔ فرمایا کرتے تھے:

"بابا صاحب کے حسن عبادت، لطافت تقریر اور عذوبت بیان اور شیرینی گفتار کا یہ عالم تھا کہ مخاطب کے دل پر اثر ہوتا تھا۔ حلاوت ایسی تھی کہ الفاظ کانوں میں رس گھولتے تھے۔ اور سننے والا سوچتا تھا کہ کاش

غایت ذوق و کیفیت میں اس وقت دم نکل جائے تو کتنا اچھا ہو۔

(فوائد الفواد، صفحہ:۵۷)

مرشد کا عتاب:

عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا۔ اور خط بھی باریک تھا۔ چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامل کرنا پڑا۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے شیخ نجیب متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا۔ وہ نسخہ صحیح اور صاف تھا۔ شیخ کبیر نے فرمایا:

"درویش را قوت تصحیح نسخہ سقیم نیست؟"

درویش کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں۔ بار بار شیخ نے یہ نعرہ دہرایا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا۔ لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے۔ میرے رفیق درس مولانا بدر الدین اسحاق نے بتایا کہ خطاب تمہاری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے ہوش اڑ گئے۔ فرماتے ہیں کہ:

"سر برہنہ کردم و در پائے شیخ افتادم"

کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ہر چند معذرت کی۔ لیکن حضرت کا ملالِ خاطر نہ گیا" فرماتے ہیں "میں اٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گذرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آتا ہو۔" سراسیمہ و پریشان باہر آیا۔ ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنویں میں گر کر جان دیدوں۔ لیکن کچھ سوچ کر باز رہا۔ اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا۔ اور بہت رویا۔

شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے شہاب الدین سے خواجہ صاحب کا خاص میل ملاپ تھا۔ انہوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا۔

حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی۔ "بآمدم سر بر قدم مبارک آوردم" معافی ہوئی
دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا۔ "یہ سب میں نے تمہاری تکمیل حال کے
لئے کیا۔ پیر مشاطہء مرید ہوتا ہے۔" اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے
سرفراز فرمایا گیا۔ (فوائد الفواد، ج:۱، م:۲۵، صفحہ:۴۴)

شیخ نظام الدین نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ "عوارف المعارف کا اس سے
بہتر نسخہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس دیکھا ہے۔" لیکن اتنی سی بات پر بابا فرید نے
جس ناراضگی اور برہمی کا اظہار فرمایا۔ بظاہر اس کا کوئی حل نہ تھا۔ لیکن شیخ کامل ایک
ایسے طالب علم سے جس کو آئندہ اس کی سجادگی کی مسند پر متمکن ہونا تھا۔ اور لوگوں کو
خودی و اَنا کے دائرے سے نکال کر عجز و انکسار کا مثالی نمونہ بنانا تھا۔ اک ذرا سی خود بینی
بھی گوارہ نہ ہوئی۔ اور ساتھ ہی بابا فرید کا مقصد خود شکنی کے ساتھ اضطراب واضطرار،
شکستہ دلی و شگفتگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی۔ حضرت مولانا نظام الدین
بحاث و محفل شکن کے لئے یہ بڑا امتحان تھا۔ وہ الٹے پاؤں دہلی لوٹ کر محفل درس
قائم کر لیتے۔ اور ہمیشہ کے لئے مرشد کے خیال کو دل سے نکال دیتے۔ مگر انہیں رسمی
تدریس کا کام انجام دینا نہ تھا۔ بلکہ خلق خدا کے درمیان رشد و ہدایت کا مہتم بالشان
فرض انجام دینا تھا۔ اور ہزاروں طالبان معرفت کو سلوک کی روحانی منزلیں طے کرانی
تھیں۔ چنانچہ شیخ نظام الدین نے خودی و انا کی قبا اتار پھینکی اور امتحان میں کامیاب و
کامراں ہو کر مرشد کامل کے کمالاتِ روحانی کے امین بن گئے۔

ایک دوست:

خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ جن دنوں میں اجودھن میں شیخ کبیر کی
خدمت میں تھا۔ ایک عالم جو میرے ہم درس اور دوست تھے۔ اور ہم دونوں ایک
ساتھ علمی مذاکرہ اور بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے۔ وہ اجودھن آئے جب ان کی نظر
میرے پھٹے پرانے کپڑوں پر پڑی تو بڑی حیرت و تاسف کا اظہار کرتے ہوئے مجھ

سے کہا "مولانا نظام الدین تم نے یہ کیا حال بنالیا ہے اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے۔ اور شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے۔" میں نے یہ بات سنی۔ اور معذرت کر کے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے خود بخود فرمایا کہ "نظام اگر تمہارا کوئی دوست تم کو مل جائے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے؟ اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا، جو فارغ البالی اور عظمت شان کا ذریعہ بنتا؟ اسے چھوڑ کر یہاں اس حال میں کیوں پڑے ہوئے ہو؟ تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دونگا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ لینا۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرو برو

ترا سعادت باد امرانگوں ساری

ترجمہ: تو میرا ہم سفر نہیں ہو سکتا اپنا راستہ لے۔ اور روانہ ہو جا۔ ساری سعادت تیرے حصہ میں آئے۔ اور نگوں ساری میری قسمت میں رہے۔

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں چنو اور اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا۔ اور میرے سر سے خوان اتار کر کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ اس نے سن کر کہا کیا تمہارے شیخ ایسے ہیں کہ انہوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچادیا ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ۔ اور ہمارے ساتھ چلو۔ میں نے کہا نہیں جس طرح میں یہ خوان اپنے سر پر لایا ہوں اسی طرح لے جاؤں گا۔ الغرض ہم دونوں مرشد کی خدمت بابرکت میں پہنچے۔ اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کی۔ اور آپ کے حلقہ ءخدام میں داخل ہوئے۔ (سیر الاولیاء صفحہ: ۲۴۹-۵۰)

شیخ کبیر نے حضرت نظام الدین کو جس شعر کے ذریعہ دنیادار دوست کا جواب دینے کا حکم دیا۔ اس میں تربیت کا یہ پہلو تھا کہ شیخ نظام الدین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے اس کے تقاضے اور ہیں۔ اور جو لوگ دنیاوی شوکت واقتدار کے خواہاں ہوتے ہیں ان کی راہیں الگ ہیں۔

چند واقعات:

جب شوال یا ذیقعدہ ۶۶۸ھ میں اجودھن سے دہلی واپس ہوئے تو دوران سفر چند غیر معمولی واقعات پیش آئے۔ اجودھن سے واپسی کے کچھ واقعات جو عبرت ونصیحت سے خالی نہیں ہیں یہاں ان کا تذکرہ مفید ہوگا۔

☆ آپ اجودھن سے دہلی جارہے تھے۔ اثنائے راہ ایک صحرا سے گذر ہوا۔ جہاں شدید لُو چل رہی تھی۔ کہیں پانی کا نام ونشان نہ تھا۔ پیاس کی شدت سے حلق کانٹا ہو گیا۔ راستہ چلنا دشوار ہو گیا۔ پیاس کی شدت سے دم گھٹنے لگا۔ اس وقت ایک علوی سید عماد سڑک کے حاشیہ پر نظر آئے۔ خواجہ نظام الدین ان کے پاس گئے۔ اور تشنگی کی شدت بیان کی۔ تو انہوں نے اپنی صراحی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اس میں سے پی لو۔ جب آپ نے صراحی کھولی تو شراب کی بو محسوس کی۔ صراحی وہیں چھوڑ دی۔ سید عماد نے کہا یہاں دور دور تک پانی نہ ملے گا۔ پیاس سے جان تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے بحالت اضطرار اسے پی کر جان بچاؤ۔ شیخ المشائخ نے فرمایا: "شیخ فرید کی خدمت سے آیا ہوں۔ مر جاؤں گا لیکن شراب کو ہرگز ہاتھ نہ لگاؤں گا۔" تھوڑی دور راستہ چلے تھے کہ پانی مل گیا۔ (فوائد الفواد، صفحہ: ۳۴۵)

☆ اجودھن سے دہلی واپس جارہے تھے۔ راستہ میں بارش ہونے لگی۔ حضرت نظام الدین اولیاء ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ تاکہ بارش سے محفوظ رہیں۔ اس وقت رہزنوں کا ایک گروہ تیر کمان اور شمشیر وسنان لئے ہوئے آپ کی طرف بڑھا۔ آپ کے پاس کچھ اور نہ تھا۔ حضرت بابا فرید کا عطا کردہ ایک لباس اور

ایک کمبل تھا۔ آپ نے دل میں سوچا۔ اگر ان ڈاکوؤں نے مجھ سے یہ چیزیں چھین لیں تو میں پھر کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔ جیسے ہی آپ نے یہ سوچا وہ راہزن آپ کی طرف سے مڑ گئے۔ اور دوسری جانب چلے گئے۔ (خیر المجالس، صفحہ: ۱۱۷)

☆ اسی سفر میں مولانا داؤد پالا ہی ہمراہ تھے۔ حضرت نظام الدین فرماتے ہیں کہ مولانا داؤد راستہ تیز چلتے تھے۔ اور آگے نکل کر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جب آپ ان کے پاس پہنچ جاتے تھے تو مولانا داؤد پھر تیزی سے کوس دو کوس نکل کر نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ گھنے جنگل اور بیابان میں بھی راستہ نہ بھولتے تھے۔

☆ اسی سفر میں حضرت شیخ المشائخ کو ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا۔ مگر آپ بالکل حیران نہ ہوئے۔ اور یہ خیال کیا کہ اگر میرے دل میں پیر کی محبت ہے۔ اور میرے حال پر ان کی توجہ ہے تو سانپ کا زہر مطلق اثر نہیں کر سکتا۔ اور یہی ہوا کہ زہر کا کوئی اثر آپ پر ظاہر نہ ہوا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ کے دل میں مرشد برحق کی عقیدت کس درجہ راسخ ہو چکی تھی۔ اور وہ دین و شریعت کی رخصتوں کے باوجود عزیمت پر عمل پیرا رہے۔ اور مرشد برحق سے حسنِ ارادت کا فیض تھا کہ سارے مصائب و آلام دور ہو گئے۔ اور ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے۔

تیسرا سفر اجودھن:

صاحب مرأۃ الاسرار کی ایک روایت کے مطابق سلطان المشائخ نے اجودھن کا تیسرا سفر ماہ رمضان ۶۶۹ھ میں کیا۔ (مرأۃ الاسرار، صفحہ: ۷۸۳)

شیخ الشیوخ کی نگاہ میں نظام الدین اب مرد کامل بن چکے تھے۔ اور ان کی جانشینی کے قابل ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی سفر میں خلافت و جانشینی سے مشرف فرمایا۔

تعویذ نویسی کی اجازت:

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔ ایک بار شیخ الاسلام قطب

الدین بختیار کاکی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں فرید الدین گنج شکر نے عرض کی کہ مخلوق مجھ سے تعویذ مانگتی ہے۔ کیا حکم ہے؟ لکھ کر دے دیا کروں؟ شیخ قطب الدین نے فرمایا "کام نہ تمھارے ہاتھ میں ہے نہ میرے ہاتھ میں۔ تعویذ خدا کا نام اور خدا کا کلام ہے۔ لکھو اور دو۔" اس کے بعد حضرت نظام الدین نے فرمایا میرے دل میں بارہا خیال آیا کہ فرصت کے وقت شیخ سے تعویذ لکھنے کی اجازت مانگوں۔ چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ بدرالدین اسحاق جو حضرت کے تعویذ لکھا کرتے تھے موجود نہ تھے۔ تعویذ طلب کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ مجھ سے فرمایا گیا کہ تم تعویذ لکھو۔ میں تعویذ لکھنے لگا اور مخلوق کا بڑا ہجوم ہو گیا جس سے لکھنے کا کام بڑھ گیا۔ اور مخلوق کی مزاحمت بھی ہونے لگی۔ اسی دوران حضرت بابا فرید میری جانب متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا "پریشان ہو گئے" میں نے عرض کی کہ حضور پر تمام احوال روشن ہیں۔ بابا فرید نے فرمایا "میں نے تمہیں اجازت دی ہے۔ تعویذ لکھو اور دو۔" پھر فرمایا: بزرگوں کا ہاتھ سے چھو دینا بھی اثر سے خالی نہیں ہوتا۔ (فوائد الفواد، صفحہ: ۸۵۷)

حضرت بابا فرید کا ایک بال:

حضرت شیخ نظام الدین کو اپنے مرشد سے کس قدر عقیدت وارادت تھی۔ متعدد واقعات گذر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی بڑا ہی سبق آموز ہے۔ اور اہل طریقت کے لئے راہ عمل۔ نیز اس امر کی وضاحت بھی ہے کہ بزرگوں کے متروکات فائدہ و تاثیر سے خالی نہیں ہوتے۔

حضرت محبوب الٰہی مرشد کی خدمت میں حاضر تھے۔ شیخ الشیوخ کی مبارک ڈاڑھی کا ایک بال جدا ہو کر ان کے دامن پر گرا۔ آپ نے کمال عقیدت کے ساتھ درخواست کی۔ حضور اگر اجازت ہو تو آپ کا یہ بال میں بطور تعویذ اپنے پاس رکھوں۔ شیخ کبیر نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور آپ نے وہ بال بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دہلی لائے۔ حضرت محبوب الٰہی نے ایک

مجلس میں اشکبار ہو کر اس بال کا تذکرہ کیا۔

"اس ایک بال میں کیا کیا اثر میں نے دیکھے۔ جو بھی بیمار اور دردمند میرے پاس آتا اور مجھ سے تعویذ مانگتا میں وہ موئے مبارک اسے دے دیتا۔ وہ اسے لے جاتا۔ اور کچھ عرصہ اپنے پاس رکھتا اور اس کی بیماری دور ہو جاتی تو بعد صحت میرے پاس لے آتا۔ چنانچہ میرے ایک دوست تاج الدین مینائی تھے۔ ان کا ایک چھوٹا بچہ بیمار ہوا تو وہ میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے تعویذ مانگا۔ میں نے وہ تعویذ ایک طاق میں رکھا تھا۔ اس وقت کافی تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔ اس طاق کے علاوہ دوسرے طاقوں میں بھی تلاش کیا کہ شاید غلطی سے کسی اور طاق میں رکھ دیا ہو۔ مگر وہ نظر نہ آیا اور میرے دوست مایوس لوٹے۔ ان کا بچہ اسی مرض میں وفات پا گیا۔ کچھ عرصہ بعد کوئی اور آیا۔ اور کسی ضرورت سے وہ تعویذ طلب کیا۔ جب میں نے دیکھا تو اسی طاق میں رکھا ہوا تھا جہاں میں اسے ہمیشہ رکھتا تھا۔ چونکہ اس دوست کا بچہ وفات پانے والا تھا اسی لئے وہ تعویذ نہ ملا۔ (فوائد الفواد، صفحہ: ۱۰۶)

ایک دعاء:

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن شیخ فرید کے ہاتھ میں ایک لکھی ہوئی دعاء تھی۔ آپ نے دریافت کیا یہ دعاء کون یاد کرے گا۔ چونکہ اشارہ میری جانب تھا۔ میں نے عرض کی میں یاد کر لونگا۔ آپ نے وہ دعاء مجھے دی۔ میں نے کہا کہ میں ایک دفعہ یہ دعاء آپ سے پڑھ لوں۔ پھر یاد کر لونگا۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ جب میں نے دعاء پڑھی۔ آپ اعراب کی تصحیح کرتے رہے۔ اور کہا کہ اس طرح سے پڑھو۔ میں نے اسی طرح پڑھا۔ جیسا کہ شیخ فرید نے فرمایا تھا۔ حالانکہ جس طرح میں پڑھ رہا تھا اس کے معنی بھی نکلتے تھے۔ القصہ میں نے اسی دعا کو یاد

کر لیا۔ اور آپ کو اطلاع دی۔ فرمایا پڑھو میں نے دعاء انھیں اعراب کے ساتھ پڑھی جو شیخ نے بتایا تھا۔ جب میں آپ کی خدمت سے باہر آیا تو مولانا بدرالدین اسحاق نے مجھ سے کہا کہ اعراب اسی طرح پڑھنا جو شیخ نے بتایا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ اگر سیبویہ (مشہور نحوی) جو اس فن کا بانی ہے اور وہ تمام لوگ جنہوں نے اس فن کے قوائد بنائے ہیں آئیں اور مجھ سے کہیں کہ اعراب اس طرح نہیں ہیں جیسا کہ تم نے پڑھا۔ میں اس کے بعد بھی اسی طرح پڑھوں گا جیسے شیخ نے فرمایا۔ مولانا بدرالدین نے کہا۔ وہ آدابِ شیخ جن کا تم لحاظ رکھتے ہو ہم میں سے کسی کو میسر نہیں ہے۔ (فوائد الفواد، صفحہ: ۴۲)

نصیحت:

شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

ایک بار میں شیخ بابا فرید گنج شکر کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ شیخ نے مجھ کو اپنے پاس بلایا۔ اور فرمایا۔ ادھر آؤ تمہیں میں کچھ بتاؤں۔ پھر کہا کہ جب تم دہلی جاؤ تو مجاہدہ اختیار کرو۔ بیکار رہنے میں کچھ فائدہ نہیں۔ روزہ رکھنا نصف راہ ہے۔ اور دوسرے اعمال مثلاً نماز اور حج نصف راہ۔ ایک بار انہوں نے فرمایا: ”میں نے دعاء مانگی ہے کہ جو کچھ تم خدا تعالیٰ سے چاہو گے مل جائے گا۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”میں نے تمہارے لئے کچھ دنیا بھی مانگی ہے۔“

خلافت عطا کرتے وقت ارشاد فرمایا کہ راہ سلوک میں استعداد حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ کرنا چاہئے۔ (اخبار الاخیار، صفحہ: ۹۰)

عصا کا عطیہ:

سلطان المشائخ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت گنج شکر کی طبیعت ناساز تھی۔ آپ نے مجھے چند دوستوں سمیت شہداء کی ان قبور کی زیارت کے لئے بھیجا جو اجودھن میں ہیں۔ جب ہم واپس

آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی دعاء نے کچھ اثر نہیں دکھایا۔ اور مجھے بالکل نیند نہیں آئی۔ ہمارا ایک دوست تھا۔ جس کا نام شیخ علی بہاری تھا وہ دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ہم لوگ ناقص ہیں۔ اور آنحضرت کامل۔ ناقصوں کی دعاء کاملوں کے حق میں کیسے مستجاب ہو سکتی ہے۔ یہ بات آپ کے سمع مبارک تک نہ پہنچ سکی۔ اور میں نے حضرت کے گوش گذار کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ تم جو کچھ مانگو پاؤ گے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا خاص عصا مجھے عنایت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔

(مراۃ الاسرار، صفحہ:۱۸۷)

پھر بابا صاحب نے حکم دیا کہ تم اور بدرالدین اسحاق جاؤ اور اسی حظیرے میں مصروف عبادت رہو۔ ہم دونوں گئے اور رات بھر عبادت کرتے رہے۔ جب خدمت میں آئے تو ارشاد ہوا اچھا رہا۔ (فوائد الفواد، ج:۲، صفحہ:۱۰۰)

طلب استقامت:

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت گنج شکر کا چہرہ متغیر تھا۔ اور آپ ننگے سر اپنے حجرۂ خاص میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ اور یہ بیت پڑھ رہے تھے

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم　　　خاکی شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ نہ کونین توئی　　　از بہر تو میرم از برائے تو زیم

ترجمہ: میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تیری وفا میں زندگی گذاروں۔ مٹی ہو جاؤں۔ اور تیرے قدموں کے نیچے رہوں۔ مجھ خستہ جاں کا مقصود دونوں جہان میں تو ہی ہے۔ تیرے ہی لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں اور تیرے ہی لئے مرنا چاہتا ہوں۔

پس جب یہ ابیات پورے کر لیتے تھے تو سر سجدہ میں رکھ دیتے تھے۔ آپ نے چند بار ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد میں حجرے کے اندر داخل ہوا اور سر قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے کمال شفقت سے فرمایا۔ کیا چاہتے ہو؟ طلب کرو۔ میں نے

دینی نعمت طلب کی۔ اور آپ نے عطا فرمائی۔ اس کے بعد میں پشیماں ہوا کہ یہ کیوں نہ مانگا کہ سماع میں مجھے موت آئے۔ قاضی محی الدین کاشانی نے پوچھا کہ آپ نے کیا طلب کیا تھا؟ فرمایا: میں نے استقامت طلب کی۔ اور شیخ نے مجھے عنایت کی۔

(مرأۃ الاسرار، صفحہ :۷۸۱، واخبار الاخیار، صفحہ :۹۱)

فرزند نانی اور فرزند جانی:

ایک دن حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید کی خدمت میں ان کے ایک فرزند نظام الدین اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء دونوں موجود تھے۔ شیخ الشیوخ نے فرمایا: تم دونوں میرے فرزند ہو۔ پھر اپنے بیٹے نظام الدین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ تم فرزند نانی (روٹی والے فرزند) ہو اور شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تم فرزند جانی (روحی) ہو۔

بابا صاحب نے یہ بھی فرمایا: ایک شخص تھا۔ جس نے میرے ساتھ دوستی کی۔ جب چلا گیا تو کچھ عرصہ دوستی پر برقرار رہا۔ لیکن اس کے بعد وہ حالت نہ رہی۔ ایک اور آدمی کا بھی یہی حال ہوا۔ اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ جب سے اس نے میرے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے اس پر قائم ہے۔ اور اس کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ (مرأۃ الاسرار، صفحہ :۷۸۲)

تفویض خلافت:

اجودھن کے تیسرے سفر میں شیخ نظام الدین اولیاء کی روحانی تربیت پایہء تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مرشد کامل نے اسی سفر میں اپنی تمام روحانی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل کر کے شاندار مستقبل کی بشارت دی۔

۱۳ر رمضان ۶۶۹ھ کی بات ہے۔ بابا فرید نے آپ کو طلب کیا۔ اور فرمایا میں نے تم کو یہ دعا بتائی تھی کیا تم نے یاد کر لی؟

يا دائم الفضل على البرية يا باسط اليدين بالعطية يا

صاحب المواهب یا دافع البلاء والبلیة. صلی علی محمد و علی آله البریة النفیسة و اغفرلنا بالعشاء و العشیة. ربنا توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین. و صلی علی جمیع الانبیاء و المرسلین و علی ملئکة المقربین و سلم تسلیما کثیراً کثیراً برحمتك یاارحم الراحمین.

''اے مخلوق پر ہمیشہ فضل فرمانے والے مولیٰ، اے عطیہ دینے کے لئے دونوں ہاتھ کھولنے والے، اے بخششوں والے، اے بلاؤ، آزمائش کو دور کرنے والے حضرت محمد ﷺ پر اوران کی نیک وپاک آل پر درود بھیج۔ اور ہمیں شب و مساء بخش۔ ہمیں اسلام کی حالت میں موت دے اور نیک بختوں کے زمرہ میں شامل کردے۔ اور تمام انبیاء و مرسلین اور مقرب فرشتوں پر بھی رحمت نازل فرما۔ اے سب سے زیادہ رحمت کرنے والے مولیٰ، تو نبی کریم پر اپنی رحمت سے بہت بہت سلام بھیج۔''

آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ تو فرمایا۔ کاغذ لاؤ اور اجازت نامہ لکھیں۔ کاغذ لایا گیا۔ شیخ بدرالدین اسحاق سے خلافت نامہ تحریر کرایا۔ اور حکم دیا کہ اسے شیخ جمال الدین ہانسوی کو اور دہلی میں قاضی منتخب کو دکھا دینا۔ نیز اسی دن آپ کے حق میں یہ دعاء فرمائی۔

واسعدك الله فی الدارین ورزقك علمانافعاً و عملاً مقبولاً.

''اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور نفع دینے والا علم اور پسندیدہ عمل عنایت فرمائے۔''

نیز یہ بھی فرمایا۔ ''خدا کرے تو ایک سایہ دار درخت بنے اور خلق آسائش پائے'' یہ بھی فرمایا ''اپنی استعداد بڑھانے کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔''

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۲۶-۲۷)

نوازش اور رخصت:

ایک مجلس میں شیخ الشیوخ نے اپنا لعاب دہن خواجہ نظام الدین کے دہن میں ڈالا۔ قرآن مجید کے حفظ کی وصیت فرمائی۔ فرمایا: "خدا نے دین و دنیا تمہیں دیا۔ یہاں سب کچھ یہی ہے۔ دہلی کی طرف روانہ فرمایا اور کہا "برو ملک ہند گیر"۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۳۲)

خلافت نامہ:

بسم الله الرحمن الرحيم الحمدلله الذى قدم احسانه على منة و اخر شكره على نعمته هو الاول هو الآخر و الظاهر و الباطن لا مؤخر ما قدم ولا مقدم لما آخر ولا معلن لما ابطن ولا مخفى لما اغير و لا يكاد نطق الاوائل و الآخر على ديمومة اعتباراً او تقابلاً والصلوٰة على رسوله المصطفىٰ محمد واله و اهل الورد و الارتضى بعد فان الشروع فى الاصول يوسع دعاء الشهود و يبصر لمن يكرع ممارق الورد على آنّل الطريق مخوف و العقبة لودودٌ و نعم الكتاب فى هٰذا الفن تمهدى التمهيدىٰ ابى شكور برد الله مضجعه و قد قرآء عندى. الولد الرشيد الامام النقى العالم الرضى نظام الملة والدين محمد بن احمدَ زين الائمة و العلماء مفخر الاجلة و الاغنياء اعان الله على ابتغاء مرضاته و انا له منتهى رحمته و اعلىٰ درجاته سبقاً بعد سبق من اوله الىٰ اخره قراء ة تدبر و القان و تيتفظ و اتقان مستجمع رعائه سمع و درائته جنان و كما حصل الوقوف على حسن استعدده كذلك وفوز تهياء ه اجزته ان يدرس فيه

للمتعلمين بشرط المجانبة عن التصحيف و الغلط التحريف وبدل الجدو الاجتهاد فى التضجيح والنقيح عن الزلل و عليه المعول والله العالم وكان ذلك يوم الاربعا من الشهر المبارك رمضان عظمه الله بركته بالاشارة العالية ادم الله علاها و عن الحلل حماها تحررت هذه الاسطر بعون الله على يد اضعف الفقير الى الله الغنى اسحاق بن على بن اسحاق الدهلوى بمشاقه حامدا و مصليا فاجزت له ايضا بان يروى عنى حمعى ما استقاده و قوى سمع ذلك منى و دعا والسلام على من اتباع الهدىٰ و اجرت له ايضا يلازم الحلوة فى مسجد ائمة فيه الجماعة ولا يخل بشرائطها التى بها حصول الزيارة و برفضها تكون الاقدام عاقلة ناصية و ذلك تجريد المقاصد عن مفاسدها و تغريد اهمنه عما تغفلها و بيان ذلك ما قال رسول الله ﷺ كن فى الدنيا كانك غريب او كغابرى سبيل و عد نفسك من اصحاب القبور الحديث و عند ذلك صح قصده و اجتمع همته و صارت اليتيمة المختلفة همة وحدة فليدخل الخيرة مفتراً نفسه معدما للخلق عالما بعجزهم تاركا للدنيا و شهواتها واقفا على مضارها وعشيها ولتكن خلوته معمورة بانواع العبادات اذا سمئت نفسه عن احتمال الاعلىٰ و ينزلها الى الادنى و ان محبت فلينزلها اما بعمل يسيراً او بالنوم فان فيه احتراز عن هواجس النفس و

ليتحزر البطالة فانها تقسى القلوب و الله تعالىٰ على ذلك اعانه و يحفظ عما شانه و رحمته و هو الرحمٰن صلى الله على محمد و اله و ايضاً اذا استوفر حظه من الخلوة و انفتحت بها عين الحكمة و اجتمعت خلواته بمنادياته و صلى عليه من كم تقدير الوصول الينا يستوفى اليه اياه فيده العزيزه ناتيه يرد عين يدنا و هو من جمله خلفائنا والتزم خدمه في امر الدين والدنيا من جمله تعظيماً فرحم الله عن كرمه و عظمه من اكرمنا و اهان من لم يحفظ من حفظنا صح ذلك كله من الفقير المسعود ثم بعون الله وحسن توفيق والله اعلم.

(ترجمہ) سب تعریف و ستائش اللہ ہی کے واسطے ہے وہ اللہ جس نے مقدم کیا احسان اپنے کو منت پر اور موخر کیا اپنے شکر کو اپنی نعمتوں پر۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر و باطن ہے۔ جس چیز کو خدا نے بالا کیا اسے کوئی پست کرنے والا نہیں اور جسے خدا نے پست کیا اسے کوئی بالا کرنے والا نہیں جس چیز کو خدا نے پوشیدہ کیا اسے کوئی ظاہر کرنے والا نہیں اور جسے اس نے ظاہر کیا اسے کوئی پوشیدہ کرنے والا نہیں۔ وہی اول اور وہی آخر ہے۔ رحمت کاملہ نازل ہو اس خدا کے رسول ﷺ پر وہ جو برگزیدہ ہے سب میں اس کا نام پاک محمد ﷺ ہے اور رحمت کاملہ نازل ہو اہل دوستی اور اہل برگزیدگی پر۔ اس حمد الٰہی اور صلوٰۃ پیغمبر کے بعد میں کہتا ہوں کہ ابتداء کرنا علم اصول حدیث میں دعائے حاضرین کو کشادگی بخشتا ہے اور علم اصول کے آب دہندہ کو بینائی بخشتا ہے۔ یہ راہ خوفناک ہے اور انجام کار دشوار۔ علم اصول میں بہترین کتاب

تمہید المتہدی ابو شکور کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ تحقیق
مجھ سے پڑھی یہ کتاب فرزند رشید امام پاک دین، پاک رائے، دانا و
برگزیدہ، دین محمدی کو آراستگی دینے والے محمد پسر احمد جو اماموں کو زیب
دینے والی۔ بزرگوں و عالموں اور متقیوں کے لیے باعث فخر۔
اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے۔ اسے اپنی طلب و رضا کے مقام پر پہنچائے۔
اور اپنی کمال رحمت و عنایت سے اسے بلند مراتب عنایت کرے۔ اس
نے تمہید کو سبقا سبقا شروع سے لے کر آخیر تک بڑے غور و فکر اور سوچ
بچار اور بغیر کسی شک و گمان کے بڑی ہوشیاری اور استواری سے پڑھا
کانوں سے سنا اور دل سے سمجھا چنانچہ خوب استعداد حاصل کی۔ اس کی
مکمل اطلاعات و دسترس و آراستگی و شائستگی پہ اجازت دی میں نے اسے
کہ وہ اس کتاب کا درس دے پڑھنے والوں کو جہاں تک ہو سکے پڑھنے اور
لکھنے اور بات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور نسخوں کے
درست کرنے میں قوت صرف کرنے میں سہو و خطا سے پورا احتراز کیا
جائے۔ اللہ نگہبان ہے بات میں لغزشوں سے اور دینی کاموں میں تباہی
سے اس فرمان کی کتابت رمضان کے مبارک مہینے میں بدھ کے دن
ہوئی۔ خدا اس ماہ کی برکتوں کو مزید کرے۔ اس فرمان کی کتابت شیخ
الشیوخ عالم کے اشارہ سے ہوئی خدا ہمیشہ ان کی قدر و منزلت میں ہمیشگی
اور برکت دے۔ اور ہر قسم کے خلل سے بچائے یہ سطور اللہ تعالیٰ کی مدد
سے اسحاق پسر علی پسر اسحاق دہلوی کے دست ناتواں سے لکھی گئیں۔
شیخ الشیوخ کے حضور میں اس حال میں کہ وہ حمد کرے اور درود بھیجتے
رہے۔ میں نے اجازت دی نظام الملۃ والدین کو کہ اس نے جو مجھ سے
استفادہ کیا ہے اسے روایت کرے جو سیکھا ہے پڑھا ہے سنا ہے اور مجھ

سے جمع کر کے جو اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے۔ جو بھی راہ راست کی پیروی کرے اس پر خدا کی سلامتی، نیز میں نے اسے اجازت دی کہ مسجد میں جہاں با جماعت نماز ہوتی ہو۔ خلوت اختیار کرے اور اس خلوت کی شرائط میں رخنہ نہ پڑے۔ تیزی سے بدی کی طرف اٹھتے ہوں۔ اور وہ شرائط گویا مجرد کرنا ہے مقاصد کا تباہی سے اور یکسوئی اختیار کرنا اس چیز سے جو غافل کرتی ہے اور اس خلوت کا بیان دو چیز ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں مسافر یا راہ گیر کی طرح رہ۔ اور شمار کر اپنے نفس کو اصحاب قبور سے پس شرائط خلوت کی ادائیگی سے خلوت درست ہوتی ہے۔ اس خلوت نشین کا ارادہ اور جمعیت اور ہمت درست ہوتی ہے اور مجتمع۔ پس کہو کہ وہ خلوت میں اس حالت میں داخل ہو کہ اپنے نقش کو سست بلکہ معدوم سمجھے مخلوق کو ان کی ناتوانیوں کی وجہ سے ترک کرے دنیا اور اس کی شہوات کو سمجھتے ہوئے اس دنیا کی مضرتوں کو اور اس کی آرزوں کو تاکہ اس کی خلوت آباد ہو سکے مختلف عبادات سے اور اس کا نفس عاجز آئے۔ اور وہ صاحب خلوت بڑے بڑے کاموں سے نفس کو نیچا دکھائے اور اسے سبک تر اور خورد تر کرے۔ پھر نفس کو قدرے خواب سے یہ کسی معمولی عمل سے راضی کرے نفسانی شورشوں سے پرہیز کرے۔ صاحب خلوت درستی کے بعد بیکاری سے پرہیز کرے کہ وہ بطالت غافل کرنے والی ہے۔ دلوں کو اللہ تعالیٰ اس کام میں مدد کرے۔ نظام الحق والدین کو اور اسے حفاظت میں رکھے اپنی عین عنایت و مہربانی سے۔ خدا سب مہربانوں سے مہربان ہے اور رحمت ہو کامل حضور محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور ان کی آل پر جسے ہماری طرف پہنچنے کی رسائی نہ ہو اس کی طرف رجوع کرے، پس نظام الحق مبارک ہاتھ ہمارا ہاتھ ہے اور

نظام الملۃ ہمارے جملہ خلیفوں میں سے ہے اور نظام الحق کے احکام دین و دنیا کو لازم سمجھنا گویا ہماری تعظیم ہے جو ان کی عزت کرے خدا اس پر رحم کرے اور جسے میں نے معزز سمجھا اسے خدا بزرگی دے۔ اور جو ان باتوں کی نگہداری نہ کرے اسے ذلیل و خوار کرے یہ فرمان اس فقیر مسعود کی طرف سے ہوا اور یہ فرمان اللہ تعالیٰ کی مدد دعوت و ہدایت اور توفیق سے مکمل ہوا اور اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف و آگاہ ہے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۲۷ تا ۱۳۱)

صاحب مرآۃ الاسرار کی ایک روایت:

شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے راحت القلوب کے حوالہ سے تفویض خلافت کے واقعات کو اس طرح تحریر کیا ہے۔

شیخ نظام الدین نے فرمایا: میں اور تمام عزیزان باصفا (شیخ الشیوخ بابا فرید کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ کے حکم سے ہم نے مولانا نظام الدین کو ہندوستان کی ولایت دی۔ اور اپنا سجادہ نشین مقرر کیا۔ یہ سن کر بندے نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے جہانگیر عالم سر اوپر اٹھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے خواجہ قطب الاسلام کی دستار جو آپ کے سر پر تھی مجھے عطا فرمائی۔ اور خرقہ پہنایا اور عصا ہاتھ میں دیا۔ فرمایا کہ دوگانہ نماز ادا کرو۔ جب میں نے قبلہ کی طرف منھ کیا تو آپ نے بندہ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منھ کیا۔ اور فرمایا۔ جاؤ تجھے خدا کے سپرد کیا۔ فرمایا یہ سب کچھ تجھے دیتا ہوں۔ اس لیے کہ میرے وقت آخر تم یہاں نہ ہوگے۔ کیونکہ میں بھی خواجہ قطب الاسلام کے وصال کے وقت حاضر نہ تھا۔ ہانسی میں تھا۔ اس کے بعد شیخ بدرالدین اسحاق کو حکم دیا کہ وہ تحریر لاؤ جب تحریر حاصل کی تو آپ نے میرا سر

پہلوئے مبارک میں لے کر فرمایا کہ ہم نے تمہیں خدا تک پہنچادیا۔ اس کے بعد فرمایا آج یہاں رہ جاؤ کل چلے جانا۔ اس روز باورچی خانہ کے خرچ کے لئے کوئی فتوح نہ آئی تھی۔ سارے متعلقین بیٹھے تھے۔ بندہ نے عرض کیا کہ تصدق مخدوم نے ایک دو آنے مجھے زادراہ کے لئے عطا کئے ہیں اگر حکم ہو تو اس سے کھانا خرید کر لاؤں۔ اس بات سے بے حد خوش ہوئے۔ اور خوب دعائے خیر دی۔ اور فرمایا۔ میں نے حق تعالیٰ سے تمہارے لئے کچھ دنیا مانگی ہے۔ یہ سن کر میں کانپ گیا۔ افسوس دنیا نے تو کئی بزرگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ میرا کیا حال ہوگا؟ آپ نے میرے دل کی بات سے آگاہ ہو کر فرمایا تجھے اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ اس سے مجھے ایک گونہ خوشی حاصل ہوئی۔ آخر شب میں نے دیکھا کہ ایک عورت جماعت خانہ کے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں دنیا ہوں۔ اور حضرت مخدوم کے گھر میں جھاڑو دے رہی ہوں۔ آخر وہی ہوا جو حضرت گنج شکر کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔

(خلافت نامہ تفویض کرنے کے بعد) فرمایا پہلے ہانسی جاؤ۔ اور یہ تحریر شیخ جمال الدین کو دکھاؤ۔ جب دہلی پہنچو تو قاضی منتخب کو بھی دکھاؤ۔ لیکن شیخ نجیب الدین متوکل کا نام نہ لیا۔ جس سے مجھے بے حد حیرانی ہوئی۔ لیکن جب دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کا انتقال ہو چکا ہے۔ جب میں آپ سے رخصت ہوا تو ہانسی جا کر خلافت نامہ جمال الدین ہانسوی کو دکھایا۔ انہوں نے بہت شفقت فرمائی۔ اور یہ شعر پڑھا۔

خدائے جہاں راہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

(ترجمہ) خدا کا ہزار شکر ہے کہ گوہر کو گوہر شناس کے سپرد کیا۔

آپ جب دہلی پہنچے تو شیخ نجیب الدین متوکل کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت یہ حیرانی جاتی رہی کہ بابا صاحب نے شیخ نجیب کو خلافت نامہ دکھانے کا حکم کیوں نہیں دیا تھا۔ اس کا راز معلوم ہو گیا۔

(مرآۃ الاسرار، صفحہ: ۸۴۔ ۷۸۲)

شیخ الشیوخ بابا فرید کا انتقال اور تفویض تبرکات:

خواجہ نظام الدین اولیاء سلسلہء چشتیہ کی سربراہی کا پروانہ اور مرشد کی سجادگی کی اجازت، دین و دنیا کی نعمت سے سرفراز ہو کر دہلی پہنچے اور مرشد کامل کی ہدایات پر سختی سے عمل پیرا ہو گئے۔

شوال ۶۶۹ھ میں خواجہ نظام الدین جب اجودھن سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تھے تو بابا فرید علیل تھے۔ اور علالت مرض الموت ثابت ہوئی۔ خواجہ نظام کے جانے کے بعد بھی بابا فرید انھیں یاد کرتے رہتے تھے۔ وصال کے وقت فرمایا۔ فلاں (نظام الدین) تو دہلی میں ہے۔ ہاں میں بھی شیخ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ اللہ کے وصال کے وقت موجود نہ تھا۔ بلکہ ہانسی میں تھا۔

(فوائد الفواد، صفحہ: ۳۶۱)

سید محمد کرمانی خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکر شیخ کی عیادت کے لئے دہلی سے اجودھن پہنچے۔ اس وقت شیخ الشیوخ کی علالت شدت اختیار کر چکی تھی۔ آپ حجرے میں ایک اونچی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ حجرہ کے باہر ان کے بیٹے اور خاندان کے دوسرے افراد شیخ الشیوخ کے بعد سجادہ نشینی کے مسئلہ پر غور کر رہے تھے۔ سید محمد کرمانی کو حجرہ کے اندر باریاب ہونے سے روک دیا۔ لیکن وہ حجرہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ اور بابا صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ انہوں نے آنکھ کھولی اور پوچھا۔ کس طرح ہو یہاں کب آئے؟ کرمانی نے جواب

دینے کے بعد شیخ نظام الدین کا سلام پہنچایا۔ شیخ نے مسرت کا اظہار کیا۔ اور پوچھا۔ مولانا نظام الدین کیسے ہیں؟ پھر اپنا جامہ، مصلّٰی، عصا جو حقیقتاً جانشینی کی علامتیں تھیں شیخ نظام الدین اولیاء کو عطا کرنے کے فیصلے کا اظہار فرمایا۔ یہ فیصلہ اگرچہ با صاحب کے فرزندوں کو ناگوار گذرا۔ مگر یہ فیصلہ روحانی صلاحیتوں کے گہرے مطالعے پر مبنی تھا۔ اور مشائخ چشت کی مقدس روایات کا آئینہ دار تھا۔

شیخ الشیوخ نے ۵ / محرم ۶۷۰ھ مطابق ۱۳ / اگست ۱۲۷۱ء کو دار فانی سے رحلت فرمائی۔ اور وقت آخر بابا صاحب نے اپنے فیصلہ کے مطابق مولانا بدر الدین اسحاق کو وصیت کی کہ نظام الدین دہلی سے آئیں گے تو میرا مصلی، عصا، تسبیح خرقہ، نعلین ان کو دے دینا۔

جب خواجہ نظام الدین اولیاء کو دہلی میں اپنے پیر و مرشد کے وصال کی خبر ملی تو اجودھن کے لئے چوتھا سفر کیا۔ قرائن اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ان کا یہ سفر محرم یا صفر ۶۷۰ھ میں ہوا ہوگا۔ اجودھن پہنچ کر شیخ کبیر کے مذکورہ بالا تبرکات حاصل کیے۔ اور وہاں ایک دروازہ تعمیر کرایا جسے "جنتی دروازہ" کہا جاتا ہے۔

دہلی کی رہائش گاہیں:

دہلی ملک ہند کا دار السلطنت تھا۔ یہاں محلوں، حویلیوں اور مکانوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ ہر روز آبادی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مکانات تعمیر کیے جاتے تھے۔ مگر جب حضرت شیخ نظام الدین تعلیم کی غرض سے اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ دہلی میں وارد ہوئے تو تنگی معاش کے ساتھ جلد جلد مکانوں کی تبدیلی کا مسئلہ درپیش رہا۔ اجودھن سے جب خلافت اور سلسلہ ءِ چشتیہ کی صدر نشینی کا منصب لے کر دہلی آئے اس وقت بھی رہائش گاہ کا مسئلہ ذہنی الجھن کا سبب بنا رہا۔ قیام گاہوں کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) سرائے نمک میاں بازار: خواجہ نظام الدین جب بدایوں سے دہلی

آئے تو سب سے پہلے سرائے میاں بازار میں (جسے سرائے نمک بھی کہتے تھے) اپنی والدہ اور بہن اور بھانجوں کو ٹھہرایا۔ خود ایک کمان گر کے مکان میں قیام کیا۔ جو اس سرائے کے سامنے تھا۔

(۲) راوت عرض کی حویلی: سرائے میاں بازار کے قریب حضرت امیر خسرو کے نانا راوت عرض کی عالی شان حویلی تھی۔ امیر خسرو کے ماموں اپنی جاگیر پر چلے گئے تو یہ مکان خالی تھا۔ امیر خسرو کی کوشش سے یہ مکان حضرت کو مل گیا۔ جس میں دو سال قیام رہا۔ یہ حویلی پل منڈہ کے پاس شہر پناہ سے متصل تھی۔ (یہ مکان قلعہ دہلی کے متصل تھا) جب راوت عرض اپنی جاگیر سے واپس آئے تو حضرت کو یہ مکان خالی کرنا پڑا۔

(۳) چھپر والی مسجد: جو سرائے بقال کے گھر کے سامنے تھی۔ جب راوت عرض کی حویلی سے اٹھے اسی مسجد میں قیام کیا۔

(۴) سعد کاغذی کا مکان: دوسرے دن شیخ صدرالدین ملتانی کے مرید سعد کاغذی کو معلوم ہوا تو وہ حضرت کو اپنے گھر لے آئے۔ اور بالائی منزل حضرت کے رہنے کے لئے خالی کر دی۔ جہاں ایک ماہ قیام رہا۔

(۵) سرائے رکاب دار: سعد کاغذی کا مکان ترک کرنے کے بعد آپ سرائے رکابدار میں آئے۔ جو پل قیصر کے پاس تھی۔ اس کے اندر ایک مکان بھی تھا۔ فروکش ہوئے۔ اسی سرائے کے ایک حجرہ میں سید محمد کرمانی نے اپنے خاندان کو ٹھہرایا۔ اس مکان میں حضرت ایک مدت تک مقیم رہے۔

(۶) مکان شادی گلابی: سرائے رکاب دار سے اٹھ کر شادی گلابی کے مکان میں آگئے۔ جو محمد میوہ فروش کی دوکانوں کے درمیان واقع تھا۔

(۷) مکان شمس الدین شراب دار: شادی گلابی کے مکان میں بھی کچھ ہی دنوں قیام رہا۔ شمس الدین شراب کے بیٹے اور دوسرے اقرباء آئے۔ اور منت

کر کے حضرت کو شراب دار کے مکان میں لے آئے۔ (شاہی محل میں پانی کی خدمت جس کے سپرد ہوتی تھی اسے شراب دار کہا جاتا تھا) اس مکان میں قیام کے دوران کافی راحت ملی۔ اجودھن سے آنے والے یارانِ طریقت حضرت سے اسی مکان میں ملتے تھے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۱۷)

مکانوں کی تبدیلی سے اندزاہ ہوتا ہے کہ اس مرد درویش کے لئے اپنا درویشانہ ساز و سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لئے بھری دہلی میں کوئی مستقل جگہ نہ تھی۔ مصنف سیر الاولیاء مکانوں کی تبدیلی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔

غیاث پور کا قیام:

مکانوں کی پے در پے تبدیلی اور شہر کی گہما گہمی سے تنگ آچکے تھے۔ چنانچہ شہر چھوڑ کر کسی پر سکون گاؤں میں قیام کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ جہاں یکسوئی کے ساتھ عبادت اور حفظ قرآن میں مصروف رہ سکیں۔ شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

"پہلے میں شہر میں رہنے کا خواہش مند نہ تھا۔ ایک دن میں حوض قتلغ خاں پر گیا۔ اس زمانہ میں قرآن مجید حفظ کر رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک درویش کو دیکھا۔ جو مشغول عبادت تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس شہر کے باشندے ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں! میں نے پوچھا آپ یہاں اپنی خواہش سے ہیں؟ جواب دیا نہیں۔ پھر کہا میں نے ایک دفعہ ایک درویش کو دروازۂ کمال سے آتے دیکھا جہاں شہداء مدفون ہیں۔ اس درویش نے مجھ سے کہا۔ اگر اپنا ایمان سلامت لے جانا چاہتے ہو تو اس شہر سے رخصت ہو جاؤ۔ میں نے اسی وقت شہر چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے یہیں مقیم ہوں۔ ۲۵ ربرس گذر جانے کے باوجود میرا ارادہ بدستور قائم ہے۔ لیکن جانا نصیب نہیں ہوتا۔"

شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

درویش کی یہ بات سن کر میں نے بھی طے کر لیا کہ اس شہر (دہلی) میں نہ رہوں گا۔ (فوائد الفواد، ج:۴، صفحہ:۲۴۱)

حضرت امیر خسرو کے وطن پٹیالی جانا چاہتے تھے۔ مگر وہاں نہ جا سکے۔ اور بسنالہ تشریف لے گئے۔ جو پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اور وہاں تین دن قیام کیا۔ لیکن کوئی مکان نہ ملا۔ نہ کرایہ پر نہ گروی۔ مجبوراً واپس آ گئے۔ لیکن شہر چھوڑنے کا ارادہ اپنی جگہ تھا۔

ایک دن حوض رانی کے باغ جسر تھ میں مصروف مناجات تھے۔ وہ وقت مسعود تھا۔ دعاء کی۔ الٰہی میں چاہتا ہوں کہ اس شہر سے کہیں چلا جاؤں۔ مگر اپنی مرضی سے نہیں جانا چاہتا ہوں تو چاہے گا وہاں جانے کا ارادہ ہے۔ اسی وقت کان میں آواز آئی غیاث پور۔ حضرت نے اس وقت تک غیاث پور نہ دیکھا تھا۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس سمت واقع ہے۔ یہ آواز سن کر حضرت اپنے ایک دوست "نقیب نیشاپوری" کے مکان پر گئے۔ جس سے غیاث پور کا پتہ معلوم کریں۔ مگر وہ موجود نہ تھا۔ اس کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ غیاث پور گئے ہیں۔ حضرت نے سوچا۔ یہ وہی غیاث پور ہو گا۔ جس کی آواز میرے کانوں میں آئی تھی۔ غرض آپ غیاث پور آئے۔ یہ دریائے جمنا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ آبادی بھی مختصر تھی۔ خلق کا آنا جانا بھی کم تھا۔ یہ گاؤں اسی مقام پر تھا جہاں اب مقبرۂ ہمایوں ہے۔

آپ غیاث پور میں ایک کچے مکان جس پر چھپر پڑا ہوا تھا مقیم ہوئے۔ اس جگہ آپ کے قیام کی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ جس سے آپ کو یکسوئی حاصل ہوئی۔ اور عبادت وریاضت کے کافی اوقات میسر آئے۔

شہر کیلو کھڑی:

سلطان کیقباد، بغرا خاں کا بیٹا اور سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء تا ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۷ء کا پوتا تھا۔ عین عنفوان شباب میں تخت دہلی پر

متمکن ہوا۔ اس کی تربیت سلطان بلبن نے خاص اہتمام کے ساتھ اپنے کنٹرول میں کرائی تھی۔ تاکہ وہ بیہودہ مشاغل سے الگ تھلگ رہ کر ایک پاکیزہ خصلت، جوان ہمت انسان بنے۔ اور اس کے اندر حکمرانی کی بھرپور صلاحیت پیدا ہو جائے۔ مگر اس کی تعلیم و تربیت میں ضرورت سے زیادہ سختی برتی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عین عالم شباب ۶۸۶ھ میں تخت دہلی پر بیٹھا تو سارے بند ٹوٹ گئے۔ اور عیش و نشاط اور شراب و شباب میں ڈوب کر رہ گیا۔ ساری اخلاقی تعلیم و تربیت بالائے طاق رکھ کر اس نے فسق و فجور کو انتہا تک پہنچا دیا۔ جب خوشامدی امراء نے بادشاہ کے رنگیلے مزاج کو جان لیا تو انہوں نے عیش و طرب، مستی و ترنگ، اور رامش و رنگ کے سارے لوازمات اس کے گرد اکٹھا کر دیئے۔ اب کیا تھا۔ کیقباد آٹھوں پہر گل اندام مہوشوں، خوش آواز مطربوں اور بذلہ سنج ندیموں کی جھرمٹ میں رہنے لگا۔

دوسری طرف الناس علی دین ملوکہم کے مطابق شاہی امراء نے بھی داد عیش دینی شروع کر دی۔ بادشاہ نے داد عیش دینے کے لئے پرانے شہر کو چھوڑ کر کیلوکھڑی میں دریائے جمنا کے کنارے اپنا محل تعمیر کیا۔ جہاں دوسرے امراء و ملوک اور ارباب ثروت نے اپنی حویلیاں اور مکانات تعمیر کئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیلوکھڑی ایک بارونق شہر بن گیا۔ اور یہاں ملک کے گوشے گوشے سے ارباب نشاط اور اہل حرفت کھنچ کھنچ کر چلے آئے۔

ضیاء الدین برنی نے سلطان معزالدین کیقباد کی عیش پوشی اور کیلوکھڑی کے ہنگامہ عیش و طرب کا حال کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

"سلطان معزالدین شہر کی سکونت ترک کر کے دارالحکومت کوشک لعل سے باہر چلا گیا۔ اور کیلوکھڑی میں دریائے جمنا کے کنارے ایک بے نظیر محل اور ایک لاجواب باغ بنوایا۔ اور اپنے ملوک، امراء، خاص مصاحبین و مقربین اور ملازمین درگاہ کو لیکر وہاں چلا گیا۔ اور وہیں سکونت اختیار

کرلی۔ کوشک سلطانی کے نزدیک تمام امراء و ملوک اور معتبر و معروف لوگوں نے اور حکومت کے کارکنوں نے چھوٹے چھوٹے مکانات بنوالیئے۔ جب لوگوں نے دیکھا بادشاہ کیلوکھڑی میں سکونت کی طرف مائل ہے تو انہوں نے بھی اپنے محلوں میں مکانات اور قصر بنوانے شروع کردیئے۔ ہر طائفہ (گروہ) کے سردار شہر کی سکونت ترک کر کے کیلوکھڑی چلے گئے اس طرح کیلوکھڑی خوب آباد ہو گئی۔ اور بادشاہ اور اس کے دربار سے منسلک خواص و عوام کے عیش و طرب میں مستغرق اور منہمک ہو جانے کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی۔ اور مملکت کے ہر حصے میں پہنچ گئی۔ ہر علاقے سے مطرب، خوش الحان اور حسین لوگ ہنسی کرنے والے مسخرے اور بھاڑ دربار میں آگئے۔ چاروں طرف خوب آبادی نظر آنے لگی۔ فسق و فجور کا رواج عام ہو گیا۔ مسجدیں نمازیوں سے خالی ہو گئیں۔ اور شراب خانے آباد ہو گئے۔ خانقاہوں میں کوئی باقی نہ رہا۔ اور مصطبے یعنی نشستگاہیں (گھر کی دہلیزیں) بھرنے لگیں۔ شراب کا نرخ دوگنا ہو گیا۔ اور لوگ عیش و عشرت میں ڈوب گئے۔ رنج و الم، غم و فکر، خوف و ہراس اور محرومی کسی کے سینے میں باقی نہ رہی۔ ظریف، خوش طبع، لطیفہ گو اور ہنسی دل لگی کرنے والے ایک ایک کر کے سب اسی شہر میں آکر بس گئے۔ گویّوں اور حسینوں کے سر میں ناز نخروں کا سودا سما گیا۔ شراب اور عرق بیچنے والوں کی ہمیانیاں سونے اور چاندی کے تنکوں سے بھر گئیں۔ حسین اور بدکار اور مشہور فاحشہ عورتیں سونے میں اور زیورات میں غرق ہو گئیں۔ اکابر و مشاہیر کے لئے اب شراب پینے، مجلسیں منعقد کرنے، دوستوں کو جمع کرنے، گانا سننے، جوا کھیلنے، بخششیں دینے، مزے اڑانے عمر کے ایک حصے کو بے وفا زمانے

میں اچھی طرح گزارنے اور رات دن عیش و آرام میں بسر کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

(برنی تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ صفحہ: ۲۲۰۔۲۱۸)

کیلو کھڑی کی عشرت سامانیوں کا اثر براہ راست غیاثپور پر بھی پڑا۔ یہاں بھی امراء نے اپنے مکانات اور اہل حرفت نے اپنے کارخانے قائم کئے۔ لوگ بکثرت آنے جانے لگے۔ جس سے وہاں کی سادگی اور دینداری، عیش کوشی میں تبدیل ہونے لگی۔ پھر خلق خدا کے اژدہام نے حضرت نظام الدین اولیاء کی یکسوئی اور عبادت میں خلل ڈالا۔ اور عوام میں آپ کی شہرت و مقبولیت بھی بڑھنے لگی۔ جس کو آپ ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ان ہنگاموں سے دور رہنے کے لئے آپ نے غیاث پور بلکہ دہلی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

مرد غیب:

اسی زمانہ میں حضرت کے استاذ حدیث شیخ امین الدین محدث تبریزی کا انتقال ہوا۔ حضرت نے ان کے سوم میں جانے کا ارادہ کیا۔ اور یہ فیصلہ کر لیا کہ کل سوم میں شرکت کے لئے جاؤں گا تو وہیں شہر میں رہ جاؤں گا۔ یہ حتمی فیصلہ ہو چکا تھا کہ اسی دن عصر کی نماز کے وقت ایک شخص آیا۔ حضرتِ شیخ المشائخ فرماتے ہیں:

”میں اسی خیال میں تھا کہ اس دن ایک حسین و جمیل جوان آیا۔ لیکن کچھ خستہ حال تھا۔ خدا معلوم مردان غیب سے تھا یا کون تھا۔ اس نے آتے ہی پہلی بات جو کہی وہ یہ تھی۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بربود در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

ترجمہ: جس روز تم چاند بنے تھے یہ خبر نہیں تھی کہ ایک زمانہ کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی۔ اب جب کہ تمہاری زلف نے دنیا کے دل

اسیر کر لئے ہیں کونے میں بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔
پھر اس نے کہا اول تو مشہور ہونا نہیں چاہتے۔ اور جب کوئی مشہور ہو جائے تو پھر ایسا ہونا چاہئے کہ کل قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ پھر کیا: یہ بھی کوئی قوت اور حوصلہ ہے کہ لوگوں سے کنارہ کر کے مشغول بحق ہو جائیں۔ (یعنی قوت اور حوصلہ یہ ہے کہ خلق کی موجودگی میں بھی مشغول بحق رہیں۔)
ان باتوں کے بعد میں نے اس کے سامنے کچھ کھانا رکھا۔ اس نے نہ کھایا۔ میں نے اسی وقت یہ نیت کرلی کہ یہیں مقیم رہونگا۔ جو میں نے یہ نیت کرلی تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ اور چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ (مرأۃ الاسرار صفحہ: ۸۴۷، فوائدالفواد، صفحہ: ۲۴۳)

خلق خدا کا رجوع عام اور سلسلہ بیعت وارشاد:

حضرت سلطان المشائخ نے اس واقعہ کے بعد غیاث پور ہی میں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا۔ اور خلوت در انجمن کے اصول پر قائم رہتے ہوئے ارادت مندوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ مریدوں کی اخلاقی تربیت بھی کرتے رہے۔ اور مجاہدہ وریاضت کا شغل بھی جاری رکھا۔ آپ کے مرید ضیاء الدین وکیل نے دریائے جمنا کے کنارے وسیع رقبہ پر ایک بڑی اور کشادہ عمارت رہائش کے لئے بنوادی جس میں جماعت خانہ بھی تھا۔ مطبخ بھی۔ اسی کے بالائی حصہ پر ایک کمرے میں حضرت کا قیام رہتا۔ اس کے کچھ آثار آج بھی مقبرہ ہمایوں کے شمالی مشرقی گوشہ میں موجود ہیں۔
اس جماعت خانہ میں خلق خدا کا ہجوم اسقدر ہوتا جس کا تصور کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ چونکہ کیقباد اور اس کے امراء کی عشرت سامانیوں نے ماحول کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ اور حالات روز بروز ابتر ہو رہے تھے۔ اس لئے اصلاح معاشرہ اور لوگوں کی اخلاقی تربیت ناگزیر ہو چکی تھی۔ جس کا واحد راستہ وعظ و تذکیر

اور عوام و خواص کو رشتۂ بیعت سے منسلک کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ المشائخ نے سلسلۂ چشتیہ کے سربراہ کی حیثیت سے یہ اہم فریضہ پورے انہماک اور ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا۔

عوام و خواص کے لئے آپ کی روحانی دولت سرا کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور آپ کے دست حق پرست پر توبہ کرتے۔ اجتناب معاصی اور عمل خیر کا پختہ عہد کر کے شرفِ بیعت سے مشرف ہوتے۔ اس طرح لاکھوں انسانوں کے اعمال کی اصلاح اور باطن کی تطہیر کا کام ہوا۔

حضرت شیخ المشائخ نے بیعت عام کا جو سلسلہ شروع کیا اس کے وجوہ و اسباب خود بیان فرماتے ہیں:

(۱) میرا تجربہ یہ ہے کہ بیعت کرنے سے کچھ نہ کچھ اصلاح ضرور ہو جاتی ہے۔

(۲) میں سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے کے بعد معصیت اور گناہ سے باز رہتے ہیں۔ اور اوراد و نوافل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

(۳) میں نے یہ نعمت آسانی سے پالی تھی۔ اس لئے آسانی سے لٹا رہا ہوں۔

(۴) میں اس لئے ہر شخص کو دست بیعت دیتا ہوں کہ قیامت کے دن بعض مرید بھی اپنے پیر کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں گے۔

(۵) بیعت کے لئے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا رمز یہ ہے کہ جو قوی بازو ہو گا وہ دوسرے کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔

حضرت شیخ المشائخ کے ارشاد و ہدایت کا جو خوشگوار اثر دہلی اور اطراف دہلی کے مسلمانوں پر پڑا اس کا اندازہ مورخ ضیاء الدین برنی کے بیان سے لگانا آسان ہو گا۔ جس کو ہم کسی اور مقام پر تحریر کریں گے۔ یہاں اس کے بعض مندرجات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

"شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین نے دہلی میں بیعت عام کا دروازہ کھولا۔

گناہگاروں کو خرقہ پہناتے۔ اور ان سے توبہ کراتے۔ اور اپنا مرید بناتے۔ خاص و عام، عالم و جاہل، شہری و دیہاتی ہر ایک سے توبہ کراتے۔ جس کا اثر تھا کہ جو لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوتے برائیوں سے بچتے اور عبادت میں مصروف ہوتے۔ مریدوں کی اکثریت فرائض کے علاوہ چاشت و اشراق کی پابند ہو گئی تھی۔ اطراف و اکناف سے غیاث پور کی طرف آنے والے راستوں پر چبوترے اور چھپر بنا دئے گئے تھے۔ وہاں طہارت و نماز کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ تاکہ حضرت کے پاس آنے جانے والے وقت سے نماز ادا کر سکیں۔ اور ان مقامات پر آرام کر سکیں۔

حضرت کے وعظ و تذکیر کا یہ خوشگوار اثر پڑا کہ لوگ گفتگو میں مسائل شرعیہ دریافت کرتے۔ نوافل، تلاوتِ قرآن اور ادعیہ ماثورہ کا تذکرہ کرتے۔ قدیم مریدوں کو بندگی اور عبادت، ترک و تجرید اور سلوک کی کتابیں پڑھنے اور بزرگوں کے حالات ذکر کرنے کے سوا کوئی اور کام نہ تھا۔ شہر کے محلوں میں وعظ و تذکیر کی مجلسیں منعقد ہوتیں۔ شہزادے، ارکان دولت، وزراء و ملوک حضرت کے معتقد اور صلاح و تقویٰ کے عادی بن گئے تھے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو جنید و بایزید کے مثل پیدا کیا تھا۔ اور اپنی ذات کے عشق سے آراستہ کیا تھا۔" (ماخوذ تاریخ فیروز شاہی)

حضرت کی خانقاہ سلاطین و امراء، علماء و فقراء، عوام و خواص، نوکر پیشہ اور اہل حرفہ فقراء و مساکین سب کے لئے ایک مرکز کشش بن گئی تھی۔ یہاں قلب و روح کا تزکیہ اور تجلیہ بھی ہوتا تھا۔ سیرت و اخلاق کی اصلاح بھی کی جاتی تھی۔ احکام شریعت کی پاسداری کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ دکھ و درد کے مارے ہوئے انسانوں کو تسکین اور تسلی بھی ملتی تھی۔ فقراء و مساکین کے لئے کھانا، کپڑا بھی فراہم ہوتا تھا۔ دعاء اور ہمت درویشاں کے طالبوں کو تعویذ بھی دیا جاتا تھا۔ ہر آنے جانے والے کے لئے ایک عام لنگر بھی کھلا ہوا تھا۔ قدم قدم پر دستگیری و رہنمائی بھی ہو رہی

تھی۔ حضرت نے ارشاد و ہدایت اور فقر و درویشی کا ایسا معیار قائم کر دیا تھا جہاں تک رسائی بعد کے زمانہ میں بھی کسی اور شیخ طریقت کے لئے ممکن نہ ہو سکی۔

تنگدستی و فقر:

خواجہ نظام الدین اولیاء نے بدایوں کو ترک کر کے دارالخلافہ دہلی میں اس لئے قیام کیا تھا کہ اکابر علمائے دہلی سے اسلامی علوم و فنون کی تکمیل کریں۔ اور وہاں کوئی ایسا ذریعہ معاش تلاش کریں جس سے خوش حال زندگی بسر کر سکیں۔ پہلی آرزو تو پوری ہوئی۔ تمام مروجہ علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ لیکن کسبِ معاش کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آسکا۔ تحصیل علم کے دوران علم و فن کی جستجو کا انہماک اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ دوسری جانب توجہ کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اور بعد میں توکل و استغناء کی عادی طبیعت نے کسی کی ملازمت یا کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنے کی اجازت ہی نہ دی۔

"یہی وجہ ہے کہ دہلی میں رہائش گاہ کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ فقر و تنگدستی بھی دامن گیر رہی۔ تحصیل علم کے بعد ایک مرتبہ شیخ نجیب الدین متوکل سے منصب قضا کے لئے دعاء کی درخواست کی تھی۔ جواب میں شیخ متوکل نے فرمایا تھا۔ انشاء اللہ تم ہرگز قاضی نہ ہو سکو گے لیکن تم وہ مرتبہ حاصل کرو گے جسے میں جانتا ہوں۔" (سیر العارفین، صفحہ: ۸۲)

شیخ نجیب کا اشارہ اس عظیم روحانی منصب کی جانب تھا جو قسام ازل نے آپ کے لئے مقدر فرما دیا تھا۔ اسی لئے آپ نے اس کے بعد کسی ملازمت یا شاہی منصب کا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔ اور روحانی سفر کے لئے کمربستہ ہو گئے۔

دوران تحصیل علم، سفر اجودھن اور بعد خلافت غیاث پور کے ابتدائی زمانہ تک بڑے صبر آزما معاشی حالات سے دوچار رہے۔ آمدنی کے وسائل و ذرائع مفقود تھے۔ مگر ان نامساعد حالات کا مقابلہ بڑی ہمت و استقلال کے ساتھ کیا۔ فتوح کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔

(کوئی شخص بے طلب جو کچھ از راہ اخلاص دے جائے اسے فتوح کہتے ہیں۔ بشرطیکہ درویش کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ مجھے فلاں چیز کی فلاں شخص سے امید ہے۔) فتوح کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ صوفی اور شیخ توکل پر زندگی بسر کریں۔ جو کچھ اپنی ضروریات سے بچے وہ فقراء و غرباء پر تقسیم کر دیں۔ آئندہ کے لئے کچھ جمع نہ کریں۔

اس طرح اکثر و بیشتر فاقہ ہوتا۔ مگر زبان پر نہ زمانہ کا گلہ شکوہ اور نہ بیقراری کا اظہار اور نہ کسی سے صراحتہً یا اشارۃً عرض حال، خدا کی مشیت پر خوش، روحانیت کی منزلیں طے کرتے رہے۔ دور فقر و فاقہ کے بعض واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے حضرت شیخ المشائخ کی عزت مآب شخصیت کا آئینہ سامنے آتا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

"پہلے مجھ پر معاش کی تنگی تھی۔ اور وقت خوشی سے گذرتا تھا۔ ایک دن میرے پاس کوئی بے وقت آدھا تنکہ لایا۔ میں نے خیال کیا کہ آج یہ بے وقت (فتوح) ہے۔ جو ضرورت تھی پوری ہو گئی۔ اسے صبح کو خرچ کروں گا۔ جب رات آئی اور میں عبادت میں مشغول ہوا تو اس آدھے تنکے نے میرے دامن کو پکڑا۔ اور مجھے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ اے خداوند کب صبح ہو گی کہ میں اس آدھے تنکے کو خرچ کر سکوں گا۔ (فوائد الفواد، ج: ۲، صفحہ: ۸۳)

سلطان المشائخ نے فرمایا:

"سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں دو جیتل کا ایک من خربوزہ ملتا تھا۔ لیکن فصل کا زیادہ حصہ گذر گیا اور میں نے خربوزہ نہ چکھا۔ میں اس بات سے خوش تھا۔ اور میری تمنا تھی کہ اگر باقی فصل میں خربوزہ نہ

کھاؤں گا تو بہتر ہوگا۔ فصل کے آخر میں میرے پاس ایک آدمی چند خربوزے اور چند روٹیاں لایا۔ چونکہ وہ غیب سے آیا تھا۔ میں نے اس دن فصل کا خربوزہ کھایا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۲۲)

شیخ المشائخ نے فرمایا:

ایک رات ایک دن اور دوسری رات کا آدھا حصہ گذر گیا کہ میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اس زمانہ میں ایک جیتل کی دو سیر میدے کی روٹی بکتی تھی۔ لیکن میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی کہ میں روٹی کھاسکوں۔ میری والدہ، بہن اور دوسرے لوگوں کا بھی جو میری کفالت میں تھے یہی حال تھا۔ اگر ایسی حالت میں کوئی شخص ہمارے پاس ترکاری، شکر یا قیمتی کپڑا لاتا تو اگرچہ اس کو بیچ کر ہم غذا فراہم کر سکتے تھے لیکن ہم ایسا نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ وہ غیب سے آیا ہے۔ (ایضاً، ۱۲۲)

شیخ المشائخ نے فرمایا:

اس زمانہ میں جب میں اس برج میں مقیم تھا۔ جو دروازۂ منڈہ کے قریب ہے۔ میرے اوپر تین دن رات ایسے گذرے کہ میں نے کچھ نہ کھایا۔ پھر ایک شخص آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے کسی سے کہا کہ دیکھو دروازہ پر کون ہے؟ اس نے جاکر دروازہ کھولا۔ ایک شخص نے اسے کھچڑی سے بھرا ہوا پیالہ دیا۔ اور چلا گیا۔ میں نے پوچھا تم کھچڑی دینے والے کو جانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ میں نے اس کھچڑی کو کھایا۔ اور جو ذوق اور حلاوت مجھے اس کھچڑی میں ملی وہ میں نے اب تک کسی کھانے میں نہیں پائی۔" (ایضاً، ۱۲۲)

غیاث پور کے ابتدائی سالوں میں جب نذر و فتوح نہ آتی اور مسلسل کئی فاقے ہو جاتے تو درویش زنبیل گردانی کرتے۔ افطار کے وقت زنبیل کے ٹکڑے دستر خوان

پر رکھ دیئے جاتے۔ سلطان المشائخ اور ان کے رفقاء کا یہی سامان افطار ہوا کرتا تھا۔

"ایک دن معمول کے مطابق دستر خوان پر ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ اور حضرت افطار کرنا چاہتے تھے کہ ایک درویش آیا۔ اس نے روٹی کے چند ٹکڑے دیکھے تو سمجھا کہ لوگ کھانا کھا چکے ہیں۔ اور یہ پس خوردہ ہے۔ اس نے وہ تمام ٹکڑے سمیٹے اور وہاں سے روانہ ہوا۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ ابھی ہمارے کام میں کافی خیریت ہے کہ یوں بھوکا رکھا جارہا ہے۔ یہ حالت اس وقت پیش آئی جب کہ پہلے ہی سے دونوں کا فاقہ تھا۔ (ایضاً، ۱۲۳)

کشادہ دستی کا دور:

والدہ ماجدہ بی بی زلیخا کو بدایوں ہو یا دہلی فراغت کے دن میسر نہ آئے۔ لیکن صاحب باطن خاتون اپنے فرزند ارجمند کے پاؤں کو دیکھ کر فرمایا کرتیں۔

"نظام میں تجھ میں سعادت اور نیک بختی کی علامت دیکھتی ہوں تو کسی زمانہ میں بڑا صاحبِ اقبال اور بلند بخت والا ہوگا۔"

حضرت شیخ المشائخ نے سختی کے ایام کا ذکر کرتے ہوئے والدہ سے کہا تھا۔

"آپ کی دعائیں تو میری سعادت اور خوش بختی کے لئے تھیں۔ ان کا کوئی اثر نظر نہیں آتا" فرمایا: "اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ مگر اس وقت جب میں اس دنیا میں نہیں رہوں گی اور ایسا ہی ہوا۔" (ایضاً، ۱۶۰)

ایک بار چار دن تک حضرت شیخ المشائخ کے پاس کوئی نذر نہ آئی۔ جس سے درویشوں کے افطار کا سامان ہوتا۔ ایک نیک خاتون جو حضرت کی ہمسایہ اور مریدہ تھی۔ وہ رسی بٹ کر فروخت کرتی۔ اس سے جو خریدتی اور اس کی روٹی نمک کے بغیر پکاتی۔ اور اس سے روزہ افطار کرتی۔ اس موقع پر خاتون نے آدھ سیر جو کا آٹا حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت نے خواجہ کمال الدین یعقوب سے فرمایا یہ آٹا لے کر دیگ میں ڈال دو۔ اور کچھ پانی ڈال کر جوش دو۔ ہو سکتا ہے کچھ اور آجائے۔

خواجہ کمال الدین نے حکم کی تعمیل کی۔ دیگ میں خوب جوش تھا۔ اور اس سے آواز بھی آرہی تھی۔ اچانک ایک خرقہ پوش درویش آگیا۔ اور اس نے حضرت سے بآواز بلند کہا کہ "اے شیخ اگر کچھ کھانا ہو تو میرے پاس لاؤ" حضرت نے جواب میں فرمایا: "درویش مہربانی کیا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں دیگ تیار ہو جائے گی" درویش نے کہا کہ تم خود اٹھو اور دیگ جس حالت میں ہے اسی حالت میں میرے پاس لاؤ۔ حضرت نے اپنے ہاتھ پر آستین لپیٹی۔ اور دونوں ہاتھوں سے جلتی ہوئی دیگ کا کنارہ پکڑا۔ اور درویش کے پاس لے گئے۔ درویش نے کھولتی ہوئی دیگ میں پہنچے تک اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ اور اپنے منہ میں لے گیا۔ اسی طرح وہ کھاتا رہا۔ پھر دیگ حضرت کے ہاتھ سے لے کر زمین پر پٹک دی۔ اور کہا "نظام الدین تمہاری باطنی نعمت حضرت شیخ فرید الدین مسعود کی عطا کی ہوئی ہے۔ ورنہ تمہارے فقر ظاہری کی دیگ کو بھی توڑ دیتا۔" یہ کہہ کر چشم زدن میں نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

(سیر العارفین، صفحہ: ۹۲)

اس واقعہ کے بعد فقر و تنگ دستی کے ایام کا خاتمہ ہو گیا۔ نذر و فتوح کے دروازے کھل گئے۔ بے اندازہ تحائف آنے لگے۔ اور ہزاروں اہل یقین صوفی اور حاجتمند فیض پانے لگے۔

ایک اور درویش:

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے۔ ایک دن کیلو کھڑی سے کچھ احباب حضرت شیخ المشائخ کی ملاقات کے لئے غیاث پور آرہے تھے۔ جن میں مولانا عمر بھی تھے۔ راستہ میں ایک درویش ملا اور پوچھا۔ مولانا عمر کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم خواجہ نظام الدین کی خدمت میں جارہے ہیں۔ اس نے کہا بھلا اس مسکین کے پاس کیا دھرا ہے۔ اچھا بارہ جیتل لیتے جاؤ اسے دے دینا۔ انہوں نے بارہ جیتل لاکر حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ اسی دن سے فتوح کا لامتناہی

سلسلہ شروع ہو گیا۔ (سیر الاولیاء صفحہ: ۱۲۵)

ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں اور اس کے بعد نذر و فتوح کا نہ بند ہونے والا دروازہ کھلا ہو۔

نذر و فتوح کا دروازہ کھلا تو اس کثرت سے نقد و جنس خانقاہ میں آنے لگے جس کی کوئی حد اور شمار نہ تھا۔ والدہ گرامی بی بی زلیخا کی پیشن گوئی پوری ہوئی۔ اور شیخ الشیوخ کی دعاء "میں نے تمہارے لئے کچھ دنیا بھی مانگی ہے" رنگ لائی۔ نذر و فتوح کی بے اندازہ رقم جس طرح آتی۔ اسی طرح فقراء، مساکین، اہل حاجت میں تقسیم کردی جاتی۔ اور مطبخ و لنگر کے مصارف میں خرچ ہوتی۔ اسے روکا نہ جاتا۔ صبح کے نذرانے شام تک اور شام کی فتوح صبح تک خانقاہ میں نہ رہتی۔ کثرت فتوح کا تذکرہ صاحب تاریخ حبیبی اس طرح کرتے ہیں۔

> "شیخ نظام الدین کو تمام کمالاتِ دین اور دونوں جہاں کی فقیری و درویشی کے باوجود عطا و بخشش کا بہت اہتمام تھا۔ اور اتنی نذر و فتوح آتیں کہ حضرت شیخ فرید کے عرس پر ایک دن کے اندر چند لاکھ روپے خرچ ہوتے۔ (تاریخ حبیبی، صفحہ: ۷۶)

دنیائے فقر کے تاجدار کا شاہی دستر خوان:

سلطان المشائخ خود صائم الدھر تھے۔ لیکن دونوں وقت مطبخ میں انواع و اقسام کے کھانے تیار کئے جاتے اور وسیع دستر خوان پر چنے جاتے تھے۔ اس عام دستر خوان پر امیر و غریب، شہری و پردیسی، عالم و جاہل کسی کی تفریق نہ تھی۔ سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ گھر لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد دستر خوان تھا۔ جس پر ہزاروں غرباء و مساکین کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انہوں نے صرف نام سنے تھے۔ اعیان حکومت اور امراء کو بھی اس دستر خوان پر حاضری کی تمنا رہتی تھی۔ رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے فیض عام کے علاوہ

حضرت خواجہ نظام الدین کا یہ بھی چشمہء فیض تھا جو دہلی میں پوری روانی کے ساتھ جاری تھا۔ جس سے ہزاروں بندگان حق پرورش پاتے تھے۔

شیخ المشائخ کی یہ خانقاہ اور آپ کا خوان نعمت غریبوں اور امیروں کے مابین درمیانی کڑی تھی۔ جہاں اہلِ اسلام کے مختلف طبقے کسی فرق و امتیاز کے بغیر ہم نشین و جلیس ہوا کرتے تھے۔

مطبخ کی ذمہ داری اور نگرانی کا کام صاحب تقویٰ مریدوں کو تفویض کیا گیا تھا۔ خود حضرت شیخ المشائخ ضیافت و مہمان نوازی کے سلسلہ کی معمولی معمولی باتوں کا لحاظ رکھتے تھے۔ دستر خوان پر کھانے کے آداب کا بھی خاص خیال رکھا جاتا۔ کھانے سے قبل ہاتھ دھلوائے جاتے اور اس سلسلہ کی ساری جزئیات و آداب شیخ اپنی مجلسوں میں بیان کرتے تھے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا اور مہمانوں کی ضیافت کرنا حضرت شیخ المشائخ کے نزدیک کس قدر اہم تھا وہ اس بارے میں حضرت بی بی فاطمہ سام کا یہ قول اکثر نقل کیا کرتے تھے۔ ”روٹی کے اس ٹکڑے اور پانی کے اس آبخورے پر جو حاجت مند کو دیا جاتا ہے لاکھ نفلی روزوں اور نمازوں کی بہ نسبت فوقیت رکھتا ہے۔“

ایک مجلس میں شیخ المشائخ نے فرمایا: ”خلق خدا کو کھانا دینا بہت ہی نیک کام ہے۔“ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی:

> ”شیخ رکن الدین چشتی کے بڑے بیٹے خواجہ علی تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اور ان کو چنگیز خاں کے سامنے لایا گیا۔ اس خانوادۂ طریقت کے ایک بڑے بزرگ وہاں موجود تھے۔ اور خواجہ علی کو گرفتار دیکھ کر وہ حیران ہوئے۔ اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ان کی رہائی کی کیا تدبیر کریں۔ اور چنگیز خاں کے سامنے اس معاملہ کو کس طرح پیش کروں۔ اگر میں کہوں کہ بڑے باکرامت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو چنگیز کیا سمجھے گا۔

اور اگر ان کی طاعت و عبادت کا تذکرہ کروں تو یہ چنگیز کے نزدیک بے معنی ہو گا۔ کافی غور و فکر کے بعد وہ چنگیز خاں کے پاس گئے۔ اور کہا کہ اس قیدی کو رہا کر دینا چاہئے۔ ان کے باپ ایک بزرگ آدمی تھے۔ اور خلق خدا کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ چنگیز نے پوچھا۔ اپنے آدمیوں کو کھانا دیتے تھے یا غیروں کو؟ آپ نے کہا کہ اپنے ساتھیوں کو تو ہر بڑا آدمی کھانا کھلاتا ہے۔ اس کے باپ بیگانہ لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ چنگیز خاں جیسے ظالم و جابر شخص کو یہ بات پسند آئی۔ اس نے کہا وہ نیک آدمی تھے۔ اگر خلق خدا کو کھانا دیتے تھے۔ پھر اس نے خواجہ علی کو رہا کر دیا۔ معذرت کی اور خلعت بھی عطا کیا۔ آخر میں فرمایا: "کھانا دینا تمام مذہبوں کے مطابق پسندیدہ بات ہے۔"

(فوائد الفواد، ج:۱،)

سلطان قطب الدین مبارک شاہ جو حضرت شیخ المشائخ کا دشمن اور آپ کو ضرر پہنچانے کی درپے رہتا تھا۔ اس کے زمانے میں آپ کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار تنکہ تھا۔ مسکینوں اور درویشوں کی داد و دہش اس کے علاوہ تھی۔ سلطان کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانوں کی رقم سے پورے ہوتے ہیں۔ جو خانقاہ میں آیا جایا کرتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے حکم جاری کر دیا کہ آج سے کوئی شاہی امیر و ندیم حضرت نظام الدین کی خانقاہ میں نہ جائے۔ اب دیکھنا ہے کہ وہ لوگوں کی دعوت کہاں سے کرتے ہیں۔ اور جاسوس مقرر کیے کہ دیکھتے رہیں۔ جو امیر وہاں جائے مجھے آکر مطلع کریں۔

شیخ المشائخ نے جب یہ سنا فرمایا "کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے۔" ایک مدت کے بعد سلطان نے لوگوں سے پوچھا کہ شیخ کی خانقاہ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے بتایا کہ پہلے جتنا پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر شرمندہ ہوا۔ اور کہا کہ میں غلطی پر تھا۔ (خیر المجالس، صفحہ: ۲۰۲)

(د) سلاطین اور دربار شاہی سے بے تعلقی

ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ یہاں چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل پڑی چونکہ تصوف و سلوک کی رسم و روایت واضح علامتوں کے ساتھ اسی وقت عالم وجود میں آئی تھی۔ جب مسلمانوں نے مذہب و سیاست کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور سلاطین و امراء نے سیاست و حکومت کی سالمیت تک اپنے اقتدار و سطوت کا دائرہ محدود کر لیا تھا۔ دین کی اشاعت اور اعلائے کلمہ حق کا فرض انجام دینا چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ خانقاہی نظام کے سربراہوں نے سیاست اور بادشاہت سے الگ تھلگ دینی و روحانی قلمرو قائم کی۔ اور اپنے اثر و رسوخ کو ارشاد و ہدایت کے محور پر مرکوز کر دیا۔ انہوں نے سلاطین و امراء اور دربارِ شاہی سے مراسم و تعلقات کو ہمیشہ پس پشت ڈالا۔ اور حتی الامکان اس طبقہ سے کوئی تعلق روا نہ رکھا۔

اسی اصول پر ہندوستان میں خانوادۂ چشت کی روحانی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی۔ اور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لے کر حضرت محبوب الٰہی تک اس خانوادہ کے چاروں مشائخ نے نہ تو سیاسی و ملکی امور میں مداخلت کی اور نہ ہی سلسلہ کی اشاعت یا اپنے اثر و نفوذ کے لئے شاہی مراعات کا استعمال کیا۔

سلطان اور سلطنت سے بے تعلقی کے اصول میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ درباری زندگی کے تقاضے روحانی زندگی نہیں دے سکتے تھے۔ بابا فرید گنج شکر کہا کرتے تھے:

"اگر تم بزرگوں کے مرتبہ پر پہنچنا چاہتے ہو تو بادشاہوں سے بے تعلق رہو۔"

ایک درویش سیو لولی جرجان سے اجودھن آئے۔ اور بابا صاحب کے ساتھ قیام کیا۔ جب انہوں نے دہلی کا قصد کیا تو بابا صاحب نے فرمایا:

"سیولی تم دہلی جا رہے ہو وہاں سلاطین اور امراء سے تعلقات پیدا ہوں گے۔ یاد رکھو جو درویش سلاطین اور امراء سے تعلق پیدا کرتا ہے اس کی عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔ (تاریخ فیروز شاہی)

حضرت نظام الدین اولیاء کی ذہنی تربیت اسی اصول کے مطابق ہوئی تھی۔ ساری عمر سلطان اور سیاست سے علیحدہ و بے تعلق رہے۔ اور اس شعار کو انہوں نے ایک مقدس ترکہ و امانت کی طرح عزیز رکھا۔ اور اس کی نگہداشت میں کوتاہی نہ برتی۔ دربار اور سلطان سے براہ راست لاتعلقی کے باوجود وہ فتنوں کے استیصال سے غافل اور اسلام کے غم سے خالی اور ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے۔

یہی وجہ تھی کہ سیاست و حکومت کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہ الجھا۔ اور بساط حکومت و سلطنت کے الٹ پھیر سے آپ کی روحانی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہ پڑا۔ عوام و خواص اور امراء و سلاطین کی نظر میں آپ کی بے لوث دینی شخصیت کا رعب و اثر ہمیشہ قائم رہا۔

خانوادۂ چشتیہ کی سربراہی کے وقت سے زندگی کے آخری ایام تک متعدد بادشاہ تخت دہلی پر بیٹھے۔ اور پورے کروفر کے ساتھ حکومت کی۔ مگر صرف ایک بار آپ ایک دینی ضرورت کی وجہ سے دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ نہ کبھی دربار میں حاضر ہوئے۔ اور نہ ہی کسی بادشاہ کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دی۔

سلطان ناصرالدین محمود

ناصرالدین محمود ۶۴۴ھ تا ۶۶۴ھ کے زمانہ میں آپ بدایوں سے دہلی

آئے۔ اور اسی بادشاہ کے زمانہ میں مروج علوم وفنون کی تحصیل و تکمیل دہلی کے اکابر علماء کی خدمت میں رہ کر کی۔ نوعمر علماء کی جماعت میں امتیازی شان ومرتبہ رکھنے کے باوصف آپ نے نہ تو کسی وزیر یا امیر کی ملازمت کی اور نہ ہی شاہی دربار سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ آپ جیسے زیرک اور متبحر عالم کے لیے شاہی منصب کا حاصل کرنا بڑا آسان تھا۔ مگر آپ کی بے نیاز طبیعت اور صبر و توکل کی عادت نے فقر و فاقہ، مسکنت و تنگدستی کی زندگی بسر کرنا بڑی خوشی سے گوارہ کرلیا۔ مگر درباری ملازمت اور شاہی منصب کے لیے کسی سے کچھ کہنا گوارہ نہ کیا۔

اسی بادشاہ کے زمانہ میں آپ نے تصوف وسلوک کی دنیا اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ دہلی کے مشائخ کی بارگاہوں میں حاضر ہوئے۔ مجاہدے کئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن:

ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء میں سربر آرائے سلطنت ہوا۔ اور ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۷ء تک پورے جاہ و جلال کے ساتھ حکمراں رہا۔ اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں آپ دہلی سے اجودھن گئے۔ اور شیخ الشیوخ کی زندگی میں اجودھن کا آخری سفر جو ۶۶۹ھ میں ہوا۔ اور آپ سلسلہء چشتیہ کے سربراہ کی حیثیت سے دہلی میں اقامت گزیں ہوئے۔ مگر یہ زمانہ آپ کے کمال ترک و تجرید کا زمانہ تھا۔

سلطان معز الدین کیقباد:

بلبن کے بعد اس کا پوتا کیقباد ۶۸۶ھ تا ۱۲۸۷ء میں تخت نشیں ہوا۔ اسی زمانہ میں حضرت کی عوامی مقبولیت بڑھی۔ اور عوام و خواص آپ کی بارگاہ میں آنے جانے لگے۔ اسی دور میں آپ کی خانقاہ تعمیر ہوئی۔ مگر کیقباد کو داد عیش و طرب سے فرصت ہی کہاں تھی جو آپ سے ملتا۔ بلکہ اس کی فسق و فجور سے بھری ہوئی زندگی

نے شہر دہلی اور کیلو کھڑی کے مسلم سماج کو متاثر کیا۔ اور راگ ورنگ، شاہد بازی وبا کی صورت میں پھیل چکی تھی۔ جس کی بروقت اصلاح کی طرف شیخ المشائخ نے قدم اٹھایا۔ اور اپنی روحانی تعلیم وتربیت کے ذریعہ خداترسی و دینداری کا ماحول قائم کرنے کی جدوجہد فرمائی۔

جلال الدین فیروز شاہ خلجی ۶۸۹ھ تا ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۵ء:

کیقباد کے خاتمہ کے بعد ۳/ جمادی الثانی ۶۸۹ھ کو جلال الدین ستر سال کی عمر میں دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اور کیلو کھڑی کو اپنا دار السلطنت بنا کر شہر نو کی تعمیر شروع کردی۔

جلال الدین کی پوری زندگی میدان کارزار میں بسر ہوئی تھی۔ لیکن طبیعت میں انکساری اور حلم تھا۔ حق گوئی، حق شناسی اور احترام مذہب کے جذبات اس میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ بلبن کے کوشک لعل کو دیکھنے گیا تو جن جذبات واحساسات کا اظہار کیا اس سے اس کی افتاد طبع پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ جب وہ دولت خانہ شاہی محل میں داخل ہوا تو دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ اور پھر گذشتہ بادشاہوں کے تخت پر بیٹھکر امراء وحاضرین سے اس طرح خطاب کیا:

> "میں خدا کا شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں کہ آج وہ تخت میرے پاؤں کے نیچے ہے جس کے سامنے مدتوں میں نے زمین پر سر رکھا ہے۔ اور میرے ساتھی خواجہ تاش اور ہمسر میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ (تاریخ فیروز شاہی، صفحہ: ۱۷۸)

مؤرخ ضیاء الدین برنی سلطان جلال الدین کی متوازن مذہبی شخصیت و کردار کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

> "وہ بڑا پاک اعتقاد مسلمان تھا۔ اس کی طبیعت کی پاکی کا یہ عالم تھا کہ گویا کہ اس کا خمیر آب حیات سے تیار کیا گیا ہے۔" (ایضا، صفحہ ۲۰۷)

بادشاہ روزہ نماز کا پابند تھا۔ شریعت کا احترام اور قانون اسلام پر عمل آوری میں ہرگز کوتاہی نہ کرتا حلم و خداترسی اس کا شعار تھا۔ وزراء میں حلم اور دینداری کا پہلو غالب تھا۔

برنی کا قول ہے:

"اگر کوئی احکام شریعت اور معاملہ کے خلاف کرتا نظر آتا تو وہ مطعون اور ساقط الاعتبار ہو جاتا تھا۔" (ایضاً، صفحہ: ۲۰۲)

سلطان جلال الدین کو حضرت نظام الدین اولیاء کی سادہ درویشانہ زندگی اور آپ کے علم و زہد کا اعتراف تھا۔ اسے آپ کے فقر و فاقہ اور خدام خانقاہ کی مفلسی کا علم ہوا تو اس نے بڑی عقیدت کے ساتھ ایک گاؤں کی جاگیر اور نذرانہ پیش کیا تھا۔ جسے حضرت نے قبول نہ کیا۔

آرزوئے حضوری:

سلطان جلال الدین نے کئی بار زیارت کی اجازت طلب کی۔ مگر آپ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اس نے اطلاع کئے بغیر حاضری کا پروگرام بنایا اور حضرت امیر خسرو کو جو اس کے مصحف دار تھے اس کی اطلاع کر دی۔ امیر خسرو نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اپنے مرشد سے سلطان کا ارادہ پوشیدہ رکھ کر ان کے رنج کا سبب بنیں۔ چنانچہ آپ نے شیخ کو اس بات کی اطلاع دے دی۔ اور وہ ملاقات سے بچنے کے لئے اجودھن روانہ ہو گئے۔ سلطان کو جب یہ علم ہوا تو اس نے امیر خسرو سے خفا ہو کر کہا:

"تو سرِ ما کشف کردی واز سعادت پائے بوسی سلطان المشائخ محروم گردانیدی"

ترجمہ: تو نے میرا راز کھول دیا۔ اور مجھے سلطان المشائخ کی پابوسی سے محروم کر دیا۔

امیر خسرو نے جواب دیا:

از رنجش بادشاہ ہمیں خوف جان باشد فاما از رنجش سلطان المشائخ خوف سلب ایمان باشد۔ (سیر الاولیاء، صفحہ :۱۳۵)	بادشاہ کے رنجیدہ ہونے سے صرف خوف جان ہی ہے۔ لیکن رنجش سلطان المشائخ سے سلبِ ایمان کا خطرہ ہے۔

جلال الدین چونکہ صاحب علم اور صاحب مروت تھا۔ اس جواب سے خوش ہو گیا۔

سلطان علاء الدین خلجی:

سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کے بعد ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء میں تخت دہلی پر بیٹھا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے مسلم سلاطین میں سب سے ممتاز بادشاہ گذرا ہے۔ بہ لحاظ فتوحات، باعتبار نظم و نسق، بحیثیت دولت و ثروت کوئی دوسرا تاجدار اس دور میں مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ وہ انتہائی بیدار مغز، بلند حوصلہ، قوی ارادہ انسان تھا۔ اس نے بیس سال تک انتہائی کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ اس کی سلطنت دکن تک پھیل گئی۔ ہندوستان کے باجبروت راجاؤں اور امیروں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

نظم مملکت اور اصلاحی اقدامات کے لحاظ سے اس کا دور ہندوستانی تاریخ کا زریں عہد تھا۔ فوجی، اقتصادی، معاشی، مالی، جاسوسی، ڈاک، عدل و انصاف کے شعبوں میں اس کی اصلاحات قابل ستائش ہیں۔ اس نے اپنی سیاسی بصیرت اور انتظامی صلاحیت سے سلطنت دہلی کو خاص سیاسی و تمدنی مرکزیت عطا کر دی تھی۔

علاء الدین خلجی نے اگرچہ سرکاری سطح پر علماء صوفیہ کی قدر و منزلت اور داد و دہش کا اہتمام نہیں کیا تاہم اس کے دور میں دہلی میں نابغہء روزگار علماء و فضلاء کی اتنی بڑی جماعت اکٹھا ہو گئی تھی جو اس سے پہلے یا بعد میں کبھی دیکھی نہ گئی۔ شیخ نورالحق فرماتے ہیں:

"اہل فضل اور اہل کمال حضرات کے گروہ جتنے اس کے عہد میں جمع

ہو گئے تھے کسی عہد میں نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ آئندہ توقع ہے۔

(زبدۃ التواریخ، صفحہ: ۳۰)

ضیاء الدین برنی لکھتا ہے:

''ان علماء میں سے ہر ایک علامہ وقت تھا۔ اور اپنے فن کا ایسا امام سمجھا جاتا تھا کہ اس وقت کی اسلامی دنیا یعنی بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، اصفہان، رے اور روم میں بھی اس کا ثانی نہیں مل سکتا۔ علم کا کوئی شعبہ ہو منقولات و معقولات کا کوئی گوشہ ہو تفسیر ہو یا فقہ اور اصول فقہ، اصول دین ہو یا نحو و لغت کلام ہو یا منطق ہر فن میں کامل دستگاہ رکھنے والے یہاں موجود تھے۔ بعض علماء تو امام غزالی اور امام رازی کی علمی وجاہت اور تبحر کے مالک تھے۔ فقہ کے ایسے ایسے ماہرین موجود تھے کہ ابویوسف اور محمد شیبانی کا مرتبہ ان کو حاصل تھا۔ ایسے ایسے قراء موجود تھے جن کے مرتبہ کا کوئی خراسان اور عراق میں بھی نہ مل سکتا تھا۔ اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں سے علماء دہلی آتے تھے۔ اور ان بزرگوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا اپنے لئے باعثِ عزت و سعادت سمجھتے تھے۔ جس علمی تصنیف پر یہاں کے عالم مہر توثیق ثبت کر دیتے وہ علمی دنیا میں معتبر سمجھی جاتی تھی۔ (تاریخ فیروز شاہی، صفحہ: ۳۵۳)

سلطان علاء الدین نے حکومت و سیاست میں علماء کو داخل نہ کیا۔ اس کی وجہ ان کی بے قدری نہیں بلکہ اس کا سیاسی نقطۂ نظر تھا کہ کسی بھی طبقہ کو سیاست میں ایک طاقت کی حیثیت سے دخیل نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اس رویہ سے علماء کے اندر اخلاص اور خدمت علم کے جذبات میں اضافہ ہوا۔ اور انہوں نے علمی بساط پر اپنی استعداد و صلاحیت کے جوہر خوب دکھائے۔

علاء الدین خلجی صاحب علم نہ تھا۔ وہ واجبی حد تک ضروریات دین اور عقائد و اعمال سے واقف تھا وہ کہتا تھا:

"میں نے اگرچہ علم حاصل نہیں کیا ہے۔ اور کتاب نہیں پڑھا ہے۔ لیکن کتنی ہی پشتوں سے مسلمان ہوں۔ اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔" (تاریخ فیروز شاہی، صفحہ: ۲۹۵)

وراثتاً مذہبی معلومات کا جو سرمایہ اس تک پہنچا تھا وہ اس کے پاس محفوظ تھا۔ اور وہ اس پر مکمل اعتقاد رکھتا تھا۔

سلطان المشائخ اور سلطان علاء الدین:

عہد علائی میں ایک طرف سلطان کی بارگاہ سطوت و اقتدار کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی تو دوسری جانب غیاث پور میں حضرت شیخ المشائخ کی خانقاہ عوام و خواص، امراء و فقراء علماء و صوفیہ کی مرجع عقیدت بنی ہوئی تھی۔ صبح سے شام تک حاجتمندوں کی بھیڑ اور خواجہ کا وسیع دستر خوان روحانی تاجدار کا ایسا دربار تھا جو سلاطین کے لئے بھی قابل رشک بنا ہوا تھا۔

سلطان علاء الدین کو ابتداء میں نہ تو خواجہ سے بڑی عقیدت ہی تھی اور نہ ہی عداوت مگر حاسدوں اور مفسدوں کی ایک جماعت نے سلطان کے کان بھرنے شروع کردئے۔ انہوں نے کہا ایک عالم سلطان المشائخ کا معتقد و گرویدہ ہے۔ تمام شاہی امراء ان سے غایت درجہ ارادت رکھتے ہیں۔ سارے عوام و خواص ان کے وسیع دستر خوان سے آسودہ ہوتے ہیں۔ اگر شیخ کا اثر و نفوذ بڑھتا رہا تو مستقبل میں سلطنتِ دہلی کے لئے بڑا خطرہ ہوگا۔ اس لئے قبل از وقت ہی ان کے روحانی اثرات کا انسداد ضروری ہے۔ چونکہ ماضی میں اس قسم کے واقعات گذر چکے تھے۔ اس لئے سلطان بھی مفسدوں کے خیال سے ہم آہنگ ہوگیا۔ اس نے سوچا چونکہ امراء و داعیانِ سلطنت اور ساری عوام شیخ کی معتقد و ارادت مندہو چکی ہے۔ اس لئے ہمیں

معلوم کرنا چاہئے کہ عوام و خواص میں مقبولیت کے باوجود ان کو حکومت و سیاست سے رغبت ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس نے بڑی ہوشیاری سے ایک عریضہ تیار کیا جس میں تحریر تھا:-

"سلطان المشائخ کی ذات دنیا کی مرشد و رہنما ہے۔ جسے بھی دین و دنیا کی حاجت ہوتی ہے آپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ دنیا کی زمام کار میرے ہاتھوں میں ہے۔ لہذا میرے لئے ضروری ہے کہ سلطنت کے ہر کام اور مصلحت کے متعلق آپ سے مشورہ لوں۔ تاکہ آپ کی بارگاہ عالی سے مملکت کی خیر اور میری جان کی سلامتی کے لئے جو حکم ہو اسے بجالانے کی کوشش کروں۔ اسی میں اپنی اور سلطنت کی بھلائی پاتا ہوں۔"

پھر اپنے ولی عہد شہزادہ خضر خان کو جو شیخ المشائخ کا مرید تھا عریضہ اسے دے کر حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ خضر خاں جب حضرت کی بارگاہ میں پہنچا آپ نے وہ کاغذ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اسے پڑھے بغیر حاضرین مجلس سے فرمایا:

"ہم دعا کرتے ہیں" پھر فرمایا:

درویشوں کو بادشاہوں کے کاموں سے کیا غرض۔ میں ایک فقیر آدمی ہوں۔ جس نے شہر سے نکل کر گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ میں بادشاہوں اور مسلمانوں کے حق میں دعا کرتا رہتا ہوں۔ اگر اس سلسلہ میں بادشاہ نے پھر کبھی مجھے کچھ کہا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ خدا کی زمین وسیع ہے۔"

خضر خان نے جب حضرت کے جواب سے بادشاہ کو مطلع کیا تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امور سلطنت و سیاست سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردان خدا سے لڑا دیں۔ اور اس طرح ملک تباہ و برباد ہو جائے۔

سلطان نے آپ کے عقیدت مندوں کے سامنے اپنی جرأت کی معذرت چاہی۔

ایک موقع پر بادشاہ نے شیخ سے قدم بوسی کی اجازت چاہی تو سلطان المشائخ نے جواب دیا آپ کے آنے کی ضرورت نہیں۔ میں غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ اور غائبانہ دعاؤں میں تاثیر ہوتی ہے۔

سلطان علاء الدین نے دوبارہ ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا: "میرے مکان کے دو دروازے ہیں۔ اگر ایک دروازے سے وہ داخل ہوگا تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا۔" (سیر الاولیا، صفحہ: ۴۵۔ ۱۴۳)

فتح ورنگل:

کوشش و اشتیاق کے باوجود سلطان علاء الدین حضرت خواجہ کی بارگاہ میں اذن بازیابی نہ پاسکا۔ مگر وہ آپ کا بدستور معتقد رہا۔ چنانچہ مشکل حالات میں آپ سے دعاء کا طالب ہوتا۔ جب ملک کافور نائب السلطنت ورنگل کے محاصرہ میں مصروف تھا۔ تلنگانہ کا راستہ پر خطر ہوگیا تھا۔ چالیس دن سے زیادہ ہوگئے تھے مگر لشکر کی کوئی خبر سلطان تک نہ پہنچی۔ بادشاہ کو اس صورت حال سے کافی تشویش تھی۔ اکثر ارکانِ دولت کا خیال تھا کہ لشکر کسی حادثہ کا شکار ہوگیا۔ جس کی وجہ سے مراسلت کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایام میں ایک دن بادشاہ نے ملک قرابیک اور قاضی مغیث الدین کو سلطان المشائخ کی خدمت میں بھیجا۔ اور کہلایا کہ لشکر اسلام کی خیرت معلوم نہ ہونے سے مجھے سخت تردد ہے۔ آپ کو اسلام کا غم مجھ سے زیادہ ہے۔ اگر نور باطن سے لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن و مسرور فرمائیں۔ سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرت کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اسے محفوظ رکھیں۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے پیغام سننے کے بعد شاہی فوج کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ اور فرمایا کہ یہ فتح کیا ہے؟ ہم مزید فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں۔

یہ سن کر ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین شاداں فرحاں واپس آئے۔ اور سلطان کو جواب سے باخبر کیا۔ وہ اس جواب سے بے حد خوش ہوا۔ اسے یقین آگیا کہ ورنگل فتح ہو گیا ہے۔ اسی دن نماز عصر کے بعد ملک کافور کے قاصد ورنگل سے نوید فتح لے کر آئے۔ جمعہ کے دن منبر پر وہ فتح نامہ پڑھا گیا۔ اور خوشیاں منائی گئیں۔ اس واقعہ سے سلطان کی عقیدت وارادت میں اضافہ ہوا۔

(فیروز شاہی، صفحہ: ۳۳۳، مرآۃ الاسرار، صفحہ: ۷۹۱)

مغلوں کی شکست:

دہلی پر مغلوں نے حملہ کیا تو سلطان خود شریک جنگ ہوا۔ اور اس نے حضرت خواجہ کی خدمت میں اپنے ایلچی کے ذریعہ درخواست کی کہ یہ بڑا اہم موقع ہے۔ آپ متوجہ رہیں۔ حضرت خواجہ نے تمام اہل خانقاہ سے ارشاد فرمایا کہ متوجہ الی اللہ رہیں۔ اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کریں۔ چنانچہ سب مشغولِ دعا رہے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں فتح کی خبر آئی۔ مغلوں نے شکست فاش کھائی۔

(سیر الاولیا، صفحہ: ۱۶۰)

خواجہ مؤیدالدین:

خواجہ مؤید الدین علاء الدین کی شہزادگی کے زمانہ میں اس سے وابستہ رہے تھے۔ بعد کو دنیاوی علائق سے قطع تعلق کر کے شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں رہنے لگے۔ علاء الدین جب تخت پر بیٹھا تو شیخ المشائخ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ:

"مخدوم کرم کیجئے اور خواجہ مؤید الدین کو اپنی خدمت سے رخصت کر دیجئے، تاکہ وہ ہمارے کاموں کو سرانجام دے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۱۱)

سلطان المشائخ نے جواب دیا کہ اب خواجہ مؤید الدین نے ایک اور کام اختیار کر لیا ہے۔ اور اسی کی انجام دہی میں کوشش کر رہا ہے۔ جو شخص علاء الدین کا

پیغام لایا تھا اسے یہ جواب کچھ گراں گذرا۔ اور کہنے لگا کہ مخدوم آپ تمام لوگوں کو اپنا جیسا کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا:

"ہمچو خود چہ باشد بہتر از خود، بہتر از خود می خواہم" ترجمہ: اپنا جیسا کیا معنی اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۱۱)

علاء الدین نے جب شیخ کا یہ جواب سنا تو خواجہ مؤید الدین سے ہاتھ اٹھالیا۔

شاہی عطیہ کا لوٹانا:

محمد کاشف حاجب ایک بار پچاس ہزار دینار سلطان علاء الدین کی جانب سے بطورِ نذر لے کر آیا۔ یہ رقم اس وقت لے کر پہنچا جب سلطان المشائخ رشد و ہدایت کے سلسلہ میں کسی عقدہ کے حل کرنے کے وعدہ کا ایفاء کرنے والے تھے۔ رقم دیکھ کر فرمایا: بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں؟ مریدوں نے عرض کی۔ "ایفائے عہد بہتر از ہشت بہشت ست چہ جائے انعام پنجاہ ہزار دینار۔" (تاریخ فرشتہ، ج:۲، صفحہ: ۳۹۴)

علاء الدین کی ارادت:

علاء الدین خلجی کا ایک امیر قرہ بیگ جو حضرت شیخ المشائخ کا مرید تھا۔ اور بارگاہ عالی میں حاضری دیا کرتا تھا۔ سلطان نے اس سے کہہ دیا تھا کہ محبوب الٰہی کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے اس کو لکھ لیا کرے۔ اور آکر سنایا کرے۔ ان اشعار کو سن کر سلطان المشائخ کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک محفل میں قوال نے حکیم سنائی کی عارفانہ غزل گائی۔ اور حضرت محبوب الٰہی کو ان دو شعروں پر وجد آیا۔

بیش منما خیال جاں افروز
ور نمودی بروسپند بسوز
آں خیال تو چیست ہستی تو
و آں پسند تو چیست مستی تو

قرہ بیگ ان اشعار کو لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی کے پاس پہنچا۔ سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا۔ اور آنکھوں سے لگاتا۔ اور تعریف کرتا تھا۔ قرہ بیگ نے بادشاہ کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا اس حسن عقیدت کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی۔ تعجب ہے۔ سلطان نے کہا اے قرہ بیگ ہم بادشاہ سر سے پیر تک دنیا سے آلودہ ہیں۔ ان آلودگیوں کے ساتھ شرم آتی ہے کہ اس پاکی سے ملیں۔

لیکن اس نے اپنے جگر گوشوں خضر خاں اور شادی خاں کو محبوب الٰہی کے دامن ارادت سے وابستہ ہونے کے لئے دو لاکھ تنکوں کے ساتھ بھیجا۔ دونوں مرید ہو کر شیخ المشائخ کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ خضر خاں نے ہی خانقاہ کی عمارت بنوائی ہے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: مراۃ الاسرار، صفحہ: ۷۹۱)

سلطان قطب الدین مبارک خلجی:

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۲۶ء میں اس کا بیٹا سلطان قطب الدین مبارک خلجی ہندوستان کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ وہ یقیناً ایک عظیم فاتح، بے نظیر منتظم اور صاحبِ سیاست حکمراں کا فرزند تھا۔ اس کو باپ کی حکومت تو میراث میں ملی۔ مگر اس کی خصوصیات جہانبانی سے وہ یکسر خالی تھا۔

ایام شہزادگی میں شاید اس کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام نہ ہو سکا۔ اس لئے وہ علم سے بے بہرہ اور مصالح ملکی سے کورا تھا۔ وہ دنیا کے سرد و گرم سے ناآشنا اور حکومت و سیاست کے نشیب و فراز سے ناواقف تھا۔ فکر و نظر کی بلندی اور حوصلہ و ہمت کے جوہر سے بھی وہ محروم تھا۔ جو ذہنی تربیت کا حقیقی فیضان تھا۔ چنانچہ تخت شاہی پر بیٹھتے ہی اس نے عیش و عشرت کے دروازے کھول دیئے۔ اور ملکی خزانہ کو رامش و رنگ، مستی و مسرت و شادمانی کے لئے بے دریغ دولت صرف کرنے لگا۔ اس نے اپنے پورے دور حکومت میں شراب پینے، گانا سننے، داد عیش دینے، انعام و اکرام اور ہوا پرستی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا۔ شاید وہ اپنی کمزوریوں کو

عیش و طرب کی گرم بازاری میں چھپانا چاہتا تھا۔ قطب الدین کی غفلت شعاری سے احکام الٰہی مٹنے لگے۔ شاہی رعب دلوں سے نکل گیا۔ فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا، غلہ کا نرخ بڑھ گیا۔ رشوت کے دروازے کھل گئے۔ عہد علائی کے تمام ضابطے منسوخ ہو گئے۔ رذائل نے فضائل پر غلبہ پالیا۔ عوام نے دائرہ اطاعت سے قدم باہر نکالے۔ فرائض کی ادائیگی میں خلل واقع ہونے لگا۔ امراء کا اقتدار بڑھ گیا۔ سلطان کا جاہ و حشم ختم ہو گیا۔

شیخ المشائخ اور سلطان قطب الدین مبارک:

ہر ظالم اور کمزور بادشاہ کی طرح قطب الدین مبارک خلجی کو بھی انقلاب حکومت کا ہمیشہ خوف رہتا۔ چونکہ اس نے شہزادہ خضر خاں اور شادی خاں (جو حضرت شیخ المشائخ کے مرید تھے) قید کر کے سلطنت حاصل کی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت نظام الدین اولیاء امراء و وزراء اور عوام و خواص کو اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے آمادہ نہ کریں۔ یہ سلطان کا بے بنیاد وہم تھا۔ جس نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔ جب کہ شیخ المشائخ کو سیاسی معاملات سے کبھی کوئی دلچسپی نہ رہی۔ اور نہ ہی وہ تخت و تاج کے معاملہ میں مداخلت کا ارادہ رکھتے تھے۔ بہر حال اپنے گمان فاسد کی بناء پر سلطان حضرت کا بدترین دشمن بن گیا۔ سر دربار آپ کی اہانت و تحقیر کرتا۔ مگر حضرت اس کا کوئی جواب نہ دیتے۔

ابتداء میں سلطان نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ آپکا رہنا میری سلطنت کے لئے خطرہ کا سبب ہے۔ حضرت نے جواب دیا ''میں ایک گوشہ میں رہتا ہوں۔ سلطنت کے کسی کام میں دخل نہیں دیتا۔ میری جانب سے تم کو مطمئن رہنا چاہئے۔'' اس جواب سے بھی اس کی بدگمانی دور نہ ہوئی۔ (ہردیو کی ڈائری بحوالہ انوار الاولیاء، صفحہ: ۲۸۸)

جب وہ دکن کے مہم سے واپس آیا تو اس نے انتہائی جابرانہ انداز میں ان

تمام لوگوں کو قتل کرادیا جن پر ذرا بھی مخالفت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ خضر خاں اور شادی خاں کے قتل کے بعد شیخ کے خلاف بھی کارروائی کا خیال اس کے دل میں پیدا ہوا۔ لیکن شیخ کے خلاف کوئی قدم اٹھانا کوئی آسان نہ تھا۔ ان کی خانقاہ جس کی بنیادیں انسانی دلوں پر قائم تھیں اس کے تمام قلعوں سے زیادہ مستحکم تھیں۔ چنانچہ سلطان نے براہ راست کوئی کاروائی کرنے کے بجائے عوام کو ان سے بد ظن کرنے کی کوشش کی۔ شیخ جام جو حضرت کا دشمن تھا۔ سلطان نے اس کی نصرت و حمایت شروع کی۔ تاکہ لوگ حضرت شیخ المشائخ سے برگشتہ ہو کر شیخ جام کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور حضرت کی طرف خلائق کا رجحان بڑھتا ہی چلا گیا۔

پھر سلطان نے شیخ کے روحانی اقتدار کو ختم کرنے کے لئے ایک عظیم خانقاہ قائم کرنے کا ارادہ کیا جسکی صدر نشینی کے لئے اس کی نگاہ خانوادہ سہروردیہ کے سربراہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی پر پڑی۔ چنانچہ اس نے شیخ کو دہلی آنے کی دعوت دی۔

شیخ رکن الدین ملتانی:

شیخ رکن الدین جب دہلی آئے تو شیخ المشائخ نے حوض علائی پر جاکر ان سے ملاقات کی۔ شیخ جب قطب الدین مبارک شاہ کے پاس گئے۔ تو اس نے دریافت کیا دہلی میں سب سے پہلے آپ کا استقبال کس نے کیا؟ آپ نے جواب دیا۔

"کسیکہ بہترین اہل شہر ست" جو شہر والوں میں سب سے اچھا ہے۔

سلطان سمجھ گیا کہ یہ اشارہ کس ہستی کی جانب ہے۔ اسے اپنے منصوبہ کے بارے میں شیخ سے درخواست کی ہمت نہ ہوئی۔ اور شیخ کے تعلقات حضرت نظام الدین اولیاء سے بڑے خوشگوار رہے۔

محبوب الٰہی اور شیخ رکن الدین کے تعلقات:

بادشاہ نے حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کو اس لئے بلایا تھا کہ دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاء کے مقابل ایک عظیم خانقاہ قائم کی جائے۔ جس کی سرپرستی

سلطان خود کرے۔ جوں جوں لوگوں کا التفات شیخ رکن الدین کی طرف ہوگا۔ شیخ نظام الدین کی مقبولیت گھٹتی جائے گی۔ اور ان کی خانقاہ کی مرکزیت ختم ہو جائے گی۔ مگر شیخ رکن الدین شیخ المشائخ سے عقیدت و محبت کے ساتھ ملتے رہے۔ اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے رہے۔

☆ایک بار شیخ رکن الدین کیلو کھڑی کی جامع مسجد میں جہاں حضرت شیخ المشائخ نماز جمعہ ادا فرماتے تھے جمعہ کے لئے تشریف لائے۔ جمعہ کی نماز ختم ہوئی تو حضرت محبوب الٰہی وسیع صحن طے کر کے شیخ رکن الدین کے پاس پہنچے۔ جو اس وقت مصروف نماز تھے۔ آپ ان کے پیچھے بیٹھ گئے۔ جب شیخ رکن الدین نماز پڑھ چکے تو دونوں بزرگوں نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا۔ پھر شیخ رکن الدین محبوب الٰہی کا دست مبارک پکڑے ہوئے اس جگہ آئے۔ جہاں محبوب الٰہی پہلے سے بیٹھے تھے۔ جب دونوں بزرگ مسجد سے روانہ ہونے لگے تو دونوں نے اصرار کیا کہ وہ اپنے ڈولے پر جلوہ فرما ہوں۔ بالآخر حضرت محبوب الٰہی کا اصرار غالب رہا۔ اور شیخ رکن الدین پہلے اپنے ڈولے پر سوار ہوئے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۴۶)

☆ایک مرتبہ شیخ رکن الدین حضرت خواجہ نظام الدین کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ میں تشریف لائے۔ حضرت نے اپنے حجرۂ خاص سے اتر کر پرجوش استقبال کیا۔ شیخ کے پاؤں میں تکلیف تھی۔ جب ڈولے سے اترنا چاہا تو حضرت نے روک دیا۔ اور دوسرے درویشوں کے ساتھ پالکی کے قریب زمین پر بیٹھ گئے۔ اس قران السعدین کے وقت شیخ رکن الدین کے برادر روحانی مولانا عماد الدین نے کہا آج ان مشائخ کے وجود سے متبرک مجلس گرم ہوئی ہے۔ ان کے دل میں علمی نکات حل کرنے کا خیال بیدار ہوا۔ اجازت لے کر دریافت کیا:

"حضور ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ اس میں حکمت کیا تھی؟"

شیخ رکن الدین نے سلطان المشائخ کی طرف رخ کیا۔ اور جواب کے لئے

التماس کیا۔ مگر سلطان المشائخ نے کہا۔ آپ بیان فرمائیے۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا۔ حضور ﷺ کو جو درجات اور کمالات نبوت تفویض ہوئے تھے۔ وہ حضور پاک کو مدینہ لے جانے کا باعث بنے تاکہ اصحاب صفہ کو جو مدینہ میں تھے ان کمالات سے فیض یاب کریں۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا: میرے دل میں ایک بات آرہی ہے۔ اگرچہ میں نے اسے کسی کتاب میں نہیں پڑھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور پاک کی دعوت اسلام اور ارشادات وہاں جانے کا باعث تھے۔ اہل مکہ تو آپ کی دعوت سے مستفیض ہوئے مگر وہ ناقص تھے۔ جو لوگ مدینہ میں تھے وہ حضور کی خدمت میں مکہ نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے سرکار دو عالم ﷺ کو حکم ہوا کہ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائیں تاکہ آپ کے کمالات سے وہ ناقص بھی فیض یاب ہو سکیں۔

دونوں بزرگوں کے جوابات ایک دوسرے کی تواضع کے لئے تھے۔ شیخ رکن الدین کا مقصد یہ تھا کہ ہمارا یہاں آنا طلبِ کمال اور استفادہ کے لئے ہے۔ اور شیخ نظام الدین کی غرض یہ تھی کہ آپ کا آنا تکمیل وافادہ کے لئے ہے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۴۶-۱۴۸، اخبار الاخیار، صفحہ: ۱۱۰-۱۱۱)

دستر خوان بچھایا گیا تو انگوری سرکہ کا کوزہ دور تھا۔ شیخ رکن الدین نے کوزہ کو اپنی طرف لانے کا اشارہ کیا۔ اس پر سلطان المشائخ نے فرمایا۔ یہ دہلی کا ہے۔ شیخ رکن الدین نے کہا۔ اسی لئے ترش بھی ہے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا۔ اسی لئے عزیز بھی ہے۔

کھانے سے فراغت کے بعد اقبال خادم نے چند بیش قیمت ریشمی پارچے اور ایک سفید باریک کپڑے میں ایک سو دینار بندھے ہوئے جن کی جھلک صاف ظاہر تھی شیخ رکن الدین کی خدمت میں پیش کیا۔ جب ان کی نظر سنہری سکوں والی پوٹلی پر پڑی تو فرمایا کہ استر ذھبک اپنے سونے کو چھپاؤ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا: استر ذھبک و ذھابک و مذھبک اپنے زر کو، اپنے جانے کو، اور جہاں جارہے ہو

سب کو چھپاؤ۔ شیخ رکن الدین نے نذرانہ قبول کرنے میں تامل کیا تو حضرت نے نذرانہ شیخ عماد الدین اسماعیل کے حوالہ کر دیا۔

شیخ کریم الدین بیانہ نے ان الفاظ کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں:

"شیخ رکن الدین نے فرمایا زر کو چھپاؤ اس کا معنی ظاہر ہے۔ مگر سلطان المشائخ نے جن دو لفظوں کا اضافہ فرمایا یعنی اپنی راہ اور منزل مقصود کو بھی چھپاؤ۔ مراد یہ ہے کہ راہ سلوک چھپانا بھی فرض ہے۔ تاکہ یہ دینی معاملہ عام خلقت کی نظروں میں نہ آجائے۔ کیونکہ خلقت کی نگاہ آفت ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو مقام محبت سے مقام محبوبیت تک پہنچاتا ہے۔ لہذا حبیب و محبوب کے معاملہ کا کسی کو علم نہ ہونا چاہئے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۵۰۔۱۴۶، اخبار الاخیار، صفحہ: ۱۱۱)

دونوں بزرگ غائبانہ طور پر بھی ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الٰہی سے کہا کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں تو ہر بار مجھ کو کچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں۔ لیکن میں شیخ رکن الدین کے پاس کئی بار گیا۔ انہوں نے مجھ کو کوئی چیز نہیں کھلائی۔ حضرت محبوب الٰہی نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ من زار حیا و لم یذق منه شیأ فکانما. جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے زار میتاً تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی۔

خراسانی عالم نے پوچھا۔ کیا شیخ رکن الدین تک یہ حدیث نہیں پہنچی؟ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا۔ شیخ رکن الدین عمل معنوی کرتے ہیں۔ اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں۔ خراسانی عالم نے کسی موقع پر حضرت شیخ رکن الدین سے یہ عرض کیا کہ شیخ نظام الدین کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین ذوق روحانی دیتے ہیں۔ اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا۔ برادرم نظام الدین نے تواضع کی۔ ان میں دونوں وصف ہیں۔ وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں۔ اور ذوق

جسمانی بھی۔ (بزم صوفیہ: ۳۱۰)

حضرت محبوب الٰہی سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت و عقیدت کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہہ الدین عثمانی سیاح سنامی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام اور حضرت محبوب الٰہی سے استفادہ کا حکم دیا۔

جامع میری:

قطب الدین مبارک شاہ نے دہلی میں ایک جامع مسجد "جامع میری" کے نام سے تعمیر کرائی۔ اور تمام علماء و مشائخ شہر کے لئے حکم تھا کہ اسی میں آکر جمعہ کی نماز ادا کریں۔ سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے قریب ایک مسجد ہے۔ اس کا حق زیادہ ہے۔ ہم وہیں نماز پڑھیں گے۔ اور وہ جامع میری نہیں گئے۔ جس سے بادشاہ کی عداوت میں مزید اضافہ ہوا۔

ایک بار سلطان نے شیخ المشائخ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان سے دہلی آکر مجھ سے ملتے ہیں۔ لیکن آپ دہلی میں ہوتے ہوئے بھی کبھی دربار میں حاضر نہیں ہوتے۔ آپ ہر ہفتہ شاہی محل میں آیا کیجئے۔ شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ:

> "میں گوشہ نشین انسان ہوں، کہیں آتا جاتا نہیں، علاوہ ازیں میرے پیشرو بزرگوں کی یہ روش نہ تھی کہ دربار میں حاضر ہوں۔ اور بادشاہوں کی مصاحبت اختیار کریں۔ مجھے اس چیز سے معاف رکھنا چاہئے۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۱۷۵)

قطب الدین مبارک کی بیماری:

عیش کوشی اور غیر فطری عمل کی وجہ سے سلطان کے اندر متعدد مذموم بیماریاں پیدا ہو گئیں۔ جس کی وجہ سے اس کا پیشاب بند ہو گیا۔ اور وہ تین شبانہ روز

ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ بادشاہ کی ماں نے کہا۔ یہ حضرت سلطان المشائخ کی بددعا کا اثر ہے۔ تم ان سے معافی مانگو۔ بادشاہ نے کہا میں فقیروں پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ یہ دوکاندار ہیں۔ میرے مرض کو ان کی بددعا سے کوئی تعلق نہیں۔ بادشاہ کی ماں خود حضرت کی خدمت میں آئی۔ اور عرض کیا حضور بادشاہ نوجوان نادان ہے۔ اس کی شوخیوں کا اثر نہ لیں۔ اس کے حق میں دعائے صحت فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا میں اس کی خطا اس شرط پر معاف کرونگا کہ وہ اپنی حکومت مجھے دے دے۔ جو اس کی خطاکاری کا سبب ہے۔ مادر سلطان نے تمام باتیں بادشاہ سے بیان کیں۔ اس نے کہا مجھے ایسی تکلیف ہے جس کے سامنے بادشاہت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ تم حضرت کے پاس جاکر کہو میں نے اپنی حکومت ان کو بخش دی۔ صحت کے لئے دعاء فرمائیں۔

بادشاہ کی ماں نے اس کی درخواست حضرت کے سامنے پیش کی حضرت نے فرمایا۔ بادشاہ تفویض سلطنت کی تحریر دے۔ جس پر اس کی مہر ثبت ہو۔ اور تمام امراء کے دستخط ہوں۔ تب میں اس کے لئے دعا کروں گا۔ بادشاہ کی ماں نے کہا۔ حضور تو تارک الدنیا ہیں بادشاہت کیا کریں گے۔ حضرت نے جواب دیا۔ "میں تارک الدنیا بھی ہوں۔ اور دنیا کا غلط استعمال کرنے والوں سے دنیا ترک کرانے والا بھی ہوں، صرف اسی شرط پر دعا کروں گا۔ بادشاہ کی ماں نے اس سے واقعہ بیان کیا۔ اس نے وزیروں اور امیروں کو بلاکر فرمان تیار کرایا۔ جسے بادشاہ کی ماں حضرت کے پاس لائی۔ آپ نے اس کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اور کہا یہ فرمان بادشاہ کو دیدو۔ اور کہو اسے امیروں کے سامنے چاک کردے۔ فوراً پیشاب آجائے گا۔ بادشاہ نے فرمان چاک کیا۔ اور فوراً پیشاب اتر آیا۔

مادر شاہ نے کہا بیٹے اب تو معلوم ہوگیا کہ حضرت سلطان المشائخ کتنے بڑے بزرگ ہیں۔ اور بادشاہی سے کیسے بے پرواہ ہیں۔ ان کی خدمت میں جاکر اپنی تقصیر کی معافی چاہو۔ اور صحت کا شکرانہ ادا کرو۔ بادشاہ نے کہا۔ تم امور سلطنت کو

سمجھنے سے قاصر ہو۔ وہ شخص پکا دو کاندار ہے۔ بظاہر مکمل فرمان اس کے کام کا نہ تھا۔
میں مانتا ہوں مجھے پیشاب آگیا۔ مگر اس میں اس کی دعاء کا کوئی دخل نہیں بلکہ
دواؤں کی تاثیر سے مجھے پیشاب آیا۔

مادر شاہ نے کہا بیٹا خلجی خاندان کی تو ہی ایک نشانی ہے۔ امراء دربار اور
لشکری حضرت کے معتقد و مرید ہیں۔ تیری گستاخیوں سے وہ سب تیرے دشمن
ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ میرا بھروسہ اس تلوار
اور قوت بازو پر ہے۔ میں نے اپنی حکومت کا راستہ اسی تلوار سے صاف کیا ہے۔ اور
اب یہ ایک کانٹا باقی رہ گیا ہے۔ اس کو بھی میری تلوار بہت جلد صاف کر دے گی۔
(ہر دیو کی ڈائری بحوالہ انوار الاولیاء، صفحہ :۲۸۸)

سلطان کا خط:

بادشاہ نے حضرت کی مخالفت میں شیخ ضیاء الدین رومی علیہ الرحمۃ سے
بیعت کرلی۔ اور روزانہ حضرت شیخ المشائخ کے خلاف مشورے کرتا کہ حضرت کو
دہلی سے جلاوطن کر دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک قاصد کے ذریعہ حضرت کے
پاس ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا۔

"سلطان کو معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونی کے اصطبل میں
گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں، حالانکہ وہ تارک الدنیا ہونے کا
دعویٰ کرتے ہیں۔ لہذا اس کا معقول جواب دیں۔ ورنہ اپنے اس دنیاوی کروفر کو
لے کر دہلی سے باہر چلے جائیں۔"

تحریر سننے کے بعد حضرت نے قلمدان طلب کیا اور سید محمد امام سے کہا
اس خط کی پیشانی پر لکھدو۔

کجا انداختم در دل
مگر انداختم در گل

ترجمہ: میں نے اپنے دل میں سونے کی میخ نہیں گاڑی، بلکہ مٹی میں گاڑی ہے۔) اور قاصد کے حوالہ کر دو۔ جہاں سے وہ لایا ہے وہاں لے جائے۔ چنانچہ حکم کی تکمیل کر دی گئی۔ اس کے بعد مجلس پر خاموشی چھا گئی۔ پھر حضرت نے فرمایا: ع

مگر انداختم در گل

اور تین بار اس کی تکرار فرمائی۔ (ایضاً، صفحہ: ۲۹۰)

شیخ ضیاء الدین رومی کا وصال:

ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے:

"سلطان نے کھلم کھلا شیخ کی مخالفت شروع کر دی۔ اور ان کے متعلق نہ صرف ناشائستہ الفاظ ہی الفاظ استعمال کرنے لگا۔ بلکہ یہ اعلان کرا دیا کہ جو کوئی بھی نظام الدین کا سر لائے گا اسکو ہزار تنکہ انعام دونگا۔"

(تاریخ فیروز شاہی، صفحہ: ۳۹۶)

سلطان کی ان حرکتوں سے شیخ المشائخ کو بے حد ملال ہوا۔ اور انہوں نے خواجہ حسن سنجری کو سلطان کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا:

"سلطان کو درویشوں کو رنج پہنچانے سے باز رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اس کی خیریت دارین اس طبقہ کی کم آزاری میں ہے۔ ہر خانوادہ کی ایک مخصوص روش اور طریقہ ہے۔ سلاطین ماضیہ میں سے کبھی کوئی بادشاہ کسی فقیر کے درپے نہ ہوا تھا۔ سلطان کو منع کیجئے کہ وہ درویشوں کا مزاحم نہ ہو۔" (سیر العارفین، صفحہ: ۷۶)

خواجہ حسن جب شیخ ضیاء الدین کے مکان پر پہنچے تو اِن کو بستر علالت پر ایسی حالت میں پایا کہ ان تک پیغام پہنچانا ممکن نہ تھا۔ تین روز کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سمجھنے سے قاصر ہو۔ وہ شخص پکا دوکاندار ہے۔ بظاہر مکمل فرمان اس کے کام کا نہ تھا۔ میں مانتا ہوں مجھے پیشاب آ گیا۔ مگر اس میں اس کی دعاء کا کوئی دخل نہیں بلکہ دواؤں کی تاثیر سے مجھے پیشاب آیا۔

مادر شاہ نے کہا بیٹا خلجی خاندان کی تو ہی ایک نشانی ہے۔ امراء دربار اور لشکری حضرت کے معتقد و مرید ہیں۔ تیری گستاخیوں سے وہ سب تیرے دشمن ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ میرا بھروسہ اس تلوار اور قوت بازو پر ہے۔ میں نے اپنی حکومت کا راستہ اسی تلوار سے صاف کیا ہے۔ اور اب یہ ایک کانٹا باقی رہ گیا ہے۔ اس کو بھی میری تلوار بہت جلد صاف کر دے گی۔

(ہر دیو کی ڈائری بحوالہ انوار الاولیاء، صفحہ: ۲۸۸)

سلطان کا خط:

بادشاہ نے حضرت کی مخالفت میں شیخ ضیاء الدین رومی علیہ الرحمۃ سے بیعت کر لی۔ اور روزانہ حضرت شیخ المشائخ کے خلاف مشورے کرتا تاکہ حضرت کو دہلی سے جلاوطن کر دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک قاصد کے ذریعہ حضرت کے پاس ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا۔

"سلطان کو معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونی کے اصطبل میں گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں، حالانکہ وہ تارک الدنیا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لہذا اس کا معقول جواب دیں۔ ورنہ اپنے اس دنیاوی کروفر کو لے کر دہلی سے باہر چلے جائیں۔"

تحریر سننے کے بعد حضرت نے قلمدان طلب کیا اور سید محمد امام سے کہا اس خط کی پیشانی پر لکھدو۔

کجا انداختم در دل

مگر انداختم در گل

ترجمہ: میں نے اپنے دل میں سونے کی میخ نہیں گاڑی، بلکہ مٹی میں گاڑی ہے۔) اور قاصد کے حوالہ کردو۔ جہاں سے وہ لایا ہے وہاں لے جائے۔ چنانچہ حکم کی تکمیل کردی گئی۔ اس کے بعد مجلس پر خاموشی چھاگئی۔ پھر حضرت نے فرمایا: ع

مگر اندا ختم در گل

اور تین بار اس کی تکرار فرمائی۔ (ایضاً، صفحہ: ۲۹۰)

شیخ ضیاء الدین رومی کا وصال:

ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے:

"سلطان نے کھلم کھلا شیخ کی مخالفت شروع کردی۔ اوان کے متعلق نہ صرف ناشائستہ الفاظ ہی الفاظ استعمال کرنے لگا۔ بلکہ یہ اعلان کرادیا کہ جو کوئی بھی نظام الدین کا سر لائے گا اسکو ہزار تنکہ انعام دونگا۔"

(تاریخ فیروز شاہی، صفحہ: ۳۹۶)

سلطان کی ان حرکتوں سے شیخ المشائخ کو بے حد ملال ہوا۔ اور انہوں نے خواجہ حسن سنجری کو سلطان کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا:

"سلطان کو درویشوں کو رنج پہنچانے سے باز رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کی خیریت دارین اس طبقہ کی کم آزاری میں ہے۔ ہر خانوادہ کی ایک مخصوص روش اور طریقہ ہے۔ سلاطین ماضیہ میں سے کبھی کوئی بادشاہ کسی فقیر کے درپے نہ ہوا تھا۔ سلطان کو منع کیجئے کہ وہ درویشوں کا مزاحم نہ ہو۔" (سیر العارفین، صفحہ: ۷۶)

خواجہ حسن جب شیخ ضیاء الدین کے مکان پر پہنچے تو ان کو بستر علالت پر ایسی حالت میں پایا کہ ان تک پیغام پہنچانا ممکن نہ تھا۔ تین روز کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔

سوئم کے موقع پر شیخ ضیاء الدین کی خانقاہ میں حضرت شیخ المشائخ اور بادشا
کا اتفاقاً سامنا ہو گیا شیخ نے سلطان کو سلام کیا۔ لیکن اس نے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس
کے برعکس بادشاہ کی موجودگی میں تمام حاضرین نے حضرت کا کافی احترام کیا۔ اور
قدم بوس ہوئے۔ تو اس کی آتش حسد اور تیز ہو گئی۔

نوچندی کی حاضری کا فرمان:

شیخ کے حاسدوں نے دربار شاہی میں کہا۔ سلطان المشائخ آپ کے حکم پ
مسجد میری میں جمعہ کی نماز کے لئے کبھی نہ آئے۔ اور نئے چاند کی مبارکبادی کے
لئے بھی دربار میں نہیں آتے۔ ایک غلام کو بھیج دیا کرتے ہیں۔ جو سلطان کی تحقیر
و تذلیل کے مرادف ہے۔

سلطان نے شاہی غرور حکمرانی کی نخوت اور جہانبانی کے نشہ میں کہا۔
اگر شیخ آئندہ ماہ نوچندی کی مبارکباد کے لئے دربار میں نہیں آئے تو ہم
ان کو جیسے بھی ہو گا بلوائیں گے۔

جب حضرت کو بادشاہ کے اس ارادے کی خبر دی گئی تو آپ نے کچھ نہ
فرمایا۔ بلکہ انتہائی خاموشی کے ساتھ اپنی والدہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اور ان
کی روح سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر اگلے مہینہ کی پہلی تاریخ تک بادشاہ کا کام تمام
نہیں ہوا تو میں آپ کے مزار کی زیارت کو نہیں آؤں گا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ:۱۶۰)

سلطان کا قتل:

بی بی زلیخا کے مزار سے واپس آکر شیخ اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ لیکن
آپ کے احباب اور دوسرے مشائخ کو بڑی تشویش تھی۔ سید قطب الدین غزنوی،
شیخ وحید الدین قندوزی، مولانا برہان الدین بزدوی، شیخ عماد الدین طوسی وغیرہ
بادشاہ کا محضر لے کر شیخ المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ بادشاہ جوان
اور ناعاقبت اندیش ہے۔ آپ بزرگ ہیں۔ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ نوچندی کو

بادشاہ کے دربار میں چلیں۔ شیخ نے ذرا تامل کے بعد فرمایا۔ "انشاء اللہ دیکھئے گا کیا ظہور میں آتا ہے۔" اس جواب سے لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ شیخ دربار میں حاضری کے لئے آمادہ ہوگئے ہیں۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو خوشی ہوئی کہ بالآخر شیخ نے اس کے حکم کے آگے سر جھکا ہی دیا۔

اسی شب خواجہ وحید قریشی، عزیز الدین علی شاہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور صورت حال کے بارے میں پوچھا۔ تو شیخ نے کہا میں ہرگز دربا میں نہ جاؤں گا۔ اور اپنے بزرگوں کی روش کے خلاف کوئی کام نہ کروں گا۔ دونوں اس جواب سے متحیر ہوئے۔ دربار میں عام خیال یہی تھا کہ شیخ خود تشریف لائیں گے۔ لیکن وہ اپنی بات پر قائم تھے۔ دونوں بزرگوں نے شیخ سے عرض کیا اس نازک مرحلہ میں بابا فرید کی روح سے رجوع کریں۔ تاکہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ختم ہو جائے۔ شیخ نے جواب دیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اس حقیر معاملہ میں ان کی طرف رجوع کروں۔ مجھے بہت سے دینی کام درپیش ہیں۔ (اتنی فرصت کہاں کہ) یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھوں۔ لیکن تم لوگ یقین رکھو کہ سلطان قطب الدین کسی طرح مجھ پر کامیابی حاصل نہ کر سکے گا۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا کہ قبلہ رخ بیٹھا ہوا ہوں۔ اور ایک تیز سینگوں والی گائے میری طرف حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہی ہے۔ میں اٹھا اور اس کی دونوں سینگیں پکڑ کر اسے زمین پر پٹک دیا۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۷۷)

جس رات چاند نظر آنے والا تھا اس دن ظہر کے وقت خواجہ اقبال نے شیخ المشائخ سے عرض کیا کہ اگر آپ بادشاہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے جائیں گے تو سواری کا انتظام کیا جائے۔ شیخ نے فرمایا: ابھی خاموش رہو۔ دوسرے کام دیکھو۔" (ایضاً صفحہ: ۷۸)

ہردیو مسمی احمد لیاز کا بیان ہے۔

شام کے وقت اقبال خادم حاضر ہوا۔ عرض کی حضور پالکی تیار ہے۔
حضرت نے فرمایا واپس لے جاؤ۔ اقبال نے عرض کی۔ ہم سب کی جانوں
پر رحم کیجئے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ اگر وہ خوشی سے نہ آئے تو تلوار کے زور
سے بلاؤ۔ آپ کے سیکڑوں غلام خانقاہ کے باہر ہتھیار لئے جمع ہیں۔ اگر
سلطان کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی تو وہ اپنے سر قربان کر دیں گے۔
حضرت نے فرمایا۔ ان سے کہدو کہ وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔
میرا بچانے والا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ (انوار اولیاء، صفحہ: ۲۹۲)

شام کو چاند نظر آیا۔ خدام اور عقیدت مند مغموم و متفکر تھے۔ مگر شیخ بڑے سکون واطمینان کے ساتھ اپنے معمولات انجام دے رہے تھے۔

رات آئی۔ اور بداندیش سلطان پر بلائے آسمانی کا نزول ہوا۔ اس کے معتمد خاص خسرو خاں نے بغاوت کی اور سلطان کا سر کاٹ کر محل سے نیچے پھینک دیا۔ خلقت نے سر پر غرور کا عبرت ناک انجام دیکھا۔

سلطان کا قتل در حقیقت حضرت شیخ المشائخ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ شیخ کا مبارک سر تو سلطان کے روبرو جھکنے سے محفوظ رہا۔ مگر اس کا سر قصر ہزار ستون کے باہر ضرور خاک بوس ہو گیا۔

سلطان غیاث الدین تغلق:

قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کرنے کے بعد خسرو خاں تخت دہلی پر غاصبانہ طور سے قابض ہوا۔ خسرو خاں ''آبو'' (گجرات) کی ایک ادنیٰ ہندو قوم ''پروار'' کا خوبصورت نوجوان تھا۔ علاء الدین خلجی کے عہد میں عین الملک ماہرو اسے قید کر کے مالوہ سے لایا تھا۔ جسے قطب الدین کے زمانہ میں بڑا رسوخ حاصل ہوا۔ اور وہ بادشاہ کا مقرب خاص اور امور سلطنت میں دخیل ہو گیا۔ مگر اس کی کافرانہ اصلیت رنگ لائی اور اس نے اپنے محسن کو قتل کر کے اس کے پورے

خاندان کو تہ تیغ کرڈالا۔ بیگماتِ شاہی کوذلیل ورسوا کیا۔ تختِ سلطنت پر بیٹھنے کے بعد اس نے ہندؤں کو کھلی چھوٹ دیدی۔ جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی برسر عام تذلیل و تحقیر شروع کردی۔اس کا حال ضیاء الدین برنی لکھتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دہلی پھر ہندوانہ ہو جائے گی۔اور مسلمانی وہاں سے ختم ہو جائے گی۔ ہندو اعلانیہ مسلمان عورتوں اور کنیزوں کو اپنے تصرف میں لاتے۔اور انہوں نے مصاحف کو کرسی بنالیا۔اور محرابوں میں بت رکھ کران کی پرستش کرنے لگے۔(تاریخ فیروز شاہی، صفحہ:۴۱)

نظام الدین احمد بخش لکھتا ہے:

"چونکہ اکثر برادران ہندو کے تھے۔اس لئے مسلمانوں کا شعار زوال پذیر ہونے لگا۔اور ہندوؤں کی رسمیں جاری ہو گئیں۔بت پرستی کی جانے لگی۔اور مسجدوں کی تباہی ہونے لگی۔(طبقات اکبری،ج:ا، صفحہ:۱۸۷)

اقتدار حاصل کرنے کے بعد خسرو خاں کے ارتداد کا کوئی تذکرہ تو نہیں ملتا مگر اتنا ضرور ہے کہ اس کی ہندو قوم "پروار" نے عسکری تنظیم کر کے حکومت کی مشینری پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اور اپنے ہم قوم بادشاہ کے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی غارت گری، آبروریزی اور اسلامی شعار کی پامالی خوب جی کھول کر کی۔جسے خسرو خاں مقلب بہ ناصر الدین خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا۔

بہر حال جو بھی اسلام اور اہل اسلام کے توہین و تذلیل کے اجتماعی عمل سے قدیم امراء اور اعیانِ سلطنت سخت پریشان تھے۔اور وہ انقلاب حکومت کی فکر میں لگے رہے۔ان میں غازی ملک نے سب سے مؤثر قدم اٹھایا۔اور خسرو خاں کے خلاف علم بلند کیا۔اس کی تحریک کے تین بنیادی مقاصد تھے:

(۱)اسلام کو گرد کفر سے پاک کرنا۔

(۲)ہندوزادہ خسرو خاں کو تاج و تخت دہلی سے بے دخیل کرنا۔

(۳) شاہی خاندان کو مٹانے والوں سے انتقام لینا۔

اس نے اس بات پر زور دیا کہ اس کی فوجی تحریک کا بنیادی مقصد قطع کفر و کفران ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عوام و خواص میں اس کی تحریک کے ساتھ خاص ہمدردی پید ہو گئی۔ لیکن دارالسلطنت دہلی پر حملہ کرنا اور خسرو خاں کی شاہی فوج سے نبرد آزما ہو آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ وہ جنگ کی مہم کی تیاریوں کے ساتھ پوری پوری رات بارگا قاضی الحاجات میں رو رو کر اپنی کامیابی اور ناموس اسلام کے تحفظ کے لئے دعائیں کرتا رہتا۔ بالآخر اسے خسرو خاں پر کامیابی حاصل ہوئی۔ فتح کے بعد اس نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور شہر دہلی میں داخل ہوا تو شاہی محل کے قریب پہنچ کر اس نے دوبارہ سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور قصر ہزار ستون میں تمام امراء و عمائد کو اپنے ساتھ بٹھا کر یہ تقریر کی:

> "میں ایک معمولی آدمی تھا۔ سلطان جلال الدین نے اپنی عنایت سے مجھے مقرب بنایا۔ پھر علاء الدین کی مہربانی سے مجھے یہ مرتبہ ملا۔ مجھ پر اس بادشاہ کے بہت حقوق تھے۔ جب میں نے سنا کہ کافر نعمت خسرو خاں نے اس کی نسل کو مٹا دیا اور طرح طرح کے مظالم اس کی بیویوں اور بچوں پر ڈھائے تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ میں تخت شاہی کا جویاں نہیں ہوں۔ میں نے دین کی خاطر اور کافر نعمت کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے جنگ کی تھی۔ اب اگر نسل شاہی میں سے کوئی شخص بھی زندہ ہے تو یہ تخت سلطنت اس کے نام لکھا جائے۔ اور اگر ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا ہے تو یہاں اور بہت سے بڑے بڑے امیر موجود ہیں مجھے اپنا گھوڑا اور دیبال پور کا ویرانہ سب سے زیادہ پسند ہے۔"

(تغلق نامہ، صفحہ: ۱۴۱)

امراء و ملوک نے بادشاہ کے قدم چومے۔ اور کہا تاج شاہی آپ ہی کا حق ہے۔ ابتداء میں اس نے غور کیا۔ اعیان و امراء کے پیہم اصرار پر تاج و تخت قبول

کرلیا۔ اسے غیاث الدین کا لقب دیا گیا۔

سریر آراست ماہ و آفتابش
غیاث دین و دنیا شد خطا بش

غیاث الدین تغلق کی زندگی کا اکثر حصہ میدانِ کارزار میں داد شجاعت دیتے ہوئے گزرا تھا۔ مگر اس کے اندر ایک اعلیٰ منصرم سلطنت کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ وہ رعایا پرور اور اعتدال پسند حکمراں کی حیثیت سے کافی مشہور ہوا۔ ذاتی کردار کے لحاظ سے وہ پاکیزہ طینت اور نیک نفس انسان تھا۔ برنی لکھتا ہے:

"سلطان غیاث الدین تغلق جیسے اوصاف رکھنے والا بادشاہ کبھی تخت پر نہیں بیٹھا۔ اور نہ اس کے بعد شاید کبھی ویسا بادشاہ تخت دہلی پر نظر آئے۔" (تاریخ فیروز شاہی، صفحہ: ۴۴۰)

وہ ایک مذہبی انسان تھا۔ غرور و تمکنت کے بجائے تواضع اور مساوات اس کی فطرت تھی۔ حق شناسی کا جذبہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا۔ وہ نماز پنجگانہ اور ماہ رمضان کے روزوں کا پابند تھا۔ تراویح ناغہ نہ ہوتی۔ اکثر اوقات باوضو رہتا۔ اور رات کا زیادہ حصہ عبادت میں صرف کرتا تھا۔ اوامر و نواہی کا بڑا خیال رکھتا۔ احکام شرع کا نفاذ ہر معاملہ میں کرتا۔ جس کی وجہ سے وہ مسکرات سے پرہیز کرتا۔ اور شراب نوشی سے عوام کو بھی روک دیا تھا۔ قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کے تیسرے دن اس کی بیوہ سے جن لوگوں نے خسرو خاں کا نکاح کر دیا تھا انھیں اس نے سخت سزا دی۔

سلطان صوفیہ و مشائخ اور علماء کا عقیدت کیش تھا۔ وہ ان کو نذر و فتوح سے نوازتا۔ شیخ رکن الدین ملتانی، بو علی شاہ قلندر پانی پتی، شیخ علاء الدین اجودھنی وغیرہ کا خاص طور پر معتقد تھا۔ وہ ہر مسرت اور تقریب کے موقعوں پر اکابر علماء و صوفیہ کو نوازتا۔

سلطان المشائخ اور غیاث الدین تغلق:

سلطان غیاث الدین اپنی پاکیزگی نفس اور مشائخ و صوفیہ سے گہری

عقیدت کے باوجود اس دور کے ممتاز شیخ طریقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے تعلقاتِ ارادت استوار نہ کر سکا۔

چونکہ غیاث الدین پر ظاہر پرست علماء کا کافی اثر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سماع کا سخت مخالف ہو گیا تھا۔ اور اس کے درباری شیخ زادہ حسام فرجام اور قاضی جلال الدین لوانجی کو شیخ سے پرخاش تھی۔ اور وہ ان سے درپردہ بغض و حسد رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت جانا۔ اور سلطان سے کہا۔ ”خواجہ نظام الدین مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ سماع سنتے ہیں۔ جو امام اعظم کے مذہب میں حرام ہے۔ اور اپنے اوقات اسی لایعنی لہو ولعب اور عیش میں گذارتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے ہزاروں افراد اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتے ہیں۔“

سلطان کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ ایسے بزرگ اس طرح کا ممنوع کام کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علماء دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ اور وہ اس کو منع کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے۔ اور ایک مجلس مناظرہ برپا کی جائے۔ تاکہ حق واضح ہو جائے۔

مجلس مناظرہ:

سلطان کی خواہش پر حضرت شیخ المشائخ پہلی اور آخری بار ایک دینی مسئلہ پر گفتگو کے لئے دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ مولانا فخر الدین زرادی اور قاضی محی الدین کاشانی آپ کے ساتھ تھے۔ مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ جس میں شہر دہلی کے اکابر علماء اور صدور حاضر تھے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو وعظ و نصیحت شروع کی۔ اور نامناسب طریقہ پر آپ سے خطاب کیا۔ یہاں تک کہ اگر اس کے بعد آپ نے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں۔ میں آپ کو سزا دونگا۔ یہ سن کر حضرت خواجہ کو جلال آگیا۔ اور فرمایا کہ جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے چنانچہ ٹھیک

بارہ دن بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے رخصت ہو گئے۔[1]

اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء و اکابر، صدور، امراء اور ارکان سلطنت حاضر تھے۔ بادشاہ اور تمام حاضرین کی توجہ شیخ المشائخ کی طرف تھی۔ اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے۔ لوگ رقص کرتے ہیں، آہ کرتے ہیں، نعرہ لگاتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی باتیں کیں۔ حضرت خواجہ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا شور مت کرو۔ زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ سماع کی تعریف کیا ہے؟

شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء سماع کو حرام کہتے ہیں۔

حضرت خواجہ نے فرمایا۔ جب تم کو سماع کا معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اور نہ کہنا چاہیے۔ شیخ زادہ حسام پشیماں ہوا۔

بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سن رہا تھا۔ جب کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو۔ سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ محضر میں موجود علمائے دین مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے۔ مولانا حمید الدین نے اتنا کہا کہ

---

[1] صاحب سیر العارفین کے مطابق قاضی رکن الدین جو حضرت کا بدترین دشمن تھا۔ حضرت سے کہا۔ اے درویش اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اپنے مریدوں اور درویشوں کے ساتھ اکثر سماع و سرود میں رہتے ہو۔ تمہارے پاس اس کی حلت پر کوئی روایت ہے؟ حضرت نے ایک صحیح حدیث پیش کی۔ قاضی نے کہا تم مجتہد نہیں ہو کہ حدیث سے تمسک کرتے ہو۔ تم مقلد ہو۔ امام ابو حنیفہ کی کوئی روایت بیان کرو۔ تاکہ تمہاری بات مقبول کی جائے۔ حضرت نے فرمایا سبحان اللہ قول مصطفیٰ کے ہوتے ہوئے آپ مجھ سے قول حنفی چاہتے ہیں۔ پھر قاضی نے کہا کہ اے درویش اگر سماع و سرود کے مطلق عالمانہ رائے اور شریعت کا طریقہ رکھتے ہو تو بیان کرو۔

حضرت نے فرمایا۔ تم حکومت کے منصب پر غرور کرتے ہو۔ انشاء اللہ جلد ہی اس گستاخی کی وجہ سے معزول ہو جاؤ گے۔

یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں۔ اسی دوران شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین آگئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ عالم بھی ہیں سیاح بھی۔ اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں سماع سننا حرام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین نے کہا کہ میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔ جس میں سماع کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کے لئے حلال ہے۔ اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین سے دریافت کیا کہ آپ بغداد، شام، روم ہر جگہ پھر چکے ہیں۔ وہاں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں؟ اور وہاں کوئی منع کرتا ہے؟ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ ان تمام شہروں میں مشائخ سماع سنتے ہیں۔ اور دف و شبانہ کے ساتھ بھی۔ کوئی منع نہیں کرتا۔ اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنید و شبلی کے وقت سے مروج چلا آرہا ہے۔

بادشاہ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اور اس نے مزید کچھ نہ کہا۔

مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ سماع کی حرمت کا فرمان صادر کریں۔ اور مسلک امام اعظم کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں۔ بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا۔ اور کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا۔

مولانا فخر الدین کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی۔ اہل مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے۔ اور آخر بحث اس پر آکر ختم ہو گئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ یا فعل

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہ سماع سن سکتے ہیں۔ اور کسی کو انھیں منع کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن یہ روایت مرجوح ہے۔

انھیں دنوں کسی نے خواجہ سے کہا کہ اب تو سماع کے لئے شاہی فرمان ہو گیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں۔ وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر وہ حرام ہے تو کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہو سکتا۔

مجلس کے اختتام پر سلطان نے حضرت خواجہ کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۵۴۰)

مجلس مناظرہ کے بارے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بیان:

میر خورد نے سیر الاولیاء میں برنی کی کتاب حسرت نامہ سے یہ اقتباس نقل کیا ہے:

"جب سلطان المشائخ مناظرہ سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لائے تو آپ نے نماز ظہر کے وقت مجھے اور مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو کو طلب کیا۔ ہم لوگوں کو جب سعادت قدمبوسی نصیب ہوئی تو فرمایا۔ دہلی کے علماء میری دشمنی اور عداوت سے پُر تھے۔ انہوں نے میدان فراخ پایا اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہنی شروع کیں۔ اور ایک انتہائی حیرت انگیز یہ بات دیکھی گئی کہ محل حجت میں جناب نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیثیں سننے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اور وہ لوگ بڑی جرأت و بے باکی سے کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں روایت فقہ پر مقدم ہے۔ اور کہتے تھے کہ یہ حدیث امام شافعی کی متمسک ہے اور وہ ہمارے علماء کا دشمن ہے۔ ہم ایسی حدیث ہرگز نہیں سنتے۔ میں نے کسی ایسے عالم کو دیکھا نہ سنا کہ جس کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحیح حدیثیں روایت کی جائیں اور وہ کھلم کھلا کہے کہ میں نہیں سنتا۔ اور میں نہیں مانتا۔ یہ کیسا زمانہ ہے؟ تعجب ہے کہ جس شہر میں اس درجہ مکابرہ کیا جائے اور اس درجہ عناد و حسد برتا جائے۔ اور وہ پھر آباد و معمور رہے۔ یہ شہر تو اس قابل ہے کہ اس کی اینٹ

سے اینٹ بجادی جائے۔ اور بالکل تباہ و برباد کرڈالا جائے۔ جب بادشاہ اور امراء اور خلق شہر کے قاضی اور نامور علماء سے یہ سنیں کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہے تو ان کا اعتقاد احادیث پیغمبر علیہ السلام پر کیونکر راسخ و ثابت ہو سکتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بد عقیدگی کی نحوست سے آسمان سے قحط، جلاوطنی، بیماری اور وبا نازل نہ ہو جائے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۵۲۷، ۵۵۳)

ہنوز دلی دور ست:

سلطان غیاث الدین تغلق کے درباری علماء شیخ المشائخ پر مجلس مناظرہ میں غلبہ نہ پا سکے۔ اور شیخ کی بر سر عام تذلیل و تحقیر کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ بادشاہ نے اگرچہ شیخ کے لئے سماع کی اجازت دیدی تھی۔ مگر اس کے حاشیہ نشیں علماء اپنی شکست کی ذلت اور ناکامی کی خلش اندر اندر محسوس کرتے رہے۔ محضر سماع کے بعد وہ بادشاہ کو شیخ سے بد ظن کرنے کی مہم چلاتے رہے۔ اور وہ شیخ سے بدگمان ہوتا رہا۔ لیکن بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشیں امراء کے علاوہ دربار کے دوسرے ملوک و امراء، شاہزادے اور شہر کے عوام و خواص بلکہ دہلی سے باہر حضرت کی مقبولیت اور ان کی جانب رجوع بڑھتا ہی رہا۔ ان تمام باتوں کے باوجود بادشاہ اپنی زیر سینہ عداوت کو چھپا نہ سکا۔ اور وہ جب بنگال کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا۔ اس نے شیخ کو یہ پیغام بھیجا کہ:

تا وقتیکہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیروں روید کہ بہ سبب سکونت شما کثرت مردم ازیں در آنجامی باشد۔ وجائے برائے متوسلان بادشاہی نمی ماند۔	جس وقت ہم دہلی پہنچیں آپ غیاث پور (چھوڑ کر) چلے جائیں۔ کیونکہ آپ کی سکونت کی وجہ سے وہاں لوگوں کی اتنی زیادہ کثرت ہوا کرتی ہے کہ شاہی متوسلین کے لئے جگہ نہیں رہتی

اس پیغام کو پڑھ کر شیخ المشائخ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔ ہنوز دلی دور ست۔

حضرت کی زبان سے نکلی ہوئی یہ بات پوری ہو کر رہی۔ سلطان کو دہلی میں داخلہ نصیب نہ ہوا۔ دہلی سے تین کوس کے فاصلہ پر اس کے بیٹے جوناخاں محمد تغلق نے ایک چوبیں محل افغان پور میں بنوادیا۔ جس میں سلطان کا استقبال کیا گیا۔ اور ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھیوں کا جلوس گذرنے لگا تو ساری عمارت زمین بوس ہو گئی۔ اور بادشاہ اس میں دب کر مر گیا۔ اس طرح بادشاہ شیخ کو دہلی سے کیا نکالتا خود ہی دہلی میں داخل نہ ہو سکا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو پیش آیا۔

اس وقت سے یہ محاورہ زباں زد عام و خاص ہے۔ ”ہنوز دلی دور ست“

(خزینۃ الاصفیاء، صفحہ: ۳۲۷)

دہلی کی تباہی:

مناظرہ کے بعد شیخ نے فرمایا تھا:

”ایسا شہر جہاں علماء یوں نزاع پیدا کریں۔ کیسے قائم رہے گا۔ حیرانی ہے کہ یہ ریزہ ریزہ کیوں نہیں ہو گیا...... میں ڈر رہا ہوں کہ یہ بداعتقادی جو عالموں میں دیکھی گئی ہے کہیں اس بدبختی کا یہ نتیجہ نہ ہو کہ آسمان سے قحط، جلاوطنی، بیماری اور وبا نازل ہو جائے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ ۵۵۳)

شیخ المشائخ کے یہ فرمودات اس طرح پورے ہوئے کہ آپ کی وفات کے چار سال بعد سلطان غیاث الدین کے بیٹے سلطان محمد تغلق نے دہلی کے بجائے دیوگیر (دولت آباد) کو پایہ تخت بنایا۔ اور اہل دہلی کو حکم دیا کہ وہ دہلی کو بالکل خالی کر کے دولت آباد میں سکونت اختیار کریں۔ اس حکم میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ جو لوگ دلی چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتے انھیں زبردستی گھروں سے نکال کر دیوگیری کی جانب ہانک دیا جاتا۔ اور گھروں میں آگ لگادی جاتی۔ اس پر تشدد طرز عمل نے واقعتاً دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور آباد و معمور شہر دیکھتے ہی دیکھتے ویران اور سنسان خرابے میں تبدیل ہو گیا۔ وہ چمن زار دہلی جہاں رہنے والوں کو

جگہ نہ ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ جنگلی جانوروں اور درندوں کے سوا کسی بشر کی صورت مشکل ہی سے نظر آتی تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے:

"کارپردازانِ حکومت نے کسی ایک شخص کو بھی جو دہلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا۔ اپنی جگہ نہیں چھوڑا۔ سب کو دولت آباد (دیوگیر) بھیج دیا۔ اور دلی اس طرح ویران ہوئی کہ کسی ایک جاندار کی آواز بھی سوائے گیدڑ، لومڑی اور جنگلی جانوروں کے کان میں نہیں آتی تھی۔

(تاریخ فرشتہ، ج:۱، صفحہ: ۲۴۳)

سید محمد بن مبارک کرمانی امیر خورد لکھتے ہیں:

"یہی وجہ تھی کہ اس ماجرا (مجلس مناظرہ) کے چوتھے سال میں ان تمام عالموں کو جو اس محضر میں موجود تھے ان کو اور ان کے ساتھ دوسروں کو بھی دیوگیر بھیج دیا گیا۔ بہت سے وہیں رہ گئے۔ شہر میں سخت قحط اور مہلک وبائیں پھوٹ پڑیں۔ حتیٰ کہ آج تک وہ بلائیں مکمل طور پر دور نہیں ہو سکیں۔ سبحان اللہ ہر بات جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلی وہی دیکھنے میں آئی۔" (سیر الاولیاء، صفحہ: ۵۵۳)

(ہ) نظام الاوقات اور زندگی کے آخری ایام

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ حضرت شیخ المشائخ کی زندگی کے آخری تین برسوں میں خانقاہ نظامی مرجع خلائق بن گئی تھی۔ دہلی، اطراف دہلی ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے ارادت مند کھنچے چلے آرہے تھے۔ عوام و خواص، علماء و صوفیہ، امراء و اغنیاء، اکابر و

اصاغر کا ہجوم شب و روز خانقاہ میں نظر آتا۔ اور حضرت شیخ المشائخ کے قدموں میں نذر و فتوح کا انبار لگ جاتا۔ ہر طرف سے ہُن برس رہا تھا۔ لیکن آپ نے پہلے سے زیادہ مجاہدات اپنے اوپر لازم کر لئے تھے۔ اور زندگی کی آخری برسوں کو بڑی ریاضت و مجاہدہ میں گزارے۔ اور ایسی روش و راہ عمل اختیار کی کہ آپ کی زندگی مبارک بے مثل و بے نظیر بن گئی۔ ان مجاہدات میں ظاہری ریاضت کم اور باطنی مشغولیت بہت زیادہ تھی۔

خانقاہ:

غیاث پور شہر دہلی سے باہر دریائے جمنا کے کنارے ایک مختصر سی بستی تھی۔ جہاں حضرت شیخ المشائخ کی وسیع خانقاہ تھی۔ بیچ میں ایک بڑا ہال تھا۔ جسے جماعت خانہ کہا جاتا تھا۔ اس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ایک برگد کا درخت صحنِ خانقاہ میں سایہ فگن رہتا۔ صدر دروازہ کے سامنے دہلیز تھی۔ جس کے دونوں جانب دروازے لگے ہوئے تھے۔ یہ دہلیز اتنی وسیع تھی کہ آدمی بغیر کسی کا راستہ روکے اطمینان سے بیٹھ سکتے تھے۔ دہلیز سے ملا ہوا باورچی خانہ تھا۔ خانقاہ کی چھت پر لکڑی کی دیواروں کا ایک مختصر سا کمرہ تھا جو شیخ کی آرامگاہ تھی۔ جس میں رات کے وقت آرام فرماتے تھے۔ جس کی ایک کھڑکی جمنا کی طرف کھلتی تھی اور ایک کھڑکی صحن جماعت خانہ میں۔

حضرت شیخ المشائخ کے معمولات زندگی سلک گہر کی طرح منظم اور مربوط تھے۔ جن میں کبھی کوئی فرق نہ آتا۔

نماز:

شیخ المشائخ نماز باجماعت کا ہر وقت اہتمام فرماتے تھے۔ عمر شریف کے آخری ایام میں جب کہ آپ کی عمر اسی (۸۰) سال ہو چکی تھی۔ کبر سنی اور ضعف کے باوجود بلند بالا خانہ سے نماز پنجگانہ کے لئے نیچے تشریف لاتے۔ اور جماعت خانہ

میں درویشوں، عزیزوں اور مسافروں کے ساتھ نماز باجماعت ادا فرماتے۔

روزہ:

شیخ کا دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ باورچی خانہ میں فقراء اور زائرین کے لئے ہر وقت قسم قسم کے لذیذ کھانے تیار ہوتے رہتے۔ اور صبح سے شام تک لوگ کھاتے۔ حتیٰ کہ گھروں کو بھی لے جاتے۔ مگر آپ باستثنائے چند ایام پورے سال روزہ رکھتے تھے۔

افطار:

افطار کے وقت جماعت خانہ میں تشریف لاتے۔ کوئی نرم اور زود ہضم غذا تناول فرماتے۔ اگر روٹی ہوتی تو آدھی یا ایک روٹی یا چاول تھوڑی ترکاری جو اکثر کڑوے کریلے کی ہوتی پیش کیا جاتا۔ جسے آپ تناول فرماتے اس میں سے کچھ بچ جاتا جو حاضرین میں بطور تبرک تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ بھی عزیزوں، درویشوں اور مسافروں کے ساتھ مل کر تناول فرماتے۔ جب تک دستر خوان پر ہوتے ایثار و قربانی کرتے۔ جس پر شفقت فرماتے اس کو خاص صحنک سے اور خاص نوالہ سے نوازتے۔ یہ سعادت روز ہی کسی نہ کسی کو حاصل ہوتی۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۳۴) •

ملاقات:

نماز مغرب اور افطار کے بعد اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے۔ عشاء کے وقت تک مجلس گرم رہتی۔ گرمیوں میں کھلی چھت پر تشریف رکھتے۔ رات کو پلنگ پر نم گیر لگا دی جاتی۔ ملاقات کے لئے لوگ حاضر ہوتے۔ خشک و تر میوے اور شربت پیش کیا جاتا۔ نماز عشاء تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

بعد عشاء:

عشاء کا وقت آجاتا تو بالا خانہ سے اتر کر جماعت خانہ میں آتے۔ نماز باجماعت ادا کرتے۔ پھر اوپر تشریف لے جاتے۔ کچھ دیر وظیفہ میں مصروف رہتے۔ پھر تسبیح ہاتھ میں دے دی جاتی۔ اس وقت امیر خسرو کے علاوہ کسی کو

حاضری کی اجازت نہ تھی۔ امیر خسرو کو مرشد سے ایسا ہی والہانہ عشق تھا۔ جیسا بلبل کو گل سے اور پروانہ کو شمع سے۔ شیخ المشائخ بھی ان سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

''من از ہمہ ہم تنگ آیم واز تو تنگ نیایم'' یعنی مجھے بعض اوقات سب سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ مگر تم سے نہیں ہوتی۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۱۲)

امیر خسرو شیخ کے روبرو بیٹھ کر ہر قسم کی باتیں اور قصے بیان کرتے۔ آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے۔ وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا ترک کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اتنی بات سن کر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے۔ اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے وہ پوری داستان سناتے۔ اس وقت بعض اعزہ اور بعض پروردۂ نعمت حاضر ہوتے۔ اور قدمبوسی کرتے۔

نخفت خسرو مسکین ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ برکف پایت نہد، بخواب شود

رات کی تیاری:

جب امیر خسرو اور اعزہ اجازت لے کر بارگاہ عالی سے باہر آتے اقبال خادم آتے۔ اور پانی کے چند بھرے ہوئے لوٹے وضو کے لئے رکھ دیتے۔ اور باہر آجاتے۔ حضرت اندر سے دروازہ بند کر لیتے۔ پھر خلوت میں مصروف عبادت ہوتے۔ وہ ہوتے اور ان کا رب۔

تنہا منم و شب چراغے
مونس شدہ تا پگاہ روزم
کاہش زِ آہ سرد بکشم
گاہ از تف سینہ برفروزم

رات کا کچھ وقت مطالعہ کتب میں بھی گذرتا۔ باقی عبادت میں۔ جب

رات کا آخری پہر ہوتا تو کوئی شعر بے اختیار زبان پر آجاتا اور گھنٹوں اس سے روحانی کیف حاصل کرتے۔ یہ شعر اکثر زبان مبارک پر جاری ہوتا۔

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا
کز من و کمے نہ نماند واز وے دودے

ترجمہ: کبھی میرے اور شمع کے تماشے کے لئے آ۔ نہ مجھ میں اب رمق باقی ہے اور نہ اس میں دھواں۔

سحری:

سحری کے وقت خادم عبدالرحیم سحری کے لئے کھانا پیش کرتے۔ جو ہلکی اور زود ہضم غذا ہوتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ سحری نہ کھاتے۔ یا چند لقمہ تناول فرما کر چھوڑ دیتے۔ اور جو بچتا اس کے لئے کہتے کہ یہ بچوں کے لئے رکھ دو۔ خواجہ عبدالرحیم عرض کرتے۔ حضرت والا افطار کے وقت بھی آپ نے کچھ نہیں کھایا ہے سحری میں بھی کچھ نہ کھائیں گے تو کیا ہوگا؟ یہ سن کر آپ اشکبار ہو جاتے۔ فرماتے بہت سے مسکین اور درویش دوکانوں کے سامنے اور مسجدوں کے کونوں میں فاقہ سے مست پڑے ہیں میرے حلق سے نوالہ کیسے اترے؟

نماز فجر:

صبح صادق کے وقت جماعت خانہ میں تشریف لاتے۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد بالا خانہ پر تشریف لے جاتے۔ اور تلاوت کلام پاک فرماتے۔ اور ذکر میں مصروف ہو جاتے۔ اشراق اور چاشت کی نمازوں سے فارغ ہو کر جماعت خانہ میں تشریف لاتے۔ زائرین، مریدین، منسلکین اور اہل جماعت کا ہجوم لگ جاتا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی آنے والا حاضری کے بغیر واپس چلا جائے۔

لوگوں کے دکھ درد کی کہانیاں اسی وقت سنتے۔ ہر ایک کے زخمی دلوں پر مرہم رکھتے۔ اور ہر شخص اس بارگاہ میں یہ محسوس کرتا کہ جو خصوصیت اس کو

حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔

قیام لیل کے باعث آنکھیں سرخ ہوتیں۔ مگر ضعفِ واضمحلال کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوتا۔ اور آپ کے معمولات میں تغیر نہ ہوتا۔ خلقِ خدا کی دلجوئی اور قلوب کے تصفیہ میں مصروف رہتے۔ جس سے افضل کوئی کام نہیں۔

قیلولہ:

دوپہر کے وقت بالاخانہ پر تشریف لے جاتے۔ اور قیلولہ فرماتے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ آپ قیلولہ میں تھے کہ ایک درویش آیا۔ اتفاق سے لنگر خانہ میں کچھ نہ تھا۔ اس لئے اخی مبارک نے اسے کچھ نہ دیا۔ یوں ہی واپس کر دیا۔ شیخ نے اسی وقت خواب میں دیکھا کہ بابا فرید گنج شکر قدرے غصہ کے انداز میں فرما رہے ہیں کہ آنے والوں کی تا بہ امکان خاطر کرنی چاہیئے۔ یہ کہاں آیا ہے کہ ایک درویش کو ایسی حالت میں ٹال دیا جائے۔ قیلولہ سے بیدار ہو کر خدام سے دریافت کیا کہ کیا کوئی درویش آیا تھا؟ تحقیق کے بعد فرمایا ہر آنے والے کی ان کو اطلاع دی جائے۔ خواہ وہ قیلولہ ہی میں کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد یہ معمول بن گیا کہ جب قیلولہ سے بیدار ہوتے تو پوچھتے کوئی شخص انتظار میں تو نہیں بیٹھا ہے؟ اور دھوپ کہاں تک پہنچ گئی ہے؟

ظہر کی نماز اور ملاقات:

ظہر کی نماز کے لئے بالاخانہ سے نیچے تشریف لاتے۔ اور نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سورہ نوح کی تلاوت فرماتے تھے۔ پھر مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کی طرف متوجہ ہوتے۔ اس وقت حاضر ہونے والوں میں زیادہ تر علماء و مشائخ اور عابد و زاہد ہوا کرتے تھے۔ آپ کے چہرۂ انور پر ایسا جلال ہوتا کہ کسی کو نگاہ بھر کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ علمی موضوعات پر بھی گفتگو ہوتی۔ اور آپ نور باطن سے بہت ہی تسلی بخش جواب دیتے۔ اور ایسے دلکش انداز میں گفتگو فرماتے کہ بات دل میں اترتی چلی جاتی۔ جس کی بناء پر مخالفین بھی آپ

کے معترف اور گرویدہ بن جاتے تھے۔

اسی مجلس میں عبادتِ خداوندی اور محبت الٰہی کے بارے میں کلام فرماتے۔ جسے سب دل لگا کر سنتے۔ معرفت و سلوک کی بھی باتیں ہوتیں۔ او طالبینِ حق کا تزکیہ و تصفیہ اور روحانی تربیت کا عمل بھی جاری رہتا۔

بعد عصر:

عصر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد آپ سورہ انافتحنا کی تلاوت فرماتے اور تخلیہ میں مشغولِ حق ہو جاتے۔ یہ وقت خاص مقبولیت کا ہوتا ہے۔ میر خورد کا بیان ہے۔ "آپ روزانہ امام غزالی کی جواہر القرآن ڈھائی پارہ اور حرز یمانی اور حرز کافی پڑھا کرتے تھے۔"

نماز جمعہ:

حضرت شیخ المشائخ نماز جمعہ کیلو کھڑی کی جامع مسجد میں ادا فرماتے تھے۔ جہاں بہت سے علماء و مشائخ نماز میں شریک ہوا کرتے تھے۔ پہلے غیاث پور سے کیلو کھڑی پیدل جایا کرتے تھے۔ پھر بعد میں مسجد کے پاس میں ایک مکان تعمیر کرایا۔ کبھی کبھی جمعرات ہی کو کیلو کھڑی جا کر مکان میں قیام کرتے۔ اور وہاں خلق خدا کو فیض یاب ہونے کا موقع میسر آتا۔ اور کبھی جمعہ کے دن اشراق کے بعد کیلو کھڑی آتے۔ اور نماز جمعہ سے قبل غسل فرما کر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنی خانقاہ غیاث پور واپس لوٹ جاتے۔

ایک دفعہ سخت گرمی تھی۔ اور لو چل رہی تھی۔ آپ روزہ سے تھے۔ اور پا پیادہ غیاث پور سے کیلو کھڑی جمعہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ پیاس کی شدت تھی۔ زبان سوکھ گئی۔ سر چکرانے لگا۔ آپ نے ایک دوکان میں تھوڑی دیر دم لیا۔ دل میں خیال آیا کہ اگر میرے پاس سواری کا انتظام ہوتا تو سوار ہو کر چلا جاتا۔ اور اس تکلیف سے محفوظ رہتا۔ لیکن فوراً ہی اس خطرے کو دل سے دور کر لیا۔ اور دل کو سمجھایا کہ راضی برضا رہنا چاہیے۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد حضرت شیخ ملک یار براں علیہ الرحمہ کے خلیفہ ایک گھوڑی لے کر آئے اور عرض کیا۔ اسے قبول فرمالیجیے۔ شیخ نے فرمایا آپ خود درویش ہیں۔ آپ سے کیالوں۔ انہوں نے کہا آج تیسری شب ہے کہ میرے شیخ مجھ سے خواب میں فرماتے ہیں کہ یہ گھوڑی میں آپ کو نذر کردوں۔ حضرت نے فرمایا آپ کے شیخ نے آپ سے کہا ہے۔ اگر میرے شیخ مجھ سے فرمائیں گے تو میں لے لونگا۔ اسی شب خواب میں بابا فرید گنج شکر کی زیارت ہوئی۔ وہ فرمارہے ہیں کہ شیخ ملک یار براں کی خاطر سے یہ نذر قبول کرلو۔ چنانچہ حضرت نے وہ گھوڑی قبول کرلی۔ حضرت فرماتے ہیں اس دن سے میرے ہاں کبھی گھوڑوں کی کمی نہیں پڑی۔ کچھ دنوں بعد میں نے وہ گھوڑی اپنے بھانجے خواجہ محمد کو دے دی۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۴۴)

آخری ایام اور خلافت نامے:

عمر شریف تقریباً اسی (۸۰) سال ہو چکی تھی۔ مسلسل روزوں اور مجاہدوں کی کثرت، آرام و غذا کی قلت کے سبب جسمانی ضعف بڑھتا رہا۔ اور گوناگوں امراض کا حملہ ہونے لگا۔ استغراق و بے خودی کے سبب شب و روز کے معمولات میں بھی فرق آنے لگا۔ انھیں ایام میں خلافت نامے تحریر کئے گئے۔ خلافت ناموں کا مسودہ مولانا فخر الدین زرادی نے تیار کیا۔ اس کی تبیض سید حسین نے اپنے قلم سے کی۔ پھر حضور نے اپنے مبارک دستخط ان پر ثبت فرمائے۔ دستخط کے الفاظ یہ تھے:

من الفقیر محمد بن احمد بن علی البداؤنی البخاری

ان خلافت ناموں پر تاریخ ۲۰؍ذی الحجہ ۷۲۴ھ ثبت تھی۔ اس تاریخ اور تاریخ وصال میں تین ماہ ستائیس دن کا فاصلہ ہے۔

جن حضرات کے خلافت نامے تھے اگر وہ وہاں موجود نہ تھے تو ان کے پاس بھجوادیئے گئے۔ اور جو حاضر تھے انھیں بارگاہ میں طلب کر کے خلافت ناموں سے نوازا گیا۔ میر خورد رقم طراز ہیں:

''پہلے شیخ قطب الدین منور کو طلب کیا۔ سلطان المشائخ نے اپنی خلافت کی خلعت اور وصیت سے نوازا۔ انھیں خلافت نامہ دیا گیا۔ حکم ہوا جاؤ دوگانہ شکر ادا کرو۔ شیخ منور جماعت خانہ میں آئے۔ نماز دوگانہ ادا کرلی۔ دوستوں نے مبارک باد دی۔ اسی اثناء میں شیخ نصیر الدین محمود کو طلب کیا۔ انھیں بھی خلافت کی خلعت دی۔ اور وصیت کی۔ ہاتھ میں خلافت نامہ دیا۔ شیخ نصیر الدین محمود آپ کی خدمت میں کھڑے تھے کہ شیخ منور کو دوبارہ بلایا گیا۔ مرشد نے ان کو حکم دیا کہ شیخ نصیر کو خرقۂ خلافت کی مبارک باد دو۔ شیخ منور حکم بجالائے۔ اس کے بعد شیخ نصیر کو حکم دیا کہ شیخ منور کو مبارکباد دو۔ انہوں نے بھی حکم کی تعمیل کی۔ پھر فرمایا۔ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاؤ۔ کیونکہ تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ تقدم و تاخر زمانی کے خیال کو دل سے نکال دینا۔ دونوں نے ایسا ہی کیا۔

جب یہ دونوں بزرگ اس ابدی سعادت اور سرمدی نعمت سے مالا مال ہو کر مرشد کی بارگاہ عالی سے باہر آئے تو شیخ نصیر الدین محمود نے شیخ قطب الدین منور سے کہا جو وصیت سلطان المشائخ نے آپ کو کی ہے وہ ہمیں بتادو۔ اور جو وصیت ہمیں کی گئی ہے وہ ہم آپ کو بتادیتے ہیں۔ شیخ منور نے کہا جو وصیت بھی سلطان المشائخ نے کی ہے وہ ایک راز ہے۔ جو انہوں نے اپنے غلام کو بتایا۔ اب تم خود ہی بتاؤ۔ کیا مرشد کا راز کسی کو بتایا جاسکتا ہے۔ آپ کا راز آپ کے ساتھ۔ اور ہمارا راز ہمارے سینہ میں ہے۔ اس دلکش جواب پر شیخ نصیر نے تحسین و آفریں کی۔

(سیر الاولیاء، صفحہ :۲۵۹)

علالت اور وصال:

عمر شریف کے آخری سالوں میں کبر سنی اور کثرت مجاہدہ کے سبب

بیماریوں کے پیہم حملے ہونے لگے تھے۔ کبھی بخار، کبھی بینائی کا عارضی نقص، کبھی کچھ کبھی کچھ۔ اگرچہ علاج سے یہ پریشانیاں دور ہو جایا کرتیں۔ انھیں ایام میں ایک بار مجلس سماع میں وجد آیا اور چھت سے فرش زمین پر گر پڑے۔ پائے مبارک میں لنگ آگیا۔ کسی معترض نے کہا کہ اگر شیخ نظام الدین ولی ہوتے تو ان کا پیر مجروح نہ ہوتا۔ شیخ ابوالفتح رکن الدین علیہ الرحمہ نے سنا تو فرمایا۔ کسی بڑے نادان نے یہ بات کہی ہے۔ اگر شیخ نظام الدین وہ بلا اپنے پیر پر نہ لے لیتے تو جو بلا اس وقت نازل ہوئی تھی وہ ساری دہلی کو تباہ و برباد کر دیتی۔ (بحر المعانی)

بیماری کا آخری حملہ جو آپ پر ہوا وہ آنتوں کی تکلیف تھی۔ جسے اطباخلہ کہتے تھے۔ وفات سے چالیس روز قبل جمعہ کے دن حالت تیزی کے ساتھ متغیر ہونے لگی۔

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں:

''جمعہ کا دن تھا۔ سلطان المشائخ کو وجدانی کیفیت طاری ہوتی۔ باطنی تجلی کے نور سے باطن نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ دوران نماز مسجد گئے۔ اور عالم تحیر میں گھر لوٹ آئے۔ اور مزید گریہ طاری ہوا۔ (اس کے بعد تحیر واستغراق کی کیفیت بڑھتی گئی) روزانہ کئی کئی بار غائب ہو جاتے پھر حاضر ہوتے۔ اور فرماتے ''آج روز جمعہ ہے۔ دوست کو دوست سے کیا ہوا وعدہ یاد آتا ہے۔'' غرق تحیر ہو جاتے۔ پوچھتے کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ اور میں نے نماز پڑھ لی ہے؟ حاضرین کہتے کہ حضور نے نماز پڑھ لی ہے۔ فرماتے دوسری مرتبہ پڑھ لیتا ہوں۔ ہر نماز کو دوبارہ سہ بارہ ادا کرتے۔ چند روز اسی حالت میں گذر گئے۔ بار بار یہ دو باتیں دہراتے جاتے۔ ''آج جمعہ کا دن ہے۔ کیا ہم نے نماز پڑھ لی ہے؟ اور کہتے تھے۔ ہم جارہے ہیں۔ ہم جارہے ہیں۔ ہم جارہے ہیں۔

(ایام مرض الموت میں) ایک دن تمام اقرباء خدام اور مریدین کو اپنے

پاس بلایا۔ ان کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ تم گواہ رہنا۔ اقبال خادم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر اس نے کوئی چیز از قسم جنس اس گھر میں سنبھال رکھی ہے تو کل قیامت کے دن خدا کے حضور جواب دہ ہوگا۔ اقبال خادم نے وعدہ کیا کہ کبھی کچھ نہ رکھونگا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ سارا مال درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ اقبال نے لنگر کے لئے چند روز کا غلہ بچا رکھا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ کچھ اناج بچا کر رکھا گیا ہے۔ اقبال کو بلایا۔ اور اس حرکت پر برہم ہوئے۔ اور فرمایا۔ اس مردار کو کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ اقبال نے کہا سوائے اس غلہ کے جو چند کی خوراک ہے۔ باقی کچھ نہیں بچا۔ اتنے ہزار لوگ کھانے والے ہیں۔ میرے پاس تو کچھ نہیں۔ فرمایا لوگوں کو بلاؤ۔ جب لوگ آگئے تو حکم دیا گوداموں کے دروازے توڑ دو۔ اور تمام غلے لے جاؤ۔ وہاں جھاڑوں دیدو۔ چند لمحوں میں لوگ غلہ لوٹ کر لے گئے۔

اس مرض کے دوران خدام اور دوست جمع ہو کر آئے۔ اور دریافت کیا۔ مخدوم آپ کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔ فرمایا کہ تمہیں میرے مزار پر اتنا کچھ ملے گا جو تمہارے لئے کافی ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا ہمارے درمیان تقسیم کون کرے گا۔ فرمایا جو اپنے حصہ سے دست بردار ہو جائے گا۔ مولانا شمس الدین وامغانی نے لوگوں کے اصرار پر شیخ المشائخ سے دریافت کیا۔ ہر کسی نے اپنی ارادت کے مطابق آپ کے لئے حظیرۃ القدس (مقبرہ کی بلند عمارت) تعمیر کرایا ہے کہ آپ اس میں ابدی آرام فرمائیں گے۔ اس لئے فرمادیں آپ کو کس عمارت کے اندر دفن کیا جائے گا؟ فرمایا میں ان میں کسی عمارت میں دفن نہیں کیا جاؤنگا۔ میں صحرا میں سوؤنگا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۶۴۔۱۶۲)

شیخ رکن الدین کی عیادت:

دوران علالت جب بیماری کا شدید غلبہ ہوا۔ شیخ ابوالفتح رکن الدین عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت آپ پر استغراق کی کیفیت طاری تھی۔ لوگوں کو حیرانی تھی کہ دونوں بزرگوں میں گفتگو کیسے ہو گی۔ لیکن اپنے کمالاتِ ذاتی کی بناء پر سلطان المشائخ صحیح حالت میں آ گئے۔ اور شیخ سے گفتگو کرنے لگے۔ شیخ رکن الدین نے فرمایا۔ الانبیاء یتخیرون عندا لموت انبیاء کو موت کے قریب اختیار دیا جاتا ہے۔ چاہیں اپنے مولیٰ کے پاس چلے جائیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

ما من نبی یموت الا یتخیرون.

کوئی نبی نہیں مرتا جب تک اسے اختیار نہیں دے دیا جاتا۔

اولیاء اس کے جانشین ہیں۔ انھیں بھی اختیار ہے۔ چاہے وہ دنیا میں رہیں۔ چاہے مولیٰ کے پاس چلے جائیں۔

سلطان المشائخ کو اپنی زندگی جس سے دنیا والوں کو دنیا متضمن ہے خدا کے حضور سے کچھ عرصہ کے لئے مانگنی چاہئے۔ تاکہ ناقصوں کو بھی کمال حاصل ہو جاتا۔ سلطان المشائخ کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ فرمایا کہ میں نے حضور سرور کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے۔ فرمارہے ہیں۔ "نظام ہمیں تمہاری آمد کا بڑا شوق ہے۔" یہ سن کر حاضرین رونے لگے۔ کچھ دیر بعد شیخ رکن الدین واپس لوٹ گئے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۵۱۔۱۵۰)

مرض الموت کے ایام میں غذا بالکل ترک کر دی تھی۔ کھانے کی خوشبو بھی گوارہ نہ تھی۔ اسی شدت سے گریہ وزاری فرماتے کہ ایک گھڑی کے لئے بھی آنسو نہ تھمتے تھے۔

گر نہ بینی گریہء زارم ندانی فرق کرد
کآب چشم ست ایں کہ پیشت می رود یا آب

ایک دن خواجہ اخی مبارک مچھلی کا شوربہ لائے۔ مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ تھوڑا سا تناول فرمالیں۔ دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا۔ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ حکم دیا۔ بہتے ہوئے پانی میں ڈالدو۔ آپ نے کچھ بھی تناول نہ فرمایا۔ سید حسین نے عرض کیا کئی روز ہو چکے ہیں مخدوم نے کھانا بالکل ترک کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا۔ سید جو حضرت سرور کائنات ﷺ کی ملاقات کا مشتاق ہو۔ وہ دنیا میں کھانا کس طرح کھا سکتا ہے؟

وصال و مدفن:

وصال کے دن تک ترک غذا، کم کلامی اور گریہ و استغراق کی یہی کیفیت قائم رہی مرض الموت کے دوران جب کبھی دوا پیش کی جاتی فرماتے۔ ع

درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء بروز بدھ ادھر آسمان پر آفتاب طلوع ہوا۔ اور ادھر آفتاب علم وارشاد غروب ہو گیا۔ خانوادۂ چشت کے روحانی سربراہ کا جنازہ ہزاروں سوگوار ارادت مندوں کے کاندھوں پر اٹھایا گیا۔ جنازہ کی نماز شیخ الاسلام ابوالفتح رکن الدین نبیرۂ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا:

”اب معلوم ہوا کہ مجھے چار سال تک دہلی میں اس لئے رکھا گیا کہ اس نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو“ (ایضاً، صفحہ: ۱۶۵)

وصیت کے مطابق جسدِ خاکی کو ایک غیر آباد حصہ میں دفن کیا گیا۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کے مزار پر شاندار گنبد تعمیر کرایا۔ مزار شیخ المشائخ سے چند فٹ کے فاصلہ پر جو جماعت خانہ ہے بعض لوگوں نے اسے خضر خاں کی تعمیر بتایا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ بلکہ اسے سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنے عہد میں تعمیر کرایا۔ جیسا کہ اُس کی کتاب ”فتوحات فیروز شاہی“ سے ظاہر ہے۔

شادی:

حضرت شیخ المشائخ کا مجاہدۂ نفس یہ بھی ہے کہ آپ نے پوری عمر شادی نہیں کی۔ اور تمام زندگی طلب علم اور ریاضت و مجاہدہ اور لوگوں کی تربیت و اصلاح باطن کے لئے وقف کر دی۔

بی بی فاطمہ سام رحمۃ اللہ علیہا جو بڑی پارسا اور ولیہ خاتون تھیں اور بابا فرید گنج شکر اور شیخ نجیب الدین متوکل منہ بولے بہن بھائی تھے۔ بہت ضعیفہ تھیں۔ آپ شیخ المشائخ پر بڑی مہربانی فرماتیں۔ ایک بار انہوں نے آپ سے ایک رشتہ کی نسبت فرمایا۔ مگر حضرت نے انکار کیا۔ اور تجرد کی زندگی کے بارے میں مرشد برحق نے جو اشارہ فرمایا تھا اسے بی بی فاطمہ سے بیان کر دیا۔ شیخ کی زبانی ملاحظہ ہو:

''ایک مرتبہ بی بی فاطمہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولیں۔ ایک شخص ہے اس کی ایک لڑکی ہے۔ اگر تم اس لڑکی سے شادی کا پیغام بھیجو تو اچھا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ میں شیخ الاسلام بابا فرید الدین قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں تھا۔ وہاں ایک جوگی بھی حاضر تھا۔ ذکر آیا کہ بعض فرزند جو بے ذوق پیدا ہوتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ لوگ مباشرت کا وقت نہیں جانتے۔ اس کے بعد جوگی نے کہنا شروع کیا کہ مہینہ میں تیس دن ہوتے ہیں یا انتیس دن۔ ہر روز کی ایک خاصیت ہے۔ مثلاً اگر ہم پہلے روز ہم بستری کریں گے تو فرزند ایسا ہوگا۔ اور اگر دوسرے روز کریں گے تو ایسا ہوگا۔ اسی طرح اس نے ہر تاریخ کے لئے ایک حکم مقرر کیا۔ جب جوگی اپنی بات پوری کر چکا تو میں اُس سے ان دنوں کا اثر دریافت کرنے لگا۔ اور جوگی ہر روز کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ میں نے ان سب دنوں کی خصوصیت و اثر کو یاد کر لیا۔ پھر جوگی ہر روز کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ میں نے ان سب دنوں کی

خصوصیت و اثر کو یاد کر لیا۔ پھر جوگی سے کہا ذرا دھیان سے سنو۔ اور دیکھو کہ میں نے ٹھیک یاد کیا ہے؟ جب میں نے یہ بات کہی تو شیخ فرید الدین قدس سرہ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ تم ان چیزوں کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو جو ہرگز تمہارے کام میں نہیں آئیں گی۔

(شیخ نے فرمایا) جب میں نے یہ حکایت بی بی فاطمہ سے کہی تو بولیں میں سمجھ گئی کہ کیا بات ہے؟ ہاں تم نے اچھا کیا کہ اس لڑکی کو قبول نہیں کیا۔

(فوائد الفواد، ج:۵، صفحہ: ۴۱۷)

مولانا بدر الدین اسحاق کی بیوہ:

مولانا بدر الدین الحق رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ کبیر نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ سے آپ کا نکاح کر کے مشرف دامادی سے نوازا تھا۔ حضرت شیخ المشائخ اور مولانا بدالدین اسحاق میں دوستانہ مراسم تھے۔ شیخ المشائخ آپ کو حضرت بابا صاحب کی خدمت میں جو عرضداشت پیش کریں ہوتی تھی وہ مولانا بدرالدین اسحاق کے ذریعہ ہی پیش کرتے۔ ان کے دل میں مولانا بدرالدین اسحاق کے لئے بڑا احترام تھا۔ چنانچہ حضرت بابا صاحب کی وفات کے بعد بھی جب تک مولانا بدرالدین زندہ رہے شیخ المشائخ نے کسی کو مرید نہ کیا۔ مولانا سے حسن ارادت کا اندازہ شیخ المشائخ کے اس ارشاد سے بخوبی ہوتا ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ:

"تنگی حال میں میں پہلے حضرت گنج شکر کو یاد کرتا ہوں اور اس کے بعد شیخ بدرالدین اسحاق کو بارگاہ الٰہی میں شفیع لاتا ہوں۔" (فوائد الفواد، صفحہ:)

شیخ بدر اسحاق بڑے صاحب سوز و بکا صوفی تھے۔ آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہا

کرتی تھیں۔ ایک بار یہ شعر پڑھا۔

پیش سیاست غمش روح چوں نطق نمی زند
اے زہزار صحوہ کم پس تو نواچہ می زنی

اس شعر کے اثر سے بار بار بے خود ہو جاتے تھے۔ پورے دن اس شعر کے ذوق سے عالم تحیر میں رہے۔ عمر کے آخری ایام میں عزلت نشیں ہو کر کسب کمال میں مصروف ہو گئے۔ روز وصال آیا تو آپ نے فجر کی نماز ادا کی پھر اشراق پڑھی پھر بوقت چاشت نماز ادا کی۔ اور سر سجدے میں رکھ کر جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ (ماخوذ اخبار الاخیار، صفحہ: ۱۱۴، مرأۃ الاسرار، صفحہ: ۳۔۸۰۰)

آپ کی وفات کے بعد سلطان المشائخ نے سید محمد کرمانی کو اجودھن بھیج کر ان کی بیوہ بی بی فاطمہ اور دونوں بھانجے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کو دہلی بلا لیا۔ اور ان کی پرورش و پرداخت میں مصروف ہو گئے۔ ان دونوں بچوں کو نعمتوں سے مالا مال کیا۔ اور انھیں روحانی تعلیمات سے سر فراز فرمایا۔ آج تک انھیں دونوں کی اولاد سلطان المشائخ کے مزار مبارک کی خدمت پر مامور ہے۔

انھیں دنوں بعض مفسدہ پردار حاسدوں نے یہ شہرت کر دی کہ آپ بی بی فاطمہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ المشائخ کو اس افواہ سے بے حد رنج پہنچا۔ دہلی چھوڑ کر اجودھن روانہ ہو گئے۔ اس سفر کے دوران بی بی فاطمہ کا وصال ہو گیا۔

خواجہ محمد گوالیاری نے حضرت شیخ المشائخ سے دریافت کیا۔ مجرد رہنا بہتر ہے یا متاہل ہونا؟ حضرت نے فرمایا: عزیمت تجرد میں ہے۔ اور رخصت شادی شدہ ہونا۔ اگر کوئی شخص اسقدر مشغول بحق ہو کہ اس کے دل میں نفسانی خواہشات کا کبھی گذر نہ ہو۔ اور اسے خبر نہ ہو کہ اس کا کیا معنی ہے تو پھر اس کی آنکھیں، زبان اور اعضاء محفوظ رہیں گے۔ اس کو مجرد رہنا چاہئے۔ اور جو اس طرح مشغول بحق نہ ہو سکے اور

اس کے دل میں نفسانی خواہشات آتی ہیں تو اس کو متاہل ہو جانا چاہئے۔

(فوائد الفواد، ج: ۴، صفحہ: ۲۶۴)

ظاہر ہے کہ یہ اصول صرف اعلیٰ طبقہ کے صوفیوں کے لئے ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت نے اصولِ نکاح یا سنتِ نبوی پر کوئی اعتراض کیا ہے۔

☆☆☆

باب چہارم

اخلاق و کردار

اخلاق کریمانہ

حضرت شیخ المشائخ کی ذات جامع مکارم اخلاق تھی۔ صفات علم، عقل، عشق سے (جو کسی دینی وروحانی قائد کے لئے ضروری ہیں) مبدءِ فیاض نے آپ کو خوب خوب نوازا تھا۔ انھیں اوصاف عالیہ کی جانب آپ کے شیخ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر نے عطائے خلافت کے وقت اشارہ فرمایا:

> "اللہ تبارک وتعالی نے تم کو عقل، علم، عشق کی دولت سے نوازا ہے۔ اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی خلافت کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔"

قرآن وحدیث، فقہ وکلام، ادب ولغت کے پختہ علم نے دین کے تقاضوں اور شریعت کی گہرائیوں اور اسلوب کلام سے کماحقہ آشنا کر دیا تھا۔ شعور وعقل کی پختگی نے صحیح وسقیم کی تمیز کا ملکہ اور انسانی نفسیات کے پیچ وخم کا درک عطا کر دیا۔ محبت وشوق کے جذبۂ فراواں نے اخلاص، درد اور سوز دروں کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ علم، عقل، عشق کے کمال توازن نے حضرت خواجہ کو ایک ایسا باکمال شیخ بنا دیا تھا جس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

اخلاص

شریعت کی اصطلاح میں اخلاص تمام عقائد وعبادات کو شرک ونفاق اور ہر طرح کی دنیوی اغراض ومقاصد کی آرائشوں سے پاک وصاف کرنے کا نام ہے۔ ایمان

و عمل کی مقبولیت کا مدار اسی پر ہے۔ اسی اخلاص کے بارے میں سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لاینظرالی صورکم واموالکم ولکن ینظرالی قلوبکم واعمالکم. (مسلم)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال پر ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ آخرت میں کسی نیک کام کی ظاہری شکل پر کوئی انعام نہیں ملے گا۔ عنداللہ اسی کام پر اجر و ثواب ملے گا جس کو خدا کی خوشنودی کے لیے کیا گیا ہے۔ بڑے سے بڑے کام اگر اس کے لیے کیا جائے کہ دوسرے اس سے خوش ہوں یا لوگوں کی نگاہ میں اس کی وقعت بڑھے تو خدا کی نگاہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ ایسا عمل خدا کی میزان پر کھوٹا بلکہ جعلی سکہ قرار دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اخلاص کو ایمان و عمل کے باب میں بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔

مصطفیٰ عروشی رقم طراز ہیں:

"اخلاص مقبولیت ایمان کی روح ہے۔ یہ مقصد تک پہونچنے کے سب سے بڑے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اور سعادت ابدی کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ کیونکہ اس سے رب کائنات کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کا جو بندہ اخلاص سے متصف ہے وہ اہل عنایات میں سے ہے۔ اور اسے سب سے بڑی کرامت عطا کر دی گئی ہے۔"

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا:

"اعمال صورتیں ہیں اور ان کی روح اخلاص ہے"

(شرح رسالہ قشیریہ)

حضرت سلطان المشائخ کی سیرت واخلاق کا پسندیدہ جوہر اخلاص ہے۔ جس نے ان کو معاصر صوفیہ پر تفوق اور خلق خدا میں عام مقبولیت عطا کر دی۔ اور ان کو درجہ محبوبیت پر فائز کر دیا۔ حضرت خواجہ نے اپنے ایمان و عمل کو خالص کر لیا تھا۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور سارے اعمال و عبادات کو اللہ ہی کی رضاجوئی کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ ریاو عُجب کی آلودگی سے ان کا ہر عمل پاک و صاف تھا۔

امیر حسن علا سنجری روایت کرتے ہیں:

"ایک بار مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں۔ اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور نوافل ادا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔ اسی دوران ذکر آیا کہ گزشتہ ایام میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ انھیں امید تھی کہ ان کی عام شہرت ہو گی۔ اور شیخ الاسلام کے عہدہ پر (جو اس زمانہ میں خالی تھا) ان کا تقرر ہو جائے گا۔ یہ سن کر حضرت خواجہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔ بسوز اول شیخ الاسلام را وپس خانقاہ را وبعد ازاں خود را الیی شیخ الاسلامی کو آگ لگا دو۔ پھر خانقاہ کو۔ پھر اپنے کو جلا کر رکھ دو۔"

(فوائد الفواد، ج ۱۔ صفحہ: ۴۰)

پھر فرمایا:

"ایک صالح بقال تھے۔ جو پچیس سال روزے سے رہے اور کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی۔ یہاں تک ان کے اہل خانہ بھی واقف نہ ہو سکے کہ وہ روزہ رکھتے ہیں۔ اگر گھر پر ہوتے تو یہ ظاہر کرتے کہ دوکان پر کچھ کھالیا ہے اور اگر دوکان میں ہوتے تو یہ ظاہر کرتے کہ گھر میں کچھ کھالیا ہے اس

کے بعد فرمایا: اصل میں نیت نیک ہونی چاہیے کیونکہ خلق خدا کی نظر تو عمل پر ہے لیکن خدا کی نظر نیت پر ہے۔ جب نیت خالص ہو تو مختصر عمل بھی پسندیدہ ہے۔"

(ایضاً صفحہ: ۴۰)

خواجہ نظام الدین اولیاء کی زندگی اسی دل سوختگی کا مثالی نمونہ تھی۔ اپنی خانقاہ اور جانشینوں کے بارے میں بھی جن سے تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کا کام لینا تھا اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اس مقام پر پہونچ گئے ہیں کہ حب جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔

مولانا فصیح الدین نے سوال کیا کہ مشائخ کی خلافت کا کون اہل ہوتا ہے؟ فرمایا:

"وہ شخص جو خلافت کا متوقع اور منتظر بھی ہو۔"

(سیر الاولیا، صفحہ: ۳۵۵)

عشق الٰہی

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ کی محبت تمام مقامات سے عالی اور بلند و بالا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام مقامات کے حاصل کرنے سے مقصود یہی ہے۔ سالک کے دل کو ایسی چیزوں سے بچایا جائے جو محبت الٰہی سے محروم رکھتی ہیں، تو یہ صبر و شکر، زہد و خوف وغیرہ اسی محبت کے مقدمات ہیں۔ دوسرے مقامات جو اس کے بعد ہیں اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ جیسے شوق و رضا وغیرہ۔ بندہ کا کمال اس بات میں ہے کہ خداوند تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر ایسی غالب ہو کہ اس میں مستغرق ہو جائے۔ اور اگر اتنا کمال حاصل نہ کر سکے تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ دوسری چیزوں کی محبت پر محبت الٰہی غالب رہے۔"

(کیمیائے سعادت، صفحہ: ۹۱۵)

اقتباس بالا سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حب الٰہی ایک مومن اور سالک راہ طریقت کے لئے بنیادی محور کادرجہ رکھتی ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی اہمیت وضرورت کا تذکرہ جگہ جگہ آیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه (بقرہ) حالانکہ ایمان رکھنے والےسب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (مائدہ) وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔

احادیث نبویہ

☆ جب تک بندہ خدااور رسول کو ہر چیز سے زیادہ دوست اور عزیز نہیں رکھے گا اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔

☆ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول کو ماسوا اللہ سے زیادہ دوست رکھے۔

☆ جب تک بندہ خدا اور رسول کو اپنے مال، اہل وعیال اور تمام خلائق سے زیادہ دوست نہ رکھے اس وقت تک وہ مومن نہ ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلث من كن فيه وجدحلاوة الايمان. ان يكون الله ورسوله احب اليه مما سواهما وان يحب المرء لايحبه الا الله وان يكره ان يعود في الكفر كمايكره ان يقذف في النار (بخاری ومسلم)

رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوں اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے تمام ماسواء سے زیادہ محبوب ہوں۔ اسے جس شخص

سے محبت ہو اللہ ہی کے لئے محبت ہو۔ اور کفر کی طرف پلٹنا اسے اتنا ہی ناگوار ہو جتنی ناگوار اس کے لئے یہ بات ہے کہ اس کو آگ میں ڈال دیا جائے۔

حضرت سرور کائنات ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللهم ارزقني حبك وحب من احبك وحب مايقربني الى حبّك واجعل حبك احب الى من الماء البارد.

الٰہی مجھے اپنی محبت اور اپنے دوستوں کی دوستی اور محبت اور اس چیز کی محبت جو تیری محبت کا سبب ہے عطا فرما۔ اور اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنا۔

اکابر ملت اور صلحائے امت کے اقوال:

☆ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

جس نے حق تعالیٰ کی محبت کا شربت چکھا ہے وہ دنیا سے بیزار اور خلق سے متنفر ہوگا۔

☆ خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ علیہ

جو شخص خدا کو پہچانے اس کو دوست رکھے اور جس پر دنیا کی حقیقت آشکارا ہو جائے وہ دنیا سے بیزار رہے گا۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:۹۱۶)

☆ شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ کی علی الدوام اور مسلسل اطاعت اور اسکے احکام کی خلاف ورزی سے ہمیشہ کے لئے پرہیز و اجتناب کا نام محبت ہے۔

☆ شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

محبت یہ ہے کہ تم اپنے تمام وجود کے ساتھ کسی کی طرف مائل ہو جاؤ۔ پھر تم اس کو اپنے نفس، اپنی روح اور اپنے مال پر ترجیح دو۔ پھر خلوت و جلوت میں اس کے

امر و نہی میں اس کی موافقت کرو۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ تمہیں اس کا احساس دے کہ تم اس کی محبت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہو۔

عشق آں شعلہ ست کہ چو برافروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت شاد باش اے عشق شرکت سوز ماست

پیر رومی نے فرمایا:

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علت ہائے
اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس

حضرت محبوب الٰہی کے تمام اخلاق، احوال و اعمال کا محور عشق الٰہی ہے۔ محبت الٰہی کی یہ آگ ابتداء سے ان کے سینے میں سلگ رہی تھی۔ جسے حضرت با فرید کی صحبت و تربیت نے شعلہ جاں سوز بنادیا تھا۔ جس کے اثر سے ان کی پوری زندگی منور پر سوز رہی۔ اور اپنے گرد و پیش کے ماحول کو بھی گرم اور روشن رکھا۔ خانوادۂ نظامیہ کے مشائخ و صوفیہ صدیوں تک اس کی حرارت سے بزم طریقت کو گرم و منور کرتے رہے۔

سوز باطن اور حرارت عشق کے آثار شیخ المشائخ کے تمام احوال و اقوال افعال و اشغال سے ظاہر ہیں۔

شعلہ ہا آخر ز ہر مویم دمید از رگ اندیشہ ام آتش چکید

ایک مجلس میں ایک حاضر باش نے عرض کیا کہ ایک بزرگ کا وقت وصال قریب آیا تو وہ آہستہ آہستہ اللہ کا نام لیتے جا رہے تھے۔ حضرت خواجہ آبدیدہ ہوئے اور یہ رباعی پڑھی۔

آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں رخسارہ بآب دیدہ شویاں شویاں
بے چارہ ز وصل تو جویاں جویاں جاں می دہم و نام تو گویاں گویاں

ترجمہ: تیری گلی میں خراماں خراماں آرہا ہوں۔ آنسوؤں سے اپنے رخسار

کو ڈھور ہا ہوں۔ تیرے وصل کا جویا اور طالب بن کر جان بھی دے رہا ہوں۔ اور تیرا نام بھی لئے جا رہا ہوں۔ (فوائد الفوائد، صفحہ: ۸۰)

شیخ المشائخ پر عشق الٰہی کا یہ اثر ہوا کہ محبوب حقیقی کے علاوہ کسی کے لئے دل میں جگہ نہ تھی۔

خواجہ حسن سنجری لکھتے ہیں:

"(شیخ المشائخ نے) ایک مرتبہ فرمایا اگر کبھی اتفاق سے ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور اپنے دل میں کہتا ہوں کہ کیا پڑھا۔ پھر خواجہ ابو سعید ابی الخیر کا واقعہ بیان کیا کہ جب وہ کمال حال تک پہنچ گئے تو انہوں نے اپنی پڑھی ہوئی کتابیں ایک گوشہ میں رکھ دیں۔ ایک دن وہی کتابیں سامنے رکھ کر مطالعہ میں مصروف ہوئے تو غیبی آواز آئی "اے ابو سعید ہمارا عہد نامہ واپس کر دو۔ اب تم دوسری چیز میں مصروف ہو گئے ہو۔ خواجہ رو پڑے اور یہ شعر پڑھا۔

تو سایہ دشمنے کجا در گنجی
جائے کہ خیال دوست زحمت باشد

اسی سرور و مستی اور حرارت عشق کا نتیجہ تھا کہ کبر سنی کے باوجود مسلسل روزے رکھتے۔ قلیل غذا، طویل شب بیداری اور سخت مجاہدہ و ریاضت کے باوصف، ضعف و ناتوانی کا اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔ پیرانہ سالی میں بھی نشاط و انبساط کی کیفیت اور چہرے کی نورانیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

وہ (شیخ المشائخ) فرمایا کرتے تھے:

"درویش اہل عشق ہوتے ہیں۔ اور علماء اہل عقل۔ اہل عقل جب تک اللہ جل شانہ، کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے گناہ کا صادر ہونا

ممکن ہے۔ لیکن محبت جب قلب کے گردو نواح میں آجاتی ہے تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اہل محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے تو سجدۂ سہو بجالاتے ہیں۔" (افضل الفوائد)

شیخ المشائخ نے فرمایا:

"علماء اہل عقل ہیں۔ اور درویش اہلِ عشق، علماء کی عقل ان کے عشق پر غالب ہوتی ہے۔ اور درویشوں کا عشق ان کی عقل پر۔ انبیاء میں دونوں حال ہیں۔" (یعنی ان کا توازن ہے)

شیخ المشائخ نے ملتان کے ایک بزرگ علی کھوکھری کا ذکر کیا وہ کسی کے بارے میں اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ جس میں عشق اور درد نہ ہو چاہے اس کا زہد او عبادت کسی درجہ میں ہو۔ آپ نے فرمایا: فلاں میں عشق بالکل نہیں ہے۔ شیخ المشائخ نے فرمایا: یحیٰ معاذ رازی کا قول ہے کہ ایک ذرہ محبت کا تمام آدمی اور پریوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

شیخ المشائخ نے فرمایا:

"شیخ فرید ہر شخص کے لئے یہ دعا کرتے تھے کہ خداوند عزوجل تجھے درد دے۔" لوگ حیران رہتے تھے کہ یہ کیا دعا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اس دعاء کے کیا معنی تھے۔" (فوائد الفواد، ج:۴، م:۱۴، صفحہ :۲۲۶)

نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا:

قولاً، فعلاً اور ارادتاً پیروی پیغمبر علیہ السلام کی کرنی چاہیے۔ تاکہ محبتِ حق تعالیٰ میسر ہو۔ محبت حق تعالیٰ پیغمبروں کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (اے محبوب فرمادو اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔ خدا تم سے محبت کرے گا۔)

فرمایا: محبت تین طرح کی ہوتی ہے۔ اول محبت اسلامی، دوم محبت کسبی جو کسب یا بخت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ سوم محبت خاص۔ اور یہ نتیجہ ترک ماسوا اللہ کا ہے۔ محبت خاص کا نتیجہ جذبہء الٰہی ہے۔ جذبہ من جذبات الرحمان اس محبت خاص کا حاصل ہے۔ (خیر المجالس، م:۵، صفحہ:۲۸)

محبت رسول ﷺ:

خدا کی محبت کے ساتھ رسول ﷺ کی محبت بھی جزو ایمان ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله.

ترجمہ: اے محبوب فرمادو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

آقائے دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولدهٖ و والدهٖ والناس اجمعین.

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت شیخ المشائخ رسول خدا کے سچے عاشق تھے۔ اطاعتِ رسول کا جذبہ صادق ان کے ہر قول و فعل سے ظاہر ہوتا تھا۔ وفات سے چند روز پہلے خواب میں سرور کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ فرمارہے تھے۔ "نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔"

اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لئے بے چین رہتے۔ کھانا، پینا بالکل ترک کر دیا۔ اور ہمیشہ اشکبار رہتے۔ کبھی کچھ کھانے کے لئے اصرار کیا جاتا تو فرماتے۔

کسے کہ مشتاق حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم باشد۔ او طعام دنیا چگونہ خورد

جو شخص حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا مشتاق ہو وہ دنیاوی غذا کیسے استعمال کرے گا؟

حضرت شیخ المشائخ نے پوری زندگی اتباع سنت کا خوب اہتمام کیا۔ کیونکہ راہ صفا میں اتباع رسول کے بغیر ایک قدم بھی چلنا دشوار ہے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا　　　تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

اپنے خلفاء اور مریدین کو بھی سخت تاکید فرماتے کہ وہ اطاعت و اتباع رسول سے ہرگز غافل نہ رہیں۔ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع میں مضبوط و ثابت قدم رہنا چاہئے۔ یہاں تک کہ کوئی مستحب و رد بھی فوت نہ ہونے پائے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۲۸)

تبحر علمی:

علم کے بغیر طریقت و سلوک کے مراحل طے کرنا از بس دشوار ہے۔ بلکہ بسا اوقات بے علم صوفی کی گمراہی کا اندیشہ رہتا ہے۔ دین کے لئے علم ضروری ہے۔ اور وہ خیر نعمت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے اپنے دین کا علم اور فہم عطا فرماتا ہے۔

حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ دین کا علم تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔ جس کو یہ چیز ملی اسے دین و دنیا کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ اس علم کے ذریعہ اپنی زندگی کو بھی سنوارے گا، اور دوسرے بندگان خدا کی زندگی کو بھی نکھارے گا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''ایک دن حضور ﷺ اپنی مسجد میں آئے۔ دو جماعتیں وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ (ایک جماعت ذکر و تسبیح میں مصروف تھی اور دوسری جماعت دین سیکھنے سکھانے میں مشغول تھی) آپ نے فرمایا: دونوں جماعتیں نیک کام میں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت دوسری جماعت سے بہتر ہے یہ لوگ تو ذکر الٰہی اور دعاء واستغفار میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ چاہے گا تو انھیں دے گا۔ اور اگر چاہے کا تو انھیں نہیں دے گا۔ رہی یہ دوسری جماعت تو یہ علم سیکھنے اور سیکھانے میں لگے ہوئے ہیں وہ ان سے بہتر ہیں۔ و **انما بعثت معلماً** (اور میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں) یہ کہہ کر آپ اسی جماعت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ (مشکوٰۃ)

☆ حضرت ابودرداء سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''جو کوئی حصول علم کی غرض سے راہ چلے تو خدا اس کے سبب سے اسے جنت کی ایک راہ چلاتا ہے۔ فرشتے طالب علم کی خوشی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور یقیناً عالم کے لئے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ یہاںتک کہ وہ مچھلیاں بھی جو پانی میں ہوتی ہیں۔ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام تاروں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ پیغمبروں نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا۔ انہوں نے محض علم کی میراث چھوڑی۔ پس جس کسی نے علم حاصل کیا۔ اس نے حصہ کامل حاصل کیا۔''

مذکورہ احادیث سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں علم کا کیا مقام ہے۔ علم دین ہی دولت ہے۔ جسے لیکر انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے۔ اور اپنے بعد وہ اسی کو بشکل میراث چھوڑ گئے۔ جو شخص اس دولت سے فیض یاب نہ

ہوا وہ سب سے بڑا محروم ہے۔ اور جس شخص نے اس میراث کو حاصل کر لیا اس کا دامن مالا مال ہو گیا۔ اس نے کثیر کو قلیل پر اور وقیع کو غیر وقیع پر ترجیح دی۔

ذی علم محبوب خلائق ہوتا ہے۔ اس کی محبوبیت کی شان سارے عالم میں نمایاں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ملائکہ کو بھی ایسے شخص سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ المشائخ بلند پایہ روحانی شخصیت کے ساتھ اپنے دور کے عظیم المرتبت متبحر عالم بھی تھے۔ انہوں نے بدایوں اور دہلی کے ماہرین فن علماء و اساتذہ کی درسگاہوں میں تمام مروجہ علوم و فنون کی تحصیل کی تھی۔ اور پھر اپنے مرشد کامل سے بھی چند کتابوں کا درس لیا تھا۔ اس طرح انہوں نے خداداد صلاحیت، بے نظیر انہماک و توجہ سے قرآن و حدیث، فقہ و کلام اور ادب و لغت میں حاکمانہ دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ اور وہ علم کی گہرائیوں اور علوم و فنون کی باریکیوں سے بخوبی آشنا ہو گئے تھے۔ اس زمانہ کی دلی میں جہاں قدم قدم پر جامع معقول و منقول علماء و فضلا موجود تھے اور ان میں اکثر اپنے فن کے امام تصور کئے جاتے تھے۔ حضرت شیخ المشائخ کا نظام الدین بحاث اور نظام الدین محفل شکن کے ناموں سے مشہور ہونا ان کی عالمانہ عبقریت کا پتہ دیتا ہے۔

ارشاد و تبلیغ اور خانوادۂ چشت کی روحانی سربراہی کے زمانہ میں جب کہ ذکر و اذکار اور لوگوں کی تربیت روحانی اور اہل حاجت کی حاجت روائی میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔ کتابوں کے مطالعہ کے لئے بھی وقت نکال رکھا تھا۔ اسی ذوقِ مطالعہ کی وجہ سے مولانا رکن الدین جعفر نے تفسیر کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ کتابیں نقل کر کے خدمت میں پیش کیں۔

حضرت شیخ المشائخ کا ادبی و شعری ذوق بھی نہایت پاکیزہ و بلند پایہ تھا۔ امیر خسرو جیسے نابغہء روزگار، قادر الکلام، صاحب طرز شاعر کو شاعری میں مشورہ دیا۔ اور رہنمائی فرمائی۔ علم ظاہر و باطن میں کمال اور اخلاص و للّٰہیت، تفکر و مجاہدہ کے

دور میں صوفیہ کی زبانوں پر بہت سی موضوع احادیث جاری تھیں۔

لیکن حضرت نظام الدین اولیاء کا علم حدیث مشکوٰۃ و مشارق الانوار ہی تک محدود نہ تھا بلکہ وہ صحیحین اور دیگر کتب صحاح کا بھی علم رکھتے تھے۔ اور وہ لوگوں کی زبان زد، بے اصل حدیثوں سے استدلال نہ کرتے تھے۔

☆ کسی نے دریافت کیا یہ حدیث کیسی ہے؟ السخی حبیب اللہ و ان کان کافراً۔ جواب دیا۔ یہ کسی کا مقولہ ہے حدیث نہیں۔

☆ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ اربعین کی حدیث ہے۔ فرمایا جو کچھ صحیحین میں ہے صحیح ہے۔

سلطان المشائخ حدیث کے دقائق سے بھی بخوبی واقف تھے۔ جس کا اندازہ ذیل کے چند واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆ شیخ المشائخ نے مولانا وجیہ الدین پائلی سے دریافت کیا۔ اصنعوا کل شئ الا النکاح (چاہے جو کرو نکاح نہ کرو) بظاہر اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نکاح حرام ہے۔ پس واضح کیجئے کہ اس کی توضیح کیا ہوگی؟

تھوڑی دیر توقف کے بعد فرمایا کہ تمہیں بیان کرو۔ سلطان المشائخ نے بیان کیا۔ صحابہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ عورتیں جب حیض کی حالت میں ہوتی ہیں تو بستر علیحدہ بچھاتی ہیں۔ اس سلسلے میں سرکار نے ہمیں یہ حکم دیا کہ اصنعوا کل شئ الا النکاح یعنی وطی کے علاوہ عورتوں کے ساتھ دوسرے افعال میں کوئی حرج نہیں۔

☆ من قتل معاهد الم یرح رائحة الجنة فان ریحه یوجد من منزه خمسمائة (جو کوئی معاہد کو بغیر کسی شرعی عذر کے قتل کرے تو بوئے بہشت نہ سونگھ سکے گا۔ تحقیق کہ بہشت کی خوشبو پانچ سو سالہ مسافت راہ سے سونگھی جا سکتی ہے) ظاہراً یہ حدیث اہلسنت والجماعت کے خلاف ہے۔ تاہم اس حدیث کی بھی

راستہ پر چلنے کی وجہ سے آپ کو حقائق و معارف سے حصہ وافر ملا۔ جو اولیاء مخلصین ہی کے نصیب میں آتا ہے۔ جسے اہلِ معرفت، ''علم لدنی'' کہتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ:

''کسی علم میں گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا تو آپ نور باطن سے اس کا شافی جواب عطا فرماتے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت میں رہ جاتے۔ اور ایک دوسرے سے کہتے یہ کتابی جواب نہیں ہے۔ یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں۔ (سیر الاولیاء)

یہی وجہ تھی کہ شہر دہلی کے اکبر علماء جو تصوف اور اہلِ تصوف کے قائل نہ تھے آپ کے حلقہ بگوش ہوئے۔ اور ان کے علمی غرور اور پندار کے بت ٹوٹ پھوٹ گئے۔

حدیث وفقہ:

سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں سماع کی حلت و حرمت کے موضوع پر جو مناظرہ ہوا تھا۔ اور آپ کے مقابلہ میں دربار شاہی اور دہلی کے نامور علماء تھے۔ اس محضر میں حضرت شیخ المشائخ نے مسئلہ کی تقریر و تنقیح فرمائی۔ اور مخالفین کو خاموش کردیا۔ اس سے حضرت کی وسعتِ نظر اور فقہی و کلامی تبحر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہندوستان میں کتب صحاح کی تعلیم و تدریس کا رواج پیش نہیں ہوا تھا۔ بیشتر لوگ بخاری و مسلم سے بھی ناآشنا تھے۔ مشکوٰۃ اور مشارق الانوار ہی نصابِ حدیث کی آخری کتابیں تھیں۔ اس

ایک تاویل ہے۔ جو یوں کی گئی ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے پیشتر حساب کتاب کے مکان پر اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص سے بہشت کی خوشبو آئے گی۔ تاکہ مومنوں پر حساب کی مشکل گھڑیاں آسان ہو جائیں۔ پس جس کسی نے معاہد کو بلاوجہ قتل کیا ہوگا وہ اس خوشبو سے محروم رہے گا۔ حساب کتاب کی سختی کی وجہ سے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ:۱۱۶)

علم و عمل:

علم و عمل کی فضیلت کے بارے میں حضرت شیخ الشائخ حکیم سنائی علیہ الرحمہ کا ارشاد اس طرح نقل فرماتے ہیں:

"علم اللہ تعالیٰ کی راہ پر لے جاتا ہے۔ جہل نفس امارہ، جاہ و جلال کی طرف لے جاتا ہے۔ بے علم جان، تن کو بھی مردہ کر دیتی ہے۔ جیسے بے برگ شاخ بے میوہ ہوتی ہے۔ علم سے حکمت سنور جاتی ہے۔ اگر سنگ میں جوہر نہ ہو تو لعل کیسے بنے۔ عالم ہونا خدائی صفات میں سے ہے۔ علم خواں مصطفائی صفات کا مفسر ہے۔ بغیر پانی کے کوئی کھیتی پھل پھول نہیں لاتی۔ بیج بھی مغز کے بغیر پھل نہیں دیتا۔ علم کے بغیر وِرد ایسے ہی ہے جیسے شور و بنجر زمین میں بیج۔ اور وِرد کے بغیر علم یوں ہے۔ جیسا کہ قبر پر لکھا کتبہ۔ وہ علم جو صرف دنیاوی جاہ و حشمت کے لئے حاصل کرے وہ محض دیدہ ریزی ہے۔ اور مفت میں مشقت جھیلنا ہے۔ برا علم پڑھو گے اور بھی بدتر ہو جاؤ گے۔ نیک علم حاصل کرو گے تو نیک تر ہو جاؤ گے۔ ظن و گمان کے بجائے علم کی طرف جانا بہتر ہے۔ جسمانی ہوا و ہوس سے معرفتِ ذات بدرجہا بہتر ہے۔ دوست دشمن سبھی کو ساز و سامان ہے۔ روح کو علم اور تن کو عمل ایک سالہ بچھڑے کی قیمت تو دو درم ہوتی ہے۔ لیکن لحظہ بھر کے علم کی قیمت ایک دینار ہے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ:۵۶۳)

حضرت شیخ المشائخ نے حکیم سنائی کی اس ہدایت پر کابند رہ کر زندگی کا سفر پورا کیا وہ طلب علم اور اس پر عمل سے کبھی سے غافل نہ رہے۔

سخاوت وایثار:

ارشاد خداوندی ہے۔

یؤثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ	وہ لوگ اپنے نفس پر ایثار کرتے ہیں درانحالیکہ وہ خود ضرورت مند رہتے ہیں۔

ارشادات نبوی:

☆ السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنۃ بعید من النار (ترمذی)	☆ سخی بندہ اللہ سے قریب ہے۔ اللہ کے بندوں سے قریب ہے۔ جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے۔
☆ انفق انفق علیک (بخاری ومسلم)	☆ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔
☆ لو کان عندی مثل احد ذھبا لسرنی انی لا یمر علی ثلث لیال و عندی منہ شئ الا شئ ارصدہ لدین (بخاری ومسلم)	☆اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو میری خوشی یہی ہوتی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گذریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی بچے۔ بجز اس کے کہ میں کسی قرض کی ادائیگی کے لئے اس میں سے کچھ روک لوں۔

سرور کائنات ﷺ ایثار و سخاوت کے پیکر تھے۔ اہل حاجت کی ضرورتوں کو اپنی ضروریات پر ہمیشہ ترجیح دیتے۔

☆حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے گھر میں ہم نے کبھی تین دن (مسلسل) سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ حالانکہ ہم کھا سکتے تھے۔ لیکن ہم ایثار کیا کرتے۔ (کیمیاء سعادت)

☆ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ دور تک

بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے۔ اس نے آپ سے درخواست کی۔ آپ نے ساری بکریاں اسے عطا کر دیں۔ قبیلہ میں جا کر اس نے کہا کہ اسلام قبول کر لو۔ محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت شیخ المشائخ نے سرور کائنات کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنالیا تھا۔ زندگی کا ابتدائی دور تو فقر و فاقہ اور تنگ دستی میں بسر ہوا۔ مگر توکل و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ان ایام میں بھی بذل و عطا اور بخشش و کرم کے حیرت انگیز واقعات دیکھنے میں آتے۔

شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

"ایام جوانی میں حضرت شیخ المشائخ جب دہلی آئے۔ اس وقت دہلی میں ایک مجذوب سلطان معین الدین تھے۔ یہ حضرت کو ملے۔ اور انہوں نے کہا ہمارے لئے کچھ لاؤ۔ اس وقت حضرت کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ سلطان معین الدین کو بازار میں لے گئے۔ اور اپنی عبا یا دستار کسی کے ہاتھ میں فروخت کر کے مطلوبہ چیز سلطان معین الدین کو دلادی۔

(نفائس الانفاس، ۳۰ر شوال ۷۲۲ھ)

جب نذر و فتوح کا دروازہ کھلا اور صبح سے شام تک بے اندازہ نذرانے، رقوم اور اجناس کی شکل میں آنے لگے تو آپ کے بذل و سخا اور بے نظیر ایثار کا ہاتھ بھی کھل گیا۔ خانقاہ کی فیاضی اور غرباء پروری کے سامنے سلاطینِ دہلی کے دربار ہیچ نظر آنے لگے۔ سلطان مبارک شاہ نے اپنے امراء و اعیانِ سلطنت کو حضرت کی زیارت اور نذر و فتوح پیش کرنے سے روک دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح خانقاہ کی رونق جاتی رہے گی۔ مگر فیاضی و سخاوت کا جو چشمہ اس خانقاہ سے پھوٹا تھا وہ پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جاری رہا۔

☆ حضرت محبوب الٰہی جب اپنے مرشد کامل کی خدمت میں تھے تو ایک

موقع پر اپنی دستار رہن رکھ کر مرشد کے لئے لوبیا خریدی۔ اور اسے جوش دے کر ان کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس میں نمک اس انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا۔ انہوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کر کے فرمایا "تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی۔ نمک بھی خوب ڈالا۔ خدا کرے تمہارے باورچی خانہ میں ستر من نمک خرچ ہوا کرے۔" مرشد کی دعاء سے حضرت محبوب الٰہی کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا۔ کئی ہزار فقراء اور مساکین روزانہ آپ کے دستر خوان پر آسودہ ہو کر کھانا کھاتے۔

☆ حضرت محبوب الٰہی اپنے مرشد کا عرس بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ جس میں لاکھوں روپے صرف ہوتے۔ اور دلی کے علاوہ دوسرے مقامات سے بھی ہزاروں ارادت کیش جمع ہوتے۔ ان کی ضیافت شاہانہ انداز سے ہوتی۔ اور ہر عرس کے موقع پر شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا۔ کچھ نقد رقم بھی بھیجی جاتی۔

☆ ایک تاجر کو ملتان کے قریب رہزنوں نے لوٹ لیا۔ وہ تباہ حال تاجر شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی شفارس لے کر محبوب الٰہی کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت نے خادمِ خاص سے فرمایا۔ صبح سے چاشت تک جو فتوح جمع ہوں وہ سب اس سوداگر کے حوالے کر دو۔ چاشت تک بارہ ہزار تنکے آئے۔ یہ ساری رقم سوداگر کو دے دی گئی۔ (نفحات الانس)

☆ ایک بار ایک طالب علم آپ کی خانقاہ میں آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کے پاس کثرت سے فتوح آتی تھیں۔ پہلے اس طالب علم کو کھانا کھلایا۔ پھر آپ نے خادم خاص اقبال سے فرمایا اسے آدھا تنکہ دیدو۔ اقبال نے کہا۔ اس وقت موجود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کسی سے لے کر دیدو۔ اس وقت اتفاق سے کسی سے آدھا تنکہ نہ مل سکا۔ خانقاہ میں ایک بیل بندھا ہوا تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ اس بیل کو بازار میں بیچ آؤ۔ اسے لیکر بازار گئے۔ (بازار کا وقت گذر چکا تھا) وہ بیل بھی نہ بک سکا۔ اسے واپس لے آئے۔ طالب علم نے کہا یہ بیل ہی مجھے دے دیجئے۔ میں بیچ لونگا۔ وہ

چار پانچ تنکہ کا تھا۔ اخی مبارک نے حضرت سے جا کر کہا۔ طالب علم کہتا ہے وہ بیل ہی اسے دے دیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں اسے دے کر رخصت کر دو۔

(نفائس الانفاس، ۳ ربیع الاول، ۳۲۲ھ)

☆ایک دن ایک شخص حضرت کی خدمت میں آیا۔ اور کہنے لگا۔ میرے گھر میں دو کنواری لڑکیاں ہیں۔ اور اتنی حیثیت نہیں کہ ان کی ضرورت پوری کر سکوں۔ (شادی) یہ سن کر حضرت نے خادم سے قلم دان طلب کیا۔ پھر ایک رقعہ پر تحریر فرمایا۔ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها آپ نے اس شخص کو رقعہ دیتے ہوئے فرمایا "ملک قیرہ بیگ کے پاس جا کر ان سے اپنا حال بیان کرو۔ اور یہ رقعہ اس کو دے دینا۔ وہ شخص گیا اور ملک قیرہ بیگ کو رقعہ پیش کیا۔ ملک نے حضرت کی تحریر پہچان لی۔ اس کا حال غور سے سنا۔ اس زمانہ میں ملک کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔ اس کا جہیز جمع ہو رہا تھا۔ ملک نے تمام زیورات، کپڑے اور ساز و سامان اس شخص کے حوالے کر دیئے۔

ملک قیرہ بیگ دوسرے دن جب سلطان علاء الدین خلجی کے دربار میں حاضر ہوا تو سلطان نے پوچھا قیرہ بیگ کل کا ماجرا کیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ سلطان کو کیسے خبر ہوئی۔ اس نے واقعہ بتایا۔ تو بادشاہ نے بڑے شوق سے پوچھا شیخ نے کیا لکھا تھا؟ اس نے رقعہ کا مضمون بتایا۔ بادشاہ نے قیرہ بیگ کو کافی سراہا۔ اور کہا تم نے جو جہیز تیار کر رکھا تھا اس کی فہرست لاؤ۔ قیرہ بیگ نے فہرست پیش کی۔ بادشاہ نے زیورات کی فہرست اپنے خزینہ دار کو دیتے ہوئے حکم دیا کے اس کے دس گنے قیرہ بیگ کو دے دو۔

☆ایک بار آپ نے خواجہ اقبال سے کسی شخص کے بارے میں کہا انھیں شکر کی ایک پڑیا دیدو۔ وہ شخص پڑیا لے کر چلا گیا۔ گھر جا کر پڑیا کھولی تو اس میں دس تنکے (اس زمانہ کا سکہ) ملے۔ اس نے سوچا۔ اقبال نے یہ پڑیا مجھے غلطی سے دے دی ہے۔ پھر خانقاہ میں واپس آیا۔ اور حضرت کی خدمت میں وہ پڑیا پیش کرتے ہوئے

عرض کیا۔ یہ پڑیا بدل گئی ہے۔ اس میں شکر نہیں تنکے (روپے) ہیں۔ اس لئے واپس لایا ہوں۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ ارے خواجہ یہ تو تمہیں اللہ دے رہا ہے۔ ہم درمیان میں کون ہوتے ہیں تم انھیں لے جاؤ۔ اور اپنے مصرف میں لاؤ۔

☆ حضرت خود تو سادہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ مگر نذرانے میں بیش قیمت کپڑے بھی آیا کرتے تھے۔ جسے لوگوں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو قیمتی کپڑے کا تھان عطا فرمایا تھا۔ وہ گھر سے لوٹ کر آیا اور سونے کے چند سکے حضرت کو واپس کرتے ہوئے عرض کیا۔ یہ غلطی سے تھان میں لپٹ کر چلے گئے تھے۔ حضرت نے اس سے فرمایا جب خدا تمہیں دے رہا ہے تو میں کون ہوتا ہوں۔ یہ دینار تمہارے ہی لئے ہیں۔ لے جاؤ خرچ کرو۔

حضرت کا معمول تھا کہ جمعہ کی صبح کو یا جمعرات کو نماز عشاء کے بعد تجرید کرتے تھے۔ اور خانقاہ میں جو کچھ سامان ہوتا تھا سب نکلوا کر فقراء و مساکین اور اہل حاجت میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ اس کا قاعدہ یہ تھا کہ شہر سے آئے ہوئے جو لوگ موجود ہوتے تھے انھیں دس دس، بیس بیس آدمیوں کے حصے دے کر ہدایت کرتے کہ انہیں تقسیم کردو۔ اس طرح خانقاہ میں کچھ بھی باقی نہ بچتا تھا۔ مگر صبح کو فجر کی نماز کے بعد واپس جانے والے مسافروں کو رخصت کرنے کے لئے حضرت تشریف فرما ہوتے تو انھیں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی کر رخصت فرماتے۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی کہ رات تو سب کچھ تقسیم ہو چکا تھا۔ اب یہ کہاں سے آرہا ہے؟

بخشش و عطا کے لئے حضرت نے کچھ قاعدے بھی مقرر فرمائے تھے۔ غیاث پور اور قرب و جوار کے باشندوں کو روزینہ ملتا تھا۔ جو لوگ شہری ہوتے انھیں ہفتہ وار وظیفہ دیا جاتا تھا۔ آس پاس کے قصبات سے آنے والوں کے لئے ماہانہ مقرر تھا۔ دور دراز والوں کے لئے ششماہی یا سالانہ وظیفہ مقرر فرمادیا تھا۔

''ایک بار مجلس میں روپیہ جمع کرنے والوں کا تذکرہ ہوا۔ شیخ المشائخ نے

ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف طبیعتوں کے لوگ پیدا کئے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو مقررہ خرچ سے زیادہ مل جائے تو جب تک اسے خرچ نہیں کر لیتے انھیں چین نہیں آتا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جس قدر زیادہ انھیں ملتا ہے وہ اور زیادہ کی خواہش کرتے ہیں۔ یہ ازلی قسمت ہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ سونے چاندی سے آرام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے خرچ کیا جائے۔ جب تک اسے خرچ نہ کیا جائے آرام حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کھانے، پینے یا کپڑے کی آرزو کرے تو جب تک وہ روپیہ نہیں خرچ کرے گا۔ اپنی خواہش پوری نہ کر سکے گا۔ پس معلوم ہوا کہ اگر روپیہ سے راحت حاصل ہو سکتی ہے تو خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ کہ جمع کرنے سے۔

(فوائد الفواد، ج:ا م:٦، صفحہ:۳۴۹)

خدمت خلق اور دل جوئی:

آقائے دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قال رسول الله ﷺ سید القوم فی السفر خادمهم فمن سبقهم بخدمة لم یسبقوه بعمل الا الشهادة (بیهقی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قوم کا سردار سفر میں لوگوں کا خادم ہے۔ پس جو شخص خدمت کر کے ان پر سبقت لے جائے اس سے کوئی شخص کسی بھی عمل کے ذریعہ سے بازے نہیں لے جا سکتا الا یہ ہے کہ شہادت کا رتبہ اسے حاصل ہو۔

عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه و من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته و من فرج عن مسلم کربة فرج الله

عنه كربة من كربات يوم القيمة و من ستر مسلما ستره الله يوم القيمة (بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لئے) نہ خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کئی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت اس سے دور کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔

حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء نے ذاتی ریاضت و مجاہدہ، عبادت و طاعت کے علاوہ خدمتِ خلق کی اس سعادت کو بھی اپنے دامن کردار میں جمع کرنے کا التزام کیا تھا۔ انہوں نے اپنی خانقاہ کے دروازے صبح و شام صرف ارادت مندوں، مریدوں اور احباب ہی کے لئے کھلے نہ رکھے بلکہ عام اہل حاجت و ضرورت اور گوناگوں مصائب و معاملات میں گھرے ہوئے انسانوں کے لئے بھی وہ ہمیشہ پریشان رہتے۔ اور ان کے مسائل کو حل فرماتے۔ زخمی دلوں پر مرہم رکھتے۔ مضطرب لوگوں کو اطمینان قلب بخشتے، پریشان حالوں کو سکون و طمانیت کی دولت سے سرفراز فرماتے۔ ان کے نزدیک انسانوں کے کام آنا ہی سب سے بڑی انسانیت اور شیخی ہے۔ وہ فرماتے تھے:

"طاعت دو قسموں کی ہوتی ہے۔ لازمی اور متعدی۔ طاعت لازمی وہ ہے جس کا فائدہ صرف طاعت کرنے والے کے نفس کو پہنچے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج اوراد و تسبیحات اور اس قسم کی چیزیں۔ طاعت متعدی وہ ہے

جس کی راحت اور منفعت دوسروں کو پہنچے۔ یعنی انسانی محبت اور شفقت کے ساتھ جہاں تک اس کے بس میں ہو دوسروں کے حق میں مہربانی کرنے سے اس کو طاعت متعدیہ کہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب حد اور انداز سے زیادہ ہے۔ طاعتِ لازمی کے لئے خلوص نیت ضروری ہے۔ لیکن طاعت متعدیہ جس طرح سے بھی ہو باعث اجر و ثواب ہے۔

(فوائد الفواد، ج:۱، م:۱۲، صفحہ:۲۱)

طاعت متعدیہ کے اصول پر حضرت شیخ المشائخ ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ وہ لوگوں کے دکھ درد سے حد درجہ رنجیدہ ہوتے۔ اور خلق خدا کی پریشانی سے پریشان ہو جاتے۔ انہوں نے حدیث رسول لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس کو اپنا منشورِ حیات بنالیا تھا۔

"ایک دن خانقاہ میں لوگوں کا ہجوم لگایا ہوا تھا۔ سایہ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ لوگ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے دیکھا تو لوگوں سے فرمایا "مل جل کر بیٹھ جاؤ تاکہ دوسروں کے لئے بھی جگہ نکل آئے۔ دھوپ میں لوگ بیٹھے ہیں اور میں جل رہا ہوں۔"

(سیر الاولیاء، صفحہ:، فوائد الفواد، صفحہ:)

اصل دردمندی یہی ہے کہ دوسروں کے دکھ کو اپنا ذاتی دکھ سمجھا جائے۔ حضرت شیخ المشائخ خود تو دنیا سے فارغ البال تھے۔ لیکن دنیا والوں کے غم اور خلق خدا کی فکروں سے متفکر ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنا غم فراموش کر دیا تھا۔ مگر ساری دنیا کے غم کو اپنا غم بنالیا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر کے بھانجے شیخ شرف الدین کو شیخ الاسلام رکن الدین فردوسی کے خلیفہ شیخ بدر الدین سمرقندی کے عرس میں دعوت دی گئی جہاں بہت سے اکابر صوفیاء موجود تھے۔ ان میں سے ایک صوفی نے کہا کہ خواجہ

نظام الدین بڑے فارغ البال بزرگ ہیں۔ مجرد ہیں۔ اہل و عیال و اطفال کا کوئی ان کو تردد نہیں ہے۔ انکو ایسا فراغ حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔ شیخ شرف الدین نواسہ، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی مجلس سے اٹھ کر سیدھے شیخ الشائخ کی بارگاہ میں آئے تاکہ اس واقعہ کا تذکرہ کریں۔ حضرت نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا:

"میاں شرف الدین وہ رنج و غم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اس سے دوچند فکر و تردد اور غم والم مجھے ہوتا ہے۔ بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے۔ اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے المخلصون علی خطر عظیم (مخلصین کو بڑا خطرہ محسوس ہوتا ہے) اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ ع

نزدیکاں را ترا از بیش بود حیرانی

☆ حضرت خواجہ دلوں کی راحت رسانی کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور اس اصول پر پوری عمر کاربند بھی رہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی۔ اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کہ مومن کا دل اسراریت کا مقام ہے۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔

می کوش کہ راحتِ بجانے برسد

یا دست شکستہ ء بنانے برسد

ترجمہ: کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے۔ یا جو دست شکستہ ہے اس کو تمہارے ذریعہ سے روٹی ملے۔

ایک بار فرمایا:

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قدر و قیمت نہ ہوگی جتنی دل کا

خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کی۔" (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۳۹)

خلقِ خدا کو حضرت کی غمگساری اور ان کی فیاضی و سخاوت کا خوب علم تھا۔ اور انھیں معلوم تھا کہ اس آستانہ کرم سے محرومی نہیں۔ بلکہ کامرانی ملتی ہے۔ خانقاہ میں جو بھی آتا خالی ہاتھ یا تحائف کے ساتھ۔ دل میں کوئی مقصد ضرور لاتا۔ کچھ لوگ روحانی اصلاح و تربیت کی غرض سے آتے۔ مگر اکثر لوگ کسی دنیاوی مقصد کے لئے آتے۔ اور اس اعتقاد کے ساتھ آتے کہ شیخ کی دعاء سے ان کے مسائل حل اور مشکلات دور ہو جائیں گی۔

حضرت والا ہر شخص سے اس کی پریشانی اور ذہنی کیفیت معلوم کرتے۔ پھر اس کی پریشانی کو اپنے اوپر طاری کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔ کسی کو وظیفہ بتادیتے۔ کسی کو کچھ روپیہ، کپڑا عطا فرمادیتے۔ کسی کے لئے سفارش کا خط لکھ دیتے۔ لوگوں کے مسائل و معاملات بھی گوناگوں نوعیتوں کے ہوا کرتے تھے۔ روزانہ قسم قسم کے مسائل والے آتے۔ اور وہ ہر ایک سے اس خلوص اور ہمدردی سے پیش آتے کہ ہر آنے والے کو راحت پہنچانا ہے۔ شیخ پہلے دلجوئی کی کوشش کرتے۔ کبھی کوئی سر پھرا بھی آجاتا جو بدتمیزی اور بیباکی پر اتر آتا۔ خانقاہ کے لوگ بھی برہم ہو جاتے لیکن شیخ اسے بھی راضی کئے بغیر جانے نہ دیتے۔

عوام و خواص کی دلداری اور دلدہی کے نہ جانے کتنے کام تھے جو صبح سے شام تک حضرت شیخ نظام الدین اولیاء انجام دیتے۔ کیونکہ آپ دلوں کو راحت پہنچانا تعلیم تصوف کا خلاصہ تصور کرتے تھے۔ وہ شیخ ابو سعید ابی الخیر کا یہ واقعہ بیان کیا کرتے تھے:

> "کسی نے ان سے پوچھا کہ حق کی طرف کتنے راستے گئے ہیں۔ جواب دیا موجودات کے ہر ذرہ کی گنتی کے برابر خدا کی طرف راہیں گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہمارا تجربہ رہنمائی کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ دلوں کو راحت

پہنچانے سے زیادہ نزدیک کوئی راہ نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ پایا اسی راہ سے پایا۔ اور اسی کی ہم وصیت کرتے ہیں۔ شیخ کا ذاتی تجربہ بھی یہی تھا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک کتاب دی گئی جس میں تحریر تھا۔ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچا۔

می کوش کہ راحتے بجانے رسد
یا دست شکستہ بنانے برسد

شیخ نے تمام عمر اسی مقصد خیر کے لئے جدو جہد کی۔ پریشان حالی، منتشر الخیل لوگ ان کی خانقاہ میں آتے۔ اور ان کی تعلیم سے وہ روحانی قوت حاصل کرتے۔ جو ان کی زندگی کا محور بدل دیتی۔ وہ مادی وسائل کے بغیر خوش رہنے کا راز جان لیتے۔ ان میں توکل، قناعت اور استغناء کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ جو انسانیت کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اور جس کے ذریعہ انسانی زندگی محرومیوں کے احساس سے نجات پاتی ہے۔ جو شکستہ حال آتا ممکن نہ تھا کہ شیخ اس کے دل کو آرام پہنچانے کا سامان نہ کریں۔ قلب کی گوناگوں پریشانیوں اور پیچیدہ مسائل کا حل تو فوراً ممکن نہ تھا مگر شیخ اس بات کی کوشش کرتے کہ مسائل میں گھرے ہوئے انسانوں کو طمانیت قلب حاصل ہو جائے۔

بذل و عطاء:

حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ دین و دنیا کی سعادتوں کا مجمع البحرین بن گئی تھی۔ اس بارگاہ سے ہر طرح کے لوگ فیض یاب ہوتے تھے۔ صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے:

"وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا اور سعادت قدمبوسی حاصل کرتا کسی کو محروم نہ فرماتے۔ پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا، سبھی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا۔ جو بھی آتا جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا۔" (سیر الاولیاء)

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فتوحات کا یہ عالم تھا کہ دولت کا دریا دروازے کے آگے بہتا تھا۔ کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا۔ صبح سے شام تک لوگ آتے۔ بلکہ عشاء تک۔ مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے۔ اور جو کچھ کوئی لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا۔" (خیر المجالس، صفحہ: ۲۰۲)

حضرت کی عادت بن چکی تھی کہ قیلولہ سے اٹھنے کے بعد دو باتیں ضرور دریافت فرماتے۔ ایک یہ کہ زوال ہو گیا؟ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں؟ تاکہ اس کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۴۰)

دنیا جس قدر آپ کی طرف مائل ہوتی اتنی ہی دنیا سے تنفر بڑھتا گیا۔ بقول شیخ الشیوخ "مگر دنیا تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔" آپ پر دنیا کبھی حاوی نہ ہو سکی۔ اکثر روتے۔ جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنا زیادہ گریہ کرتے۔ اور اسی قدر کوشش ہوتی کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد آدمی بھیج کر ہدایت کرتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے۔ جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورت مندوں کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر حاصل ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے۔ جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو۔ اس کے بعد مسجد جاتے۔ بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا۔ اور ان کے نذرانے اور ان کی آمد کی خبر سنتے تو آہِ سرد کھینچ کر فرماتے۔ کہاں آئے ہیں۔ فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۳۹)

☆ فرمان نبوی ہے:

توخذ من اغنیائھم و ترد علی فقرائھم.

کی شرح شیخ المشائخ کا دست جود و عطا تھا۔ مال صوفی سبیل است کا منظر خواجہ نظام الدین کی بارگاہ میں جود و سخا میں نظر آتا ہے۔

عفوو در گذر:

رسول گرامی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من رجل یصاب بشیٔ فی جسدہٖ فتصدق بہ الا رفعہ اللہ بہ درجۃ وحط عنہ خطیئتہ (ترمذی)

"جس شخص کے جسم کو زخمی کیا گیا ہو اور وہ اس کو معاف کر دے جس نے اسے زخمی کیا ہو تو اللہ تعالیٰ لازماً اس کا درجہ بلند فرماتا اور اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔"

جس نے کسی شخص سے زخم تن یا اذیت قلب پائی اگر وہ انتقام کی قوت رکھنے کے باوجود بدلہ نہ لے بلکہ ظالم کو معاف کر دے تو یہ اس کی اعلیٰ ظرفی کا واضح ثبوت ہے۔ اور عام لوگوں کی اخلاقی سطح سے بلند و برتر ہے۔ اور اس کے اندر صبر و تحمل کی غیر معمولی قوت موجود ہے۔

حضرت شیخ المشائخ اخلاق و کردار کے اسی بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ وہ دشمنوں کی عداوت و ظلم کا شکوہ نہیں کرتے۔ انہوں نے ظلم کا جواب ظلم سے نہیں دیا۔ بلکہ دشمنوں کی ہر شقاوت و ستم کو برداشت کرتے رہے۔ اور اس کے حق میں حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔

حضرت محبوب الٰہی نے اپنے ارادت کیشوں کو اس باب میں جو نصیحتیں فرمائیں وہ بڑی قیمتی ہیں۔

(۱) سلطان المشائخ نے فرمایا:

"دو چیزیں ہیں نفس اور قلب۔ اگر ایک شخص نفس حیوانی سے پیش آتا ہے تو دوسرے کو قلب (روح انسانی) کام لینا چاہئے۔ نفس کی فطرت میں دشمنی، غوغا اور فتنہ ہے۔ قلب میں سکون، رضا اور محبت ہے۔ پس اگر ایک آدمی نفس سے کام لیتا ہے اور دوسرا قلب سے تو نفس مغلوب

ہو جائے گا۔ لیکن اگر فریقین نفس کا نفس سے مقابلہ کریں تو جھگڑے اور فتنے کی کوئی حد نہیں رہتی۔ (فوائدالفواد، ج: ۴، م: ۶، صفحہ: ۶۱۱)

(۲)

"خلق خدا کا معاملہ تین طرح کا ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی سے نہ تو کسی کو فائدہ پہنچے نہ نقصان۔ ایسے لوگوں کا حال جماد جیسا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ نقصان نہیں پہنچا۔ یہ (ذرا) بہتر ہے۔ تیسری قسم ان دونوں سے اچھی ہے اور وہ ایسے آدمیوں کی ہے جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انہیں نقصان پہنچاتا ہے تو وہ اس کا بدلہ نہیں لیتے۔ اور برداشت سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ صدیقوں کا کام ہے۔" (فوائدالفواد، ج: ۵، م: ۱۳، صفحہ: ۹۹۱)

(۳) ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"ظلم کو برداشت کرنا بہتر ہے۔ اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

ہر کہ باما یار بنود ایزد او را یار باد
و آنکہ مارا رنج دا در احتشش بسیار باد
ہر کہ اودر راہِ خارے نہد از دشمنی
گلے کز باغ عمرش بشکفتہ بے خار باد

ایک دن فرمایا:

"دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔" فرمایا:

"اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھدو۔ تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائیں

گے۔ لوگوں کے درمیان عام اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کیساتھ ٹیڑھا۔ درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کے ساتھ بھی سیدھا۔"

ایک بار فرمایا:

"برا کہنا بھی برا ہے۔ لیکن برا چاہنا اس سے کہیں برا ہے۔"

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۵۵۴)

حضرت شیخ المشائخ ایک بار سخت بیمار ہوئے۔ اور شدید علالت کا سلسلہ دو ماہ تک جاری رہا۔ ایک شخص جو علامات سحر کی شناخت میں ماہر تھا۔ بلایا گیا۔ اس نے دروازہ کے سامنے اور چاروں طرف چکر لگایا۔ ہر جگہ سے کچھ مٹی اٹھاتا۔ اور سونگھتا جاتا۔ ایک جگہ سے مٹی اٹھائی اور کہا یہاں کی زمین کھودو۔ زمین کھودی گئی۔ تو سحر کی مدفون علامتیں ظاہر ہوئیں۔ ان چیزوں کو پھینکنے کے بعد بیماری جاتی رہی۔ اس شخص نے عرض کیا مجھے اتنی مہارت ہے کہ اگر حکم ہو تو میں ان تمام لوگوں کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔ جنہوں نے یہ جادو کیا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

"ہرگز کسی کا نام نہ لو، جس نے جو بھی کیا ہے۔ میں اس کو معاف کرتا ہوں۔" (فوائد الفواد، ج: ۴، ۱۲ار شعبان ۷۱۷ھ صفحہ: ۲۹۸)

دشمنوں سے حسن سلوک:

اسوۂ نبوی کی اتباع نے شیخ المشائخ کی ذات کو خلقِ حسن کا پیکر بنا دیا تھا۔ وہ اپنوں کے ساتھ جس اخلاق و مروت کا برتاؤ کرتے تھے وہی طرز عمل مخالفین کے ساتھ بھی روا رکھتے تھے۔ حسن اخلاص نے آپ کو طریقت و سلوک کے اس درجہ تک پہنچا دیا تھا جہاں سالک کے دل سے رنج و شکایت اور جذبہ انتقام اور ایذا رسانی کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ دشمنوں کی مخالفانہ روش سے دل برداشتہ ہو کر اسی اسلوب میں اس کا جواب نہیں دیتے۔ بلکہ اس کے مظالم اور ناروا جسارتوں کا مشکور

اور اس کے حق میں دعائے خیر کرتے۔

استغناء:

عن انس ان النبی ﷺ قال من کان نیته طلب الآخرة جعل الله غناه فی قلبه و جمع له شمله و اتته الدنیا و هی راغمة و من کانت نیته طلب الدنیا جعل الله الفقر بین عینیه و شقت علیه امره ولا یاتیه منها الا ما کتب له.

(ترمذی شریف)

"حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی نیت (اعمال میں) طلب آخرت کی ہو خدا اسے غناء قلبی سے بہرہ مند فرماتا ہے۔ اور انتشار کو دور کر کے اسے جمع خاطر عطا فرماتا ہے۔ دنیا اس کے پاس آتی ہے اور وہ اس کے نزدیک ذلیل و بے وقعت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جس شخص کی نیت (اعمال میں) طلب دنیا کی ہو خدا افلاس کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ اس کے کام میں انتشار اور پریشانی ڈال دیتا ہے۔ ان سب کے باوجود دنیا اسے بس اسی قدر ملتی ہے جو اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ استغناء کی دولت کسی کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک وہ دنیا میں طالبِ دنیا بننے کے بجائے طالب آخرت بن کر زندگی نہ گذارنے لگے۔ آخرت کی طلب دراصل ہماری تمام تر ذہنی و فکری پراگندگی اور پریشانیوں کا علاج ہے۔ اس میں انسان کو وہ سکون اور جمعیت خاطر میسر آتی ہے۔ جس کا عام آدمی تصور نہیں کر سکتا۔ طالب آخرت کو اللہ تعالیٰ استغناء کی دولت سے نوازتا ہے۔ جو زندگی کی سب سے بڑی دولت ہے۔

حضرت سلطان المشائخ کی روحانی شخصیت کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی

دولت استغناء سے نوازہ تھا۔ ان کی نگاہ میں دنیا اور اسباب دنیا کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ طلب علم پھر طلب آخرت کی سچی لگن نے ان کو طلب دنیا سے ہمیشہ دور رکھا۔ بچپن اور جوانی کے ایام سخت عسرت میں بسر ہوئے۔ خانقاہِ چشت کی سجادہ نشینی کے بعد جب فتوح کے دروازے کھلے تو وہ سارا مال غرباء و مساکین اور درویشوں کے لئے مخصوص تھا۔ جس کا تذکرہ سخاوت کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

مشائخ چشت کی طرح انہوں نے شاہی جاگیر و تحائف سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ اگر کوئی بادشاہ یا شہزادہ ہدیہ یا تحفہ پیش کرتا تو ایک سرد آہ کھینچتے کہ آہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۴۰)

☆ ایک بار ایک عقیدت مند ملک نے دو باغ کچھ زمین اور دوسرے قسم کا ساز و سامان باضابطہ لکھ کر نذر کرنا چاہا۔ لیکن حضرت محبوب الٰہی نے ان کو قبول نہ کیا۔ اور مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کر لوں تو لوگ مجھے یہی کہیں گے کہ شیخ اب باغ میں جاتے ہیں۔ اور اپنی زمین اور باغ کا تماشا دیکھتے ہیں۔ یہ میرے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔ پھر اشکبار ہو کر فرمایا:

"از خواجگان ماو مشائخان ماہیچ کس ازیں قبول نہ کردہ است"

(فوائد الفواد، صفحہ:)

☆ غیاث پور کے ابتدائی زمانہ میں شیخ المشائخ کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ اور لوگوں میں عام مقبولیت بھی نہ تھی۔ چند جاننے والے احباب اور ارادت مند کبھی کبھی کچھ نذر و فتوح پیش کر دیتے۔ ظاہر ہے یہ نذرانے آپ اور آپ کے خدام کے لئے کافی نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے اکثر فاقے ہوتے۔

انھیں ایام کا ذکر ہے کہ سلطان جلال الدین خلجی ۶۸۹ھ تا ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۵ء جو صاحب علم اور درویشوں کا قدر داں تھا۔ اسے حضرت خواجہ سے یک گونہ عقیدت تھی۔ جب اسے آپ کی تنگ دستی، افلاس اور اہل خانقاہ کے

فقر و فاقہ کا علم ہوا تو اس نے کچھ تحفے بھیجے اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو خدام کے لئے ایک دیہات وقف کر دیا جائے۔ تاکہ وہ فراغت اور دل جمعی سے مشغول بحق رہیں۔ آپ نے انکار فرمادیا۔

میر خورد اپنے والد سید محمد کرمانی کا بیان نقل کرتے ہیں:

"جن دنوں سلطان المشائخ کو یوں فقر و فاقہ اور تنگی و عسرت کا سامنا تھا۔ بعض خدمت گار بہت تنگ آگئے۔ اور دیگر دوست جو شیخ الشیوخ کے مرید تھے۔ انھیں اس سختی سے پالا پڑا۔ وہ بھی فاقہ پر فاقہ برداشت کرتے رہے۔ اسی دوران سلطان جلال الدین خلجی نے کوئی چیز بطور نذرانہ بھیجی اور کہلا بھیجا کہ اگر سلطان المشائخ کا فرمان ہو تو ایک گاؤں خدمت گاروں کے لئے وقف کر دوں۔ تاکہ وہ فارغ دل ہو کر خدمت بجالا سکیں۔ سلطان المشائخ نے منع فرمایا۔ خدمت گار اور بعض معتقدین جو بھوک کے عذاب میں مبتلا تھے یہ سنا تو آپ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ تو پانی تک نہیں پیتے۔ مگر ہم اس صورت حال کی تاب نہیں لا سکتے۔ ہمارا برا حال ہے۔ سلطان المشائخ نے سوچا یہ خدمت گار اور بعض معتقدین جو کچھ کہہ رہے ہیں مجھے ان کی پروا نہیں۔ اگر یہ سب چلے جائیں کوئی غم نہیں۔ مگر وہ چند بلند پایہ احباب جو میرے ہم خرقہ ہیں۔ کیوں نہ اس موقع پر ان کو آزمایا جائے وہ بھی اس بات کے طالب ہیں یا نہیں؟ لہذا اس بات کے لئے صلاح و مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے جواب دیا مولانا نظام الدین ہم کبھی کبھار آپ کے گھر سے کھانا کھا لیتے ہیں اگر گاؤں وقف ہو گیا تو ہم آپ کے ہاتھ سے پانی بھی نہیں پئیں گے۔

سلطان المشائخ اپنے بلند ہمت احباب کے روح افزا جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا مجھے دوسروں کی پرواہ نہیں میرا مقصود و مطلوب تو آپ

لوگ ہیں۔ اس جواب نے میرے دل کو انتہائی فرحت بخشی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ دین کے معاملات میں مدد فرماتے ہیں۔ دوست ایسے ہی ہونے چاہئیں۔" (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۴۔۱۲۳)

ترک دنیا:

آقائے دو جہاں علیہ السلام کا ارشاد ہے:

☆ **قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الاان الدنیا ملعونة و ملعون ما فیها الا ذکر الله و ما والاہ و عالم او متعلم. (ترمذی)**

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ سوائے خدا اور اس چیز کے جسے خدا پسند فرماتا ہے۔ اور عالم یا متعلم۔

دنیا اور اس کی چیزیں بے وقعت ہیں۔ ہر گز انسان کا مقصود نہیں ہو سکتیں۔ فانی دنیا پر راضی ہونا ہوشمندی نہیں۔ ایک مومن کی آرزو کا مرکز تو آخرت کی دنیا ہی ہو سکتی ہے۔ جو دائمی ہے۔ جہاں کی بہاریں خزاں نا آشنا ہوں گی۔ دنیا کی خوش آرائیاں اکثر فریب کار ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں پڑ کر اکثر لوگ خدا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں قابل قدر چیز صرف یاد خدا اور اس کی عظمت کا شعور و احساس ہے۔ یا پھر وہ چیزیں جنہیں خدا پسند فرمائے۔ جیسے طاعت و بندگی، حسن اخلاق یا تعلیم و تعلم۔

☆ **ان لکل امة فتنة و فتنة امتی المال (ترمذی)**

"(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) ہر ایک امت کے لئے ایک فتنہ ہے۔ اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔"

ہر ایک امت کو خدا تعالیٰ نے کسی نہ کسی چیز کے ذریعہ آزمایا ہے۔ اس امت کی آزمائش خاص طور سے مال کے ذریعہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص مال کی محبت میں گرفتار ہو کر رہے اور اس کے حصول ہی کو کامیابی خیال کرے تو یہ مال اس کے لئے ایسا فتنہ ثابت ہو گا جو اسے سلامتی کی راہ سے الگ کر دے گا۔

اس امت کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ یہ دنیا کو دنیا سمجھے اور اپنی نگاہ ہمیشہ اخروی فلاح اور آخرت کی کامیابیوں پر جمائے رکھے۔ دنیوی مال و متاع کی محبت کے ساتھ یہ امت کبھی بھی اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتی۔ جو ذمہ داری خدا نے اسے سونپی ہے۔ خود راہ راست پر قائم رہنا اور دنیا والوں کو دعوت حق دینا اور اصلاح، تزکیہ نفوس کا فریضہ انجام دینا اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ دنیا کو خود ترک کیا جائے اور دوسروں کو اس کی تلقین کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ تصوف میں ترک دنیا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہی نے خود بھی دنیا کو ترک کیا اور اپنے مریدین و متعلقین کو ترک دنیا کی تعلیم دیتے۔ اور اسے تصوف کی اصل بتاتے تھے۔ اس بارے میں انھوں نے یہ حکایت بیان فرمائی:

"ایک پرہیزگار بزرگ تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ نماز و روزہ، تسبیحات و اوراد سب دیگ کے مسالے ہیں۔ اصل چیز دیگ میں گوشت ہوتا ہے۔ جب تک گوشت نہ ہو ان مسالوں سے کچھ نہیں بنتا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ اکثر یہ تمثیل بیان فرماتے ہیں اس کی تشریح کیجئے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ گوشت ترک دنیا ہے۔ اور نماز و روزہ، اوراد و تسبیح اس کے مسالے ہیں۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اولاً وہ ترک دنیا اختیار کرے۔ اور اس کا تعلق کسی چیز سے نہ رہے۔ اگر وہ نماز روزہ (نفل) اور اوراد وغیرہ کرے نہ کرے مضائقہ نہیں۔ لیکن جب دنیا کی محبت دل میں ہوگی تو دعاؤں اور وظیفوں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔"

حضرت والا نے پھر فرمایا:

"اگر گھی اور کالی مرچ، لہسن، پیاز دیگ میں ڈالیں اور پانی بھی چھوڑ دیں اور شوربا تیار کریں تو اسے شوربائے زور کہیں گے۔ اور شوربائے مزور

بھی یعنی جھوٹا شوربا۔ پس اصل شوربا وہ ہوگا جو گوشت سے تیار ہو۔ چاہے اس میں مسالے ہوں یا نہ ہوں۔ (فوائد الفواد، ج:۱، م:۶، صفحہ:۱۲)

حضرت کی تعلیم ترک دنیا کا مقصد دنیاوی جدوجہد چھوڑ کر گوشہ عزلت میں بیٹھنا نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مادی اور دنیاوی فوائد کی جستجو میں سرگرداں رہ کر روحانی و اخلاقی ذمہ داریوں کو پس پشت نہ ڈالا جائے۔ فرماتے ہیں:

☆ترک دنیا یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے آپ کو برہنہ کرلے۔ اور لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے، جو کچھ اسے پہنچے جائز سمجھے۔ لیکن ذخیرہ اندوزی نہ کرے۔ اور اپنی طبیعت کو کسی چیز سے نہ باندھے۔ (ایضاً، صفحہ:۱۲)

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا:

جو کوئی ترک دنیا کرے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو دنیاداروں کے سمیت اس کے قدموں میں لا ڈالتا ہے۔ نیز فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا عزیز بنالیتا ہے تو دنیا کو اس کی نظروں میں ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اور جسے خدا ذلیل سمجھتا ہے اس کی نظر میں دنیا کو عزیز بنا دیتا ہے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ:۵۶۸)

حضرت شیخ المشائخ نے دنیا میں رہتے ہوئے اس طرح زندگی بسر کی۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

حضرت بابا فرید کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق دنیا اور اہل دنیا حضرت شیخ المشائخ کے قدموں میں آئے مگر آپ نے اس کی جانب مطلق التفات نہیں کیا۔ بلکہ جس طرح نذر و فتوح میں بے اندازہ نقد و جنس خانقاہ میں آتیں، بے دریغ غرباء، مساکین اور اہل حاجت پر تقسیم کر دی جاتیں۔ کبھی ان خطیر رقموں کو جمع کرنے کا خیال تک آپ کے دل میں نہ آیا۔ بلکہ ہمیشہ خدام کو اس بات کی تاکید فرماتے کہ

انبار خانوں کو خالی کردو۔ اور بچا کر کچھ نہ رکھو۔ گرانقدر نذرانے صرف اس لئے قبول کرلئے جاتے کہ ان سے ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کی جاتیں۔ اس طرح آپ کی ذات والا صفات اسوۂ رسول ﷺ کا آئینہ بن گئی تھی۔

ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق تو خداوند تعالیٰ نے دنیا اور اس کی آلائشوں سے محفوظ رکھا۔

اذا احب الله عبداً حماه الدنيا كما يظل احدكم يحمى سقيمه الماء (ترمذی)

"جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔"

حدیث بالا کی روشنی میں حضرت شیخ المشائخ کا ترک دنیا ان کی محبوبیت الٰہ کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ محبوب الٰہی دنیا و مافیہا کو اونٹ کی مینگنی سے زیادہ وقعت دینے کے قائل نہ تھے۔

"ایک شخص کا ایمان اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو۔ اور خدا کے سواء کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو۔"

حلم و بردباری:

قال رسول الله ﷺ لا شبح عبدالقيس ان فيك لخصلتين يحبهما الله الحلم والامات. (مسلم و ترمذی)

"حضور ﷺ نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تم میں دو خصلتیں ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں۔ بردباری اور متانت۔"

حلم و بردباری اللہ کو پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے محبوب بندے حلم و بردباری کو اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ دشمنوں کے بڑے بڑے ناروا برتاؤ کو برداشت

کرتے۔ بدگوئیوں کو سنتے اور اسے معاف کرتے ہیں۔ حضرت میں بھی یہ مبارک خصلت بدرجہ اتم موجود تھی۔

☆آپ کے ارادت مندوں نے عرض کیا بعض لوگ آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے ہیں۔ جو ہم سے سنی نہیں جاتیں۔ فرمایا جو مجھ کو برا کہتے ہیں میں نے ان کو معاف کیا۔ مجھ کو برا کہنے والوں سے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

☆ایک دن حضرت محبوب الٰہی سجادہ پر رونق افروز تھے۔ ایک جوالقی پہنچا۔ اور گالیاں دینے لگا۔ حضرت نے گالیوں کو خاموشی سے سنا اور برداشت کیا۔ مزید براں جوالقی نے جو کچھ مانگا عطا فرمایا۔ اور حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا۔

"میرے پاس بہت لوگ آتے ہیں اور نذرانے لاتے ہیں۔ ایسے شخص کو بھی آنا چاہئے۔ جو مجھ کو برا کہے۔" (فوائد الفواد، صفحہ:۹۵)

☆شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطاء اللہ جو لاابالی قسم کے انسان تھے۔ ایک دن قلم دوات اور کاغذ لیکر حضرت کی خدمت میں آئے۔ اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک سفارشی خط لکھ دیجئے تاکہ وہ مجھے خطیر رقم دے دے۔ شیخ نے فرمایا کہ "اس سردار سے میری کوئی ملاقات نہیں اور وہ یہاں کبھی بھی نہیں آیا ہے۔ جس شخص سے جان پہچان نہ ہو اس کو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟ صاحبزادے کو غصہ آگیا، اور انھوں نے سامنے ہی سخت وسست کہنا شروع کر دیا کہ ہمارے نانا کے مرید ہو اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پایا ہے۔ اب ایسے احسان فراموش ہوگئے ہو کہ میرے لئے تم ایک رقعہ نہیں لکھ سکتے؟ تم نے پیری مریدی کا جال بچھایا ہے۔ اور خدا کی مخلوق کو دھوکا دے رہے ہو۔ یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی اور جانے لگے۔ حضرت نے دامن پکڑ لیا۔ اور فرمایا، ناراض ہو کر کیوں جارہے ہو؟ خوش ہو کر جاؤ۔ اس کے بعد کچھ رقم سامنے رکھی اور خوشی خوشی ان کو رخصت کیا۔ (سیر العارفین، صفحہ:۱۰۷)

حضرت شیخ المشائخ خود عفو و درگذر کے پیکر تھے۔ اور لوگوں کو بھی حلم و مروت کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ایذا رسانی ظلم و جور، جبر و اکراہ کو سخت ناپسند کرتے اور اس سے لوگوں کو بچنے کی ہدایت فرماتے۔

"اے درویش کسی کو نہ ستانا تاکہ تو ستایا نہ جائے۔ اور کسی کو نہ مارنا تاکہ تو مارا نہ جائے۔ اور کسی کو نہ جلانا تاکہ تو جلایا نہ جائے۔ اور کسی کی ہلاکت میں کوشش نہ کرنا تاکہ تو ہلاک نہ کیا جائے۔ سچ ہے جیسا بوؤ گے ویسا ہی کاٹو گے۔" (راحت المحبین، صفحہ: ۱۶۲)

☆☆☆

باب پنجم

خانقہی نظام

خانقہی نظام

خیر القرون کے بعد اسلامی حکومت کی وسعت اور زندگی کے گونا گوں مسائل اور نوع بہ نوع تفکرات نے ہر طبقہ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ لوگوں پر فکر دنیا تو حاوی تھی۔ لیکن خوف آخرت دلوں سے رخصت ہوتا چلا جارہا تھا۔ دینی روح بڑی تیزی سے گھٹ رہی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کی روحانی اصلاح کا کام بڑے پیانہ پر کیا جائے۔ اور دنیاداری کے شدید احساس سے الگ کرکے فکر آخرت اور خوف خدا کی جوت ان کے دلوں میں جگائی جائے۔ تاکہ قلب مسلم میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں۔ اور وہ کسی مخلص خدا شناس ولی پیر پر کامل اعتماد کرے۔ اور اس سے وہ اپنے روحانی امراض کا علاج اور دین کی صحیح روشنی ور ہنمائی حاصل کرے۔

چونکہ بعد کے مسلم حکمراں اقامت دین اور نفاذ شریعت کے فریضہ سے غافل ہوگئے تھے۔ ان کی تعیش پسندی، خود غرضی اور جاہ پرستی انھیں تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے مضر اثرات پوری اسلامی سوسائٹی پر چھائے ہوئے تھے۔

ان حالات میں خانقاہ نشیں صوفیہ و صلحاء نے نئی دینی زندگی اور روحانیت کا نظم و ضبط پیدا کرنے کے لئے اتباع شریعت اور اطاعت رسول کے لئے بیعت لینی شروع کی۔ اور مسلمانوں نے ان کے حق پرست ہاتھوں پر سابقہ گناہوں سے توبہ

کی۔ آئندہ عمل نیک کا عہد کیا۔ اور دین شریعت کے راستہ پر چل پڑے۔ ان مشائخ نے اپنی نگرانی میں نفوس کی تربیت و اصلاح کا کام کیا۔ اور اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلہ محبت اور اپنی استقامت و نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمی محبت، خلوص للّٰہیت، جذبہ اتباع سنت اور شوق آخرت پیدا کر دیا۔

رفتہ رفتہ اس کام نے ایک نظام کی صورت اختیار کر لی۔ جسے ہم خانقاہی نظام سے یاد کرتے ہیں۔ کسی مرشد برحق کے ہاتھ پر بیعت کرنا در حقیقت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا اور رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباع دین و شریعت کا عہد ہوتا تھا۔ چنانچہ شیخ کبیر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بقول شیخ المشائخ اس طرح بیعت لیا کرتے تھے۔

"جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین والحق کی خدمت میں بہ نیت ارادت آتا فرماتے پہلے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ اس کے بعد سورہ بقرہ کا آخری رکوع آمن الرسول سے آخر تک پڑھواتے اس کے بعد شہد اللہ انہ لا الہ الا ہو...... ان الدین عند اللہ الاسلام تک پڑھتے۔ اس کے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر۔ اس کے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کے دست مبارک پر اور حضرت ایزد جل مجدہٗ سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کرو گے۔ اور شریعت کے راستہ اور طریقہ پر قائم رہو گے۔" (سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۳۲)

دار الحکومت دہلی جہاں آپ کی خانقاہ تھی ہر طرف دولت و ثروت اور عیش و عشرت کی گرم بازاری تھی۔ لوگ لہو ولعب اور نشاط و طرب میں سرشار تھے۔ سلاطین امراء کی پر تکلف و سرمست طرز معاشرت کا اثر عوام اور درمیانی طبقہ کے لوگوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ دہلی میں ایسا خانقاہی

نظام قائم کیا جائے جس کے اثر و نفوذ سے لوگوں کے اندر دینی و روحانی بیداری پیدا ہو۔ دنیا کی سرمستیوں اور فسق و فجور کی آلائشوں سے تائب ہو کر خوفِ خدا اور فکرِ آخرت اور بلند کرداری کا شیوہ اختیار کریں۔ دنیاوی کامرانیوں کی حرص ترک کر کے اخروی فلاح و نجات کے طالب بنیں۔ عوام و خواص، امراء و عمال ایک روحانی رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔ اور شیخ باصفا کا ابر کرم بلا تفریق ہر ایک پر برسے۔ اور اس چشمہء فیض سے صرف دہلی اور اطراف دہلی ہی نہیں بلکہ دور دراز کے باشندے بھی فیض یاب ہوں۔

بیعت عام اور اس کے اسباب:

حضرت محبوب الٰہی جب دہلی میں چشتیہ سلسلہ کے سربراہ کی حیثیت سے مسند نشیں ہوئے تو آپ نے خلق خدا کے لئے اپنے فیوض و برکات کے دروازے کھول دیئے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خواص و عوام ہر ایک کے لئے بیعت کا اذن عام کر دیا۔ اور لاکھوں ارادت کیشوں کو حلقہء بیعت میں داخل کر کے استقامت علی الدین اور صلاح و تقویٰ کی دولت بخش دی۔

دوسرے مشائخ صوفیہ کے نزدیک حلقہء ارادت میں داخل کرنے کی شرطیں بڑی سخت ہوا کرتی تھیں۔ جب تک کوئی ارادتمند ان شرطوں کو پورا نہ کرتا اسے بیعت کی سعادت میسر نہ آتی۔ اس کے برخلاف شیخ المشائخ کی خانقاہ میں حلقہء ارادت میں داخل ہونے کے لئے بجز ایمان و اخلاص کوئی دوسری شرط نہ تھی۔ جو مسلمان بھی حسنِ اخلاص کے ساتھ حاضر بارگاہ ہو کر دامن کرم سے وابستہ ہونا چاہتا اسے مرید بنا کر سلسلہء چشتیہ میں داخل فرما لیتے۔ حضرت کے فیض باطنی سے مرید کے احوال و کوائف میں خود بخود اصلاح ہوتی چلی جاتی۔ اور طہارت و تقویٰ کی راہ پر حسب توفیق گامزن ہو جاتا۔

مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب حسرت نامہ میں حضرت شیخ

المشائخ کے اس طرز عمل کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کو صاحب سیر الاولیاء نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

☆ایک دفعہ میں حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک بڑے روح پرور انداز میں محو گفتگو رہے۔ اس دن بہت سے بندگانِ خدا نے ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ اور ابدی سعادت پائی (یعنی بکثرت لوگ مرید ہوئے) اسی دوران میرے دل میں خیال آیا کہ ماضی میں مشائخ کرام مرید بنانے میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ سلطان المشائخ تو اپنی عین عنایت سے کھلے دل سے خاص و عام کی دست گیری کرتے اور بیعت لیتے ہیں۔ میں نے اس بارے میں دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔ (مگر زبان نہ کھلی) حضرت کے کشف سے میرے اس خیال کا علم ہو گیا۔ فرمایا تم مجھ سے ہر قسم کے سوال کرتے ہو۔ مگر یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں ہر آنے والے کو بیعت کیوں کر لیتا ہوں؟ یہ سن کر میں کانپ اٹھا۔ اور محسوس ہوا کہ حضرت مرشد پر میرا خیال منکشف ہو گیا۔ فرمایا: ہر دور میں خدا نے اپنی حکمت کاملہ سے الگ الگ خاصیت رکھی ہے۔ ہر دور کے لوگوں کے طور طریقے اور رسوم و آداب جدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے مزاج اور طبائع اسلاف کے مطابق نہیں ہوتے۔ سوائے ان کے جو نادرۂ روزگار ہوں۔ یہ بات تجربہ میں آچکی ہے کہ مرید کی اصل ارادت تو ماسوا اللہ سے مکمل قطع تعلق ہے۔ اور ہمیشہ اللہ کی یاد میں مصروف رہنا ہے۔ اسلاف جب تک مکمل قطع تعلق نہ دیکھتے تھے۔ بیعت نہیں لیتے تھے۔ لیکن شیخ ابو سعید ابی الخیر کے زمانہ سے لیکر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانہ تک اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے عہد سے لیکر شیخ الشیوخ بابا فرید کے زمانہ تک دین کے ان

بادشاہوں کے دروازوں پر خلق خدا کا ہمیشہ ہجوم رہا۔ اور ہر گروہ کے لوگ بادشاہ، امیر، خواص، عوام ہر طرح کے لوگ آتے۔ اور آخرت کے خوف سے ان عاشقان حق کے سایہ میں پناہ لے لیتے۔ اور یہ مشائخ کرام ہر خاص و عام کو بیعت کر لیتے۔ اور توبہ و تبرک کے خرقے عنایت فرماتے۔ ...... کیونکہ کوئی خاص محبوب خدا اگر گناہگاروں کے ایک جم غفیر کو اپنے سایہء رحمت میں لانا چاہے تو لا سکتا ہے۔"

اس کے بعد اپنی کثرتِ بیعت کے اسباب یوں بیان فرمائے:

☆ "میں مسلسل سنتا رہتا ہوں کہ میرے حلقہء عقیدت میں آنے والے بہت سے لوگ گناہوں سے تائب ہو جاتے ہیں۔ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اور اوراد و نوافل میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر میں بھی ان سے اس سلسلہ میں شرائط حقیقت ارادت بتانے لگوں اور خرقہ ارادت کے بجائے خرقہ توبہ و تبرک نہ دوں تو یہ نیکیاں اور بھلائیاں جو ان سے معرضِ وجود میں آتی ہیں ان سے وہ محروم ہو جائیں"۔

☆ "کسی ذاتی خیال یا کسی کی منت سماجت یا وسیلہ و شفاعت کے بغیر خود ایک مرشد کامل کی طرف سے بیعت لینے کا مجاز ہوں۔ ایک مسلمان بڑی عاجزی و انکساری اور اضطراب کے عالم میں میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ تو میں یہ سمجھ کر اس کی نیت پاک ہے۔ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیتا ہوں۔

اور میں راست باز لوگوں سے سنتا ہوں کہ میری عقیدت بیعت کرنے والوں کو گناہوں سے باز رکھتی ہے۔

☆ حضرت شیخ کبیر بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے (نظام الدین اولیاء) تعویذ لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ایک دن جب میں

تعویذ لکھ رہا تھا اور لوگوں کا کافی ہجوم ہو گیا تو مجھے پریشانی لاحق ہوئی۔ شیخ نے مجھے پریشان دیکھا تو فرمایا۔ تم ابھی تعویذ لکھنے سے اکتا گئے۔ جب تمہارے دروازے پر حاجت مندوں کے ٹھٹھ لگ جائیں گے اور وہ تم سے دم، درود اور تعویذ کی درخواست کریں گے تو تمہارا کیا حال ہو گا؟ میں نے عرض کیا حضور آپ نے مجھے عظمت بخشی اور خلافت جیسی دولت سے نوازا۔ میں اہل دنیا کے میل جول سے ہمیشہ محترز رہا ہوں۔ یہ تو بہت بڑا کام ہے۔ میرے بس کا نہیں۔ صرف میرے لئے آپ کی نظر عنایت کافی ہے۔ جواب دیا تو یہ کام احسن طریقہ پر انجام دے گا۔ پھر فرمایا اے نظام الدین بتاؤ کل قیامت کے دن فریدالدین مسعود کو اللہ کے حضور آبرو ملے گی یا نہیں؟ اگر ملے گی تو میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ جب تک ان لوگوں کو اپنے ساتھ بہشت میں نہ لے جاؤں جنھیں تم نے بیعت کیا ہو گا میں خود بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔

میرا مرشد خدارسیدہ بندوں میں سے تھا۔ شیخ بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور دیگر مستان عشق الٰہی نے جس مشرب کے خرقے پہنے اس نے بھی پہنا۔ جنھیں میں اپنا مرید بناؤں ان کے متعلق ایسے الفاظ کہے۔ اور بیڑا اٹھایا۔ پھر بھلا میں کیسے ان کے دست بیعت کو قبول نہ کروں۔"

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۵۶-۵۹)

نظام تربیت:

سلطان المشائخ نے شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر قدس سرہ العزیز سے شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ کی مشہور زمانہ کتاب "عوارف المعارف" کا درس لیا تھا۔ اور تصوف و سلوک کے مسائل اور ان کے رموز و دقائق تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ شیخ المشائخ خانوادۂ چشت کی اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

اور مرشد کے وصال کے بعد سلسلہ ٔ چشتیہ کے سربراہ کی حیثیت سے مسند ارشاد و تبلیغ پر جلوہ افروز ہوئے اور عوارف المعارف کے حسب ذیل مندرجات کو مشیخیت کا سر مشق بنایا۔ اور انھیں کی روشنی میں اپنے مریدین و خلفاء کی روحانی و اخلاقی تربیت کا اہم فریضہ انجام فرمایا۔

☆ جب ایسا وقت آجائے کہ وہ خلق میں مقبول و محبوب بن جائے اور مخلوق اس کی طرف رجوع ہونے لگے اور وہ شیخ اپنی حالت پر قابو پالے اور اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو مریدوں کی اصلاح اور تعلیم کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مریدوں کے ساتھ ایسا ناصحانہ اور محبت بھرا کلام کرے جیسا ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔ جو اس کے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتی ہے۔ اور جس مرید اور طالبِ رشد و ہدایت کو اللہ تعالیٰ اس کی طرف بھیجے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے۔ اور اس کی نگرانی اور تعلیم معرفت کے سلسلے میں خداوند تعالیٰ ہی سے مدد کا طالب ہو اور مرید کے ساتھ اس وقت بات کرے جب کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ اور مرید سے صحیح بات کہنے کے لئے باری تعالیٰ سے طالب ہدایت ہو۔ (عوارف المعارف، صفحہ: ۵۷۳)

☆ شیخ طریقت کے وظائف میں داخل ہے کہ وہ اپنے عقید تمندوں کے ساتھ حسنِ خلق سے پیش آئے۔ بلکہ اپنے اس حق سے بھی دست بردار ہو جائے جو تعظیم و تکریم کہ اس کو ملا ہے۔ اور اس مرتبہ سے نیچے آکر تواضع اختیار کرے۔ (ایضاً، صفحہ: ۵۷۶)

☆ شیخ طریقت کو چاہئے کہ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی سے پیش آئے۔ (ایضاً)

☆ آداب شیخ میں یہ بھی داخل ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ

ہمدردی کرے۔ اور صحت و مرض دونوں حالتوں میں ان کے حقوق ادا کرے۔ اور اپنے مرید کی ارادت و اخلاص پر تکیہ کرتے ہوئے ان حقوق سے دست بردار نہ ہو۔ (ایضاً)

☆ شیخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ مرید کے صدق عزیمت میں کمی دیکھے اور ضبط نفس کم پائے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کو رخصت کی حد پر قائم رکھے کہ اس میں خیر کثیر ہے۔ (ایضاً، صفحہ: ۵۷۷)

☆ مشائخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مریدوں کے مال اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ چونکہ شیخ کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اس لئے وہ عوام کی ہدایت خالصاً لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ پس جو کچھ شیخ مرید کی بہبودی اور بھلائی کے لئے کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ ایک بہترین صدقہ ہے۔ (ایضاً، صفحہ: ۵۷۷)

☆ سب سے اہم ادب شیخ کے ذمہ یہ ہے کہ شیخ مریدوں کے اسرار و مکاشفات کا جن سے وہ آگاہ ہو حفاظت کرے۔ اس لئے کہ مرید کا رازداں یا تو اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یا اس کا شیخ۔ پس کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے۔ اور مرید اپنی خلوت گاہ میں جن مکاشفات یا الہامات سے سرفراز ہو، کسی خلافِ عادت چیز کا مشاہدہ کرے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کے سامنے اس کی اہمیت گھٹائے۔ اور بتائے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ رجوع الی اللہ میں خلل واقع ہوگا۔ اور ان سے مزید فتوحات اور روحانی ترقی کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور اس کو سمجھائے کہ اس نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اور اس کو بتائے کہ مرید کا مقصد اصلی تو یہ ہے کہ وہ منعم کی تلاش کرے نہ کہ اسکی نعمتوں پر قانع ہو جائے۔ (ایضاً، صفحہ: ۵۷۹)

حضرت شیخ المشائخ نے اپنے خلفاء اور عزیزوں کی روحانی و اخلاقی تربیت بڑی دلسوزی اور انہماک سے کی تھی۔ وہ ایک شفیق باپ کی طرح ان کی افتاد طبع، خوش قلبی رجحانات کا صحیح اندازہ کرتے اور حکیمانہ چابکدستی کے ساتھ تزکیہ باطن اور اصلاح اعمال و افعال کی جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے داخل سلسلہ مریدوں کے علاوہ دوسرے آنے جانے والے عام مسلمانوں کی بھی اصلاح سے غفلت نہ برتی۔ آپ کے ناصحانہ طرز عمل اور پر تاثیر اقوال سے ہزاروں برگشتہ راہ، تذبذب و تشکیک میں مبتلا انسانوں کو راہ ہدایت دکھائی۔ اور ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

اسلوب تربیت:

حضرت سلطان المشائخ کا طریقہ رشد و ہدایت بڑا دلنواز و دل پذیر تھا۔ انہوں نے تربیت اخلاق کے لئے طویل پند و نصیحت کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ایماء واشارے سے یا پھر ایجاز و اختصار کے ساتھ کچھ ارشاد فرماتے۔ جو دل کی گہرائی میں اتر جاتا۔ یا کوئی ایسا مؤثر واقعہ بیان فرماتے جس سے مخاطب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مخاطب حضرت کے مقصود بیان کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتا۔

☆خواجہ حسن سنجری ایک دن بشیر نامی اپنے غلام کو لے کر بارگاہ نظامی میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا حضور یہ غلام نمازی اور پرہیزگار ہے۔ کافی دنوں سے کہہ رہا ہے کہ مجھے خدمت محبوب الٰہی میں لے چلئے۔ اور شرف بیعت سے مشرف ہونے دیجئے۔ اب حاضر بارگاہ ہوا ہے۔ اسے مرید فرما کر اپنے دامن کرم سے وابستہ ہونے کی سعادت عطا فرمائے۔۔ حضرت محبوب الٰہی نے قبول فرمایا۔ اور کہا حسن بیعت کی اجازت دو۔ خواجہ حسن نے اجازت دے دی۔ حضرت والا نے اسے بیعت کیا، کلاہ عطا فرمائی۔ اور ارشاد ہوا جاؤ دوگانہ شکر ادا کرو۔ بشیر دوگانہ پڑھنے چلا گیا۔

حضرت محبوب الٰہی نے بیان کیا کہ ایک بار ایک درویش خواجہ علی سنجری

کی خانقاہ میں آیا۔ یہ درویش دربدر مانگتا پھرتا تھا۔ خواجہ علی نے کہا تم جس لباس میں ہو۔ یہ انداز گداگری اس کے خلاف ہے۔ میں تم کو کچھ رقم دیتا ہوں۔ اسے کام میں لاؤ۔ مگر شرط یہ ہے کہ منافع میں درویشوں کو بھی شریک کرنا۔ یہ کہہ کر پانچ سو جیتل اسے دے دیئے۔ اس نے اس رقم سے خوب منافع کمایا۔ یہاں تک کہ سو تنکے ہو گئے۔ اب اس نے خواجہ علی کی ہدایت کے مطابق غلام خریدے۔ اور ان کو غزنی کی طرف لے چلا۔ اس درویش کا ایک خاص غلام بھی ہمراہ تھا۔ جو اس کا معتمد تھا۔ درویش نے اس سے کہا۔ تم میرے مرید ہو جاؤ۔ چنانچہ غلام مرید ہو گیا۔ درویش نے اس کا سر منڈوایا۔ کلاہ پہنائی اور کہا۔ یہ سیدی احمد کی کلاہ ہے۔ درویش کا تعلق خواجہ احمد کے خانوادے سے تھا۔ جب یہ لوگ غزنی پہنچے "وہاں سارے غلام اچھے منافع پر فروخت ہو گئے۔ بعض لوگوں نے غلام خاص کو بھی خریدنا چاہا۔ مگر درویش نے کہا۔ یہ غلام بکنے والا نہیں ہے۔ میرا مرید ہے۔ لوگوں نے کافی اصرار کیا۔ قیمت میں اضافہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ چوگنے دام دینے پر آمادہ ہو گئے۔ منفعت کثیر دیکھ کر درویش بھی تقریباً آمادہ ہو گیا۔ خریداری کے لئے لوگوں نے ہجوم کر لیا۔ غلام یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا۔ اس نے کہا۔ خواجہ جس دن میں آپ کا مرید ہوا تھا۔ آپ نے میرے سر پر کلاہ رکھی تھی۔ اور کہا تھا کہ یہ سیدی احمد کی کلاہ ہے۔ اب تم مجھے فروخت کرنا چاہتے ہو۔ کل قیامت کے دن سیدی احمد کے سامنے میری تمہاری بات ہو گی۔ درویش نے یہ بات سنی تو اس کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ لوگوں سے کہنے لگا تم گواہ رہنا۔ میں نے اس غلام کو آزاد کیا۔

اس واقعہ نے خواجہ حسن سنجری کو کافی متاثر کیا۔ وہ حضرت شیخ المشائخ کے مقصد کو سمجھ گئے۔ اور انہوں نے کہا۔ میں نے بھی اس غلام کو آزاد کر دیا۔ حضرت نے فرمایا تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ یہی کرنا چاہیے تھا۔

(فوائد الفواد، ج:۳، م:۱۴، صفحہ:۹۳۔۱۹۲)

یہ حضرت کی تربیت کا روحانی انداز تھا۔ براہ راست کچھ نہ فرمایا۔ لیکن جو کچھ بالواسطہ ارشاد فرمایا اس سے زیادہ مؤثر پیرایۂ بیان ممکن نہ تھا۔ اسے تمثیل، رمزیت، اشاریت کہئے۔ جو چاہیے کہیے۔ مگر مقصد ظاہر ہے۔

اسی نوع کی بہت ساری حکایتیں ہیں جن سے حضرت محبوب الٰہی کے طریقہ ء رشد و ہدایت کا اندازہ ہوتا ہے۔

☆ایک دفعہ خواجہ حسن سنجری حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پریشان حال پژمردہ تھے۔ کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ مالی دشواریوں میں مبتلا تھے۔ حضرت کی بارگاہ میں مؤدب بیٹھے۔ زبان سے اپنی معاشی دشواریوں کا اظہار تو نہیں کیا۔ مگر پریشانی خاطر چہرے سے جھلک رہی تھی۔ معلم اخلاقی و روحانی نے حسن سنجری کے چہرے سے دل کی کیفیات اور ان کے اسباب کو تاڑ لیا۔ زبان مبارک سے یہ واقعہ ارشاد فرمایا:

> ”کسی شہر میں ایک برہمن رہتا تھا۔ جو صاحب مال و جاہ تھا۔ ایک دفعہ شہر کے حاکم نے اس کے تمام اموال و اسباب کو ضبط کر لیا۔ اور وہ برہمن مفلس و قلاش ہو گیا۔ ایک دن کہیں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک دوست سے ملاقات ہو گئی۔ دوست نے خیریت پوچھی۔ تو برہمن نے جواب دیا۔ حال بہت اچھا ہے۔ اس دوست نے کہا، عجیب بات ہے۔ تمہارے تمام مال و اسباب تو ضبط ہو گئے ہیں۔ حال اچھا کیسے ہو سکتا ہے؟ برہمن نے بڑی متانت سے کہا۔ میرا زنار تو میرے پاس سلامت ہے۔“

حکایت بیان کرنے کے بعد حضرت نے حسن سنجری کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ اس گفتگو کا مطلب سمجھے، حسن نے کہا جی ہاں۔ اس حکایت کے سننے سے باطنی قوت حاصل ہوئی۔ اور یہ احساس ہوا کہ تنخواہ رکنے یا اسباب دنیوی فراہم نہ ہونے سے رنج نہیں کرنا چاہئے۔ ساری دنیا روٹھ جائے۔ تو

کوئی مضائقہ نہیں۔ حق کی محبت بر قرار رہنی چاہئے۔ (فوائد الفواد)

تلقین کا یہ انداز بھی بڑا دلنواز ہے۔ اس میں بھی وہی فکر و بصیرت جھلک رہی ہے جو روحانی معلموں کا خاصہ ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''اس راہ میں صبر، رضا اور توکل لازمی چیزیں ہیں۔ بلا کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے۔ اور بلا و مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے۔ جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں۔ مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے۔ یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اس کو اپنے زخم کا پرواہ مطلق خیال نہیں ہوتا۔ (ایضاً)

حضرت محبوب الٰہی لوگوں کو جس اخلاقی انداز کی ہدایت فرماتے تھے خود وہ ان اخلاقی اصولوں کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ کیونکہ بے عمل انسان کے الفاظ اور اس کی تقریر کسی دل پر نقش پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور اس کام کے لئے ہمدردی، غمگساری، اور نرمی کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کسی انسان کی اصلاح اس کی برائیوں کے بیان کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مناسب موقع پر قصوں کے ذریعہ اشاروں میں اخلاقی و روحانی امراض کا علاج کیا جانا چاہئے۔ بے جا جبر سے جو رد عمل ہوتا ہے وہ مصلح کے پیغام کو بے اثر بنا دیتا ہے۔ علم نفسیات میں انسان کی ان کیفیات سے بحث کی جاتی ہے۔ ادراک، احساس اور خواہش و عمل۔

شیخ نظام الدین اولیاء انسانی عمل میں ان کی کار فرمائی کو اس طرح سمجھایا کرتے تھے۔ اول خطرہ ہے یعنی وہ چیز جو دل میں گزرے۔ اس کے بعد عزیمت ہے۔ یعنی اس آرزو پر دل لگے۔ اور پھر فعل ہے۔ یعنی وہ ارادہ فعل میں بدلتا ہے۔ جب تک فعل سرزد نہ ہو مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن خواص سے خطرہ کی صورت ہی میں

مواخذہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ شیخ اپنے خلفاء کو ہدایت فرماتے تھے کہ اصلاح کا کام فعل کے سرزد ہونے پر موقوف نہ رکھیں۔ بلکہ خطرہ یا ادراک ہی کی دال پر اپنا کام شروع کر دیں۔ ایک معلم اخلاق کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہئے۔ درشت خو آدمی کی بات سننے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

شیخ المشائخ نے اپنی عام مجلسوں، مخصوص نشستوں، مکاتیب اور خلافت ناموں میں نفوس کی اصلاح اور مردان کار کی اخلاقی تربیت جس مؤثر پیرایہ میں دلنشیں اسلوب میں کی وہ اپنی آپ مثال ہے۔

حضرت سلطان المشائخ سراپا عفو و درگذر تھے۔ لیکن تربیت نفوس میں خواہ روحانی ہو خواہ ذہنی ایسے لمحے ضرور آتے ہیں۔ جب تادیب ضروری ہو جاتی ہے۔ خود حضرت والا کو بھی اپنے مرشد کی تادیب برداشت کرنی پڑی تھی۔ عوارف المعارف کی تدریس کے دوران ایک ایسا جملہ کہہ گئے جو مرشد کی طبع عالی پر گراں گذرا تھا۔ چنانچہ اپنے مریدوں کے احوال و کوائف پر خصوصی توجہ فرماتے۔ شفقت و ملاطفت کا انداز اپناتے۔ لیکن ضرورت ہوتی تو تادیب سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ قاضی محی الدین کاشانی کے خلافت نامہ کی ضبطی اور پورے ایک سال ناراض رہنا تادیب ہی کی غرض سے تھا۔

یہ تادیب زر خالص کو پرکھنے کا ایک معیار ہوا کرتی تھی۔

☆حضرت شیخ برہان الدین غریب جو شیخ کے چہیتے مرید و خلیفہ تھے حلقہ احباب میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے کبر سنی کی وجہ سے کملی دو تہہ کر کے بچھا کر بیٹھتے کچھ حاسدان نے شکایت کی کہ مولانا برہان الدین تو ابھی سے سجادہ مشیخیت پر بیٹھنے لگے ہیں۔ شیخ المشائخ کو یہ بات حد درجہ گراں گذری اور شیخ برہان الدین سے ناراض ہو گئے یہ ناراضگی کافی دنوں تک باقی رہی جب مولانا برہان الدین شیخ کی ناراضگی ناقابل برداشت ہو گئی تو حضرت امیر خسرو نے بارگاہ

شیخ میں برہان الدین غریب کی طرف سے عذر و معذرت کی شیخ نے معاف کر دیا اس مقام پر بھی تادیب ضروری تھی۔

شیخ المشائخ کا وہ حکیمانہ اسلوب تربیت تھا جس نے ایک عظیم روحانی انقلاب برپا کر دیا تھا۔

اثرات و نتائج:

دارالسلطنت دہلی اور اس کے اطراف میں دولت و ثروت کی کثرت نے جو دینی اخلاقی بحران پیدا کر دیا تھا۔ اور دین سے بے رغبتی صرف امراء و وزراء اور اہل ثروت ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اہل حرفہ اور عوام بھی لہو و لعب اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان بدترین حالات میں حضرت شیخ المشائخ نے اصلاح و تربیت و ارشاد کا ایک عظیم روحانی انقلاب برپا کر دیا۔ اس دور کا مؤرخ ضیاء الدین برنی اس خوشگوار روحانی تبدیلی کا تذکرہ ''تاریخ فیروز شاہی'' میں کر دیا ہے۔

پہلے اس نے مشائخ ثلاثہ خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ علاء الدین اور شیخ رکن الدین کے فیوض و برکات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا۔ اور ان کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی۔ اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور ہمیشہ کے لئے پابندِ نماز ہو گئے۔ اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی۔ اور توبہ صحیح ہو گئی۔ اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا۔ اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمابرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاقِ حمیدہ اور ترک و تجرید کے

معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی۔ اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی۔ اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی۔ اور ان کے مکارم اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیوض کی بارش دنیا میں ہونے لگی۔ اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے۔ اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے۔ اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گذاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا فرو ہوا، اور یہ تمام ملاعین اسقدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ تباہ نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں۔ وہ شعارِ اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں۔ اور احکام شریعت و طریقت کو جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا۔ کتنا عجب زمانہ وہ تھا۔ جو سلطان علاء الدین کے آخری دس سالوں میں نظر آیا۔"

اس کے بعد برنی حضرت محبوب الٰہی کی نظر کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام جو غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں ان کا تذکرہ کرتا ہے:

"اس زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا۔ اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے۔ اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے۔ اور خاص و عام، غریب و دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و

مجاہد، آزاد و غلام سب کو توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے۔ بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے۔ اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی، تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے۔ اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے۔ اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی۔ اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے۔ مرد و عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے۔ اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے۔ آزاد اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دئے تھے۔ چھپر ڈال دیئے تھے۔ کنویں کھدوا دیئے تھے۔ پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے۔ چٹائیاں بچھوا دی تھیں، ہر چبوترہ اور چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا۔ تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا۔ ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا۔ اور اکثر آدمیوں کے درمیان، چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعاتِ نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کونسی سورۃ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں۔............ پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئیں ہیں۔ اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے کہ شیخ رات کی نماز

میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں، اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں، اور عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں، اور شیخ فرید، اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے۔ اور کتنی بار سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اس قسم کے سوالات کرتے تھے۔ روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے۔ اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ پرانے مریدوں کو طاعت، عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابیں پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی اور کام نہ تھا۔ دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے۔ اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے۔ کثرتِ نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوتے تھے۔ اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے۔ ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے۔ اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ، بیس دن کے بعد صلحاء کا اجتماع نہیں ہوتا تھا۔ اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی۔ اور باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے۔ شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے۔ رمضان، جمعہ، اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے۔ پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں

گذارتے۔ بعض عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیضِ نظر سے صاحبِ کشف و کرامات ہو گئے تھے۔ شیخ کے مبارک وجود ان کے انفاس کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی۔ عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا۔ اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے۔ تصوف اور احکامِ طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوت القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد، میر حسن سنجری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی۔ صوفیوں کی کثرتِ خریداری کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنید اور شیخ بایزید کے مثل پیدا کیا تھا۔

(تاریخ فیروز شاہی، صفحہ: ۳۴۶۔۳۴۱)

کشف و کرامات:

شیخ المشائخ نے خرق عادت اور اس کے اقسام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"خرق عادت کے چار مرتبے ہیں، معجزہ، کرامت، معونت، اور استدراج۔
معجزہ کا سرچشمہ انبیاء کرام ہیں۔ انبیاء کرام علم اور عمل میں کامل ہوتے ہیں۔ اور ان پر خدا کی جانب سے وحی بھی آتی ہے۔ وہ خرق عادت جسے انبیاء ظاہر کریں معجزہ ہے۔
کرامت وہ خرق عادت ہے جس کو اولیاء ظاہر کرتے ہیں۔ اولیاء کا بھی علم و عمل کامل ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اولیاء مغلوب یعنی تابع پیغمبر ہوتے ہیں۔ خرق عادت جو اولیاء سے ظہور میں آئے کرامت ہے۔
معونت۔ بعض پاگلوں اور مجنونوں سے ہوتی ہے جن میں نہ علم ہے نہ عمل ہے۔ وہ خرق عادت جنون سے کبھی کبھی ظہور میں آئے وہ معونت ہے۔
استدراج۔ اس طائفہ سے ظہور میں آتا ہے جن میں ایمان بالکل نہیں ہوتا۔ جیسے جادوگر وغیرہ۔ خرق عادت جو ان کی بدولت نظر آئے اس کو استدارج کہتے ہیں۔ (فوائد الفواد، ج:۲، م:۲۳، صفحہ:۱۱۷۔۱۱۶)

حضرت نے خرق عادت کی تقسیم و تعریف میں وہی باتیں ارشاد فرمائیں جو کلام و عقائد کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ عہد شیخ المشائخ میں چونکہ جادوگروں پر عام اعتقاد تھا۔ لیکن آپ نے اس خرق عادت کو جو پاگل اور ساحر ظاہر کرتے ہیں۔ قابل اعتماد نہیں سمجھا۔ اصل دقت کرامت کے بارے میں تھی۔ ایک عام مطالبہ تھا کہ اہل تصوف اظہار کرامت سے وہ مقاصد پورے کریں جہاں انسانی عقل کام نہیں کرتی۔ اس مطالبہ کو پورا کرنا ناممکن تھا۔

حضرت نے کسی کرامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ آپ کے نزدیک اصل کرامت استقامت فی الدین ہے۔ ایک بار مولانا حسام الدین ملتانی نے عرض کیا۔

حضور خلق مجھ سے کرامت طلب کرتی ہے۔ آپ نے جواب دیا:

"الکرامة هو الاستقامة علی باب الغیب.

یعنی دروازۂ خداوندی پر استقامت کرنا ہی کرامت ہے۔ تم اپنے کام میں ثابت قدم اور مستقیم رہو۔ کرامت کے طالب نہ بنو۔"

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۱۵۳)

☆ مرد کے لئے کشف و کرامت حجاب راہ ہے۔ استقامت محبت الٰہی سے ہوتی ہے۔ (فوائد الفواد، ۱۲ر رمضان ۷۰۷ھ)

☆ کرامت ظاہر کرنا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ راستی کی راہ سے فقیر اور بے چارہ بن کر رہیں۔ (۱۰ر ذی قعدہ ۷۱۶ھ)

☆ خدا نے اولیاء پر کرامت کا پوشیدہ رکھنا فرض کیا ہے۔ اسی طرح جیسے خدا نے انبیاء کرام پر معجزہ کا اظہار کرنا فرض کیا ہے۔ پس اگر کسی نے کرامت کا اظہار کیا تو اس نے ایک حکم فرض کو توڑا، ایسا کام کیوں کرے۔"

پھر فرمایا:

سلوک کے سو مرتبے ہیں۔ ان میں سترہواں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ اگر سالک اسی مرتبہ پر رہ جائے تو باقی ۸۳ مرتبے کس طرح طے کرے گا۔؟ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۶۳، ۱۲ر صفر ۷۱۴ھ)

ارشاد فرمایا:

"کشف و کرامات راستہ میں حجاب ہے۔ محبت میں کام استقامت سے نکلتا ہے۔ عاجز بن کر رہنا چاہئے۔ تاکہ اصلی مقصد حاصل ہو۔ کرامتیں ظاہر کرنا بزرگی اور برگزیدگی کی دلیل نہیں۔ اس راز کو پوشیدہ رکھنا چاہئے۔ لیکن اس کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔"

ایک واقعہ:

حضرت نے شیخ سعد الدین کے بارے میں فرمایا۔ کہ وہ پایہ کے بزرگ تھے۔ لیکن بادشاہ شہر ان پر اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ ایک دن بادشاہ ان کی خانقاہ کے سامنے سے گزرا۔ اپنے حاجب کو اندر بھیجا۔ اور حکم دیا کہ اس صوفی بچہ کو باہر لاؤ تاکہ میں اس کو دیکھوں۔ حاجب اندر گیا۔ اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ شیخ نے حاجب کے پیغام پر کچھ دھیان نہیں دیا۔ اور اپنی نماز میں مشغول ہو گئے۔ حاجب باہر آیا اور حال بیان کیا۔ بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور خود سے شیخ کی خدمت میں آیا۔ جب شیخ نے بادشاہ کو اندر آتے دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور دونوں بشاشت کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ خانقاہ کے پاس ایک باغیچہ تھا۔ شیخ نے خادم کو اشارہ کیا کہ باغ سے تھوڑے سے سیب لائے۔ جب سیب آگئے تو شیخ سیب کی قاشیں بادشاہ کو دینے لگے۔ اور بادشاہ نے کھانا شروع کیا۔ ایک بڑا سیب اس طبق میں تھا۔ بادشاہ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ ان میں اگر کرامت اور صفائی ہے تو یہ بڑا سیب مجھے اٹھا کر دیں گے۔

جیسے ہی بادشاہ کے دل میں یہ خیال گذرا شیخ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس سیب کو اٹھالیا۔ اور پھر بادشاہ سے مخاطب ہو کر اپنا حسب ذیل تجربہ بیان کیا:

ایک زمانہ میں سفر کرتے ہوئے میں ایک شہر میں پہنچا۔ شہر کے دروازے پر میں نے ایک جماعت دیکھی۔ ایک بازیگر تماشہ دکھارہا تھا۔ بازیگر کے پاس ایک گدھا تھا۔ جس کی آنکھیں کپڑے سے بند کردی گئی تھیں۔ بازیگر کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی۔ یہ انگوٹھی اس نے تماشہ بینوں میں سے کسی ایک کو دیدی۔ پھر اس نے تماشہ دیکھنے والوں کی طرف منھ کر کے کہا کہ یہ گدھا دریافت کرے گا کہ انگوٹھی کس کے پاس ہے؟ اس کے بعد گدھے نے جس کی آنکھیں بندھی ہوئی تھیں تماشہ دیکھنے والوں کے دائرے میں گھومنا شروع کیا۔ وہ باری باری ہر شخص کو سونگھتا جاتا

جب گدھا اس شخص کے پاس پہنچا جس کے پاس انگوٹھی تھی تو کھڑا ہو گیا۔ اور آگے نہ بڑھا۔ بازیگر آگے بڑھا اور وہ انگوٹھی اس آدمی سے لے لی۔

اس کے بعد شیخ سعد الدین حمویہ نے بادشاہ سے کہا۔ اگر ایک آدمی کشف و کرامت دکھائے تو اپنے کو اس گدھے کے برابر کر دیتا ہے۔ جس کا میں نے ذکر کیا۔ اگر خاموش رہے اور کوئی کرامت نہ دکھائے تو آپ کے دل میں گذرے گا کہ اس شخص میں صفائی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اپنے ہاتھ کا سیب بادشاہ کی طرف پھینک دیا۔

(فوائد الفواد، ج:۳، م:۱۱، صفحہ:۲۲۲۔۲۲۱)

اس واقعہ کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ مذہب تصوف کی بنیاد کشف و کرامت یا کسی قسم کے خرق عادت پر نہیں رکھی جا سکتی۔ تصوف کی بنیاد عقل سلیم، اعتقاد صحیح اور عمل صالح پر ہے۔

کرامتوں کا اظہار ولایت کے لئے ضروری نہیں۔ کسی مشہور شیخ کی خدمت میں ایک شخص اس ارادے سے آیا کہ ان سے کوئی کرامت کا اظہار ہو جائے گا تو میں ان سے مرید ہو جاؤں گا۔ وہ خانقاہ میں مقیم ہو گیا۔ اور شب و روز شیخ کے احوال و کوائف کا گہرائی سے مطالعہ کرتا رہا۔ اس طرح طویل عرصہ گذر گیا۔ مگر شیخ سے کسی کرامت کا ظہور نہ ہوا۔ وہ مایوس ہو کر جانے لگا۔ شیخ نے جو واپسی کا سبب پوچھا تو اس نے اپنی پوری بات بیان کر دی۔ شیخ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے اپنے قیام کے دوران مجھ سے کوئی خلاف شرع عمل بھی دیکھا؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ شیخ نے فرمایا۔ اس سے بڑھ کر کون سی کرامت ہو سکتی ہے؟

اس نقطۂ نظر سے اگر حضرت شیخ المشائخ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو پوری زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آئے گی۔ اور حیات طیبہ کا ہر ہر لمحہ دین پر استقامت میں گذرا۔ جو بجائے خود ایک عظیم کرامت ہے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا کسی دور میں آپ کا قدم منہاجِ شریعت سے ہٹتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ تاہم شیخ

المشائخ سے ایسے خرق عادات کا ظہور بھی ہوا ہے۔ جنھیں ہم کرامت کے ذیل میں لا سکتے ہیں۔ یہاں چند کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔

کھارا پانی میٹھا ہو گیا:

خانقاہ نظامی میں باؤلی کھودی جا رہی تھی۔ پانی کھاری نکلا۔ ایک دن سماع کی محفل گرم تھی۔ خادم اقبال سے قلمدان اور کاغذ طلب کیا۔ ایک پارۂ قرطاس پر آپ نے کچھ تحریر فرمایا۔ اور خواجہ اقبال کو دیتے ہوئے فرمایا: اسے باولی میں ڈالدو۔ پرچہ پانی میں ڈال دیا گیا۔ اور وہ نمکین پانی شیریں ہو گیا۔

گمشدہ سند:

قصبہ "چوراسی" سرساوا میں ایک عالم رہتے تھے۔ ایک دن ان کے مکان میں آگ لگ گئی ان کی املاک کا فرمان جل گیا۔ وہ دہلی آئے مدتوں وزیر کے پاس دوڑے۔ پہلے فرمان کے مضمون کا دوسرا فرمان حاصل کیا۔ اس زمانے میں فرمان کا مرتب کرانا بہت مشکل تھا۔ بوئے اتفاق سے وہ فرمان بھی راستے میں ان کی بغل سے گر گیا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو فرمان ان کی بغل میں نہ تھا۔ بہت آہ وزاری کی۔ اور فوراً شیخ المشائخ (نظام الدین محمد) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ درد و غم کے ساتھ اپنا حال زار بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا مولانا منت مانو کہ فرمان مل جائے گا تو حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکر کی روح مبارک کے لئے حلوہ نذر کرونگا۔ مولانا نے دل و جان سے منظور کر لیا۔ کچھ دیر بعد حضرت نے زبان مبارک سے فرمایا: اچھا ہو تا کہ اسی وقت جا کر حلوہ لے آئیں۔ مولانا فوراً اٹھے خانقاہ کے دروازے پر ایک حلوائی کی دوکان تھی۔ اسے چند روپے دیئے۔ اور حلوہ خریدا حلوائی نے ردی سی ایک لکھا ہوا کاغذ نکالا۔ اور چاہا کہ اسے چاک کر کے اس میں حلوہ لپیٹے۔ مولانا نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی فرمان شاہی ہے جو غائب ہوا تھا۔ وہ کاغذ حلوائی سے لے لیا۔ اور حلوے کے ساتھ وہ گم شدہ فرمان اپنے ساتھ شیخ کی خدمت میں لائے۔ سر زمین پر رکھ دیا۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۱۱۴)

غیبی خوشبو:

ایک بار مولانا ظہیر الدین کوتوال دہلی بارگاہ سلطان المشائخ میں حاضر ہوئے۔ عود کی خوشبو محسوس کی۔ سمجھا کہ حجرۂ مبارکہ میں عود روشن ہوگا۔ خادم نے حجرہ کھولا۔ اندر عود یا کوئی خوشبو کی چیز نہ پاکر حیران ہوئے۔ حضرت نے ان کی پریشانی کا حال نورِ باطن سے معلوم کرلیا۔ فرمایا: "مولانا عود کی نہیں، دوسری چیز کی خوشبو ہے۔"

جو ولی کامل مراتب قطبیت و فردانیت کو طے کر کے مرتبہ محبوبیت پر فائز ہوتا ہے۔ اس کی ذات مظہر اسرارِ الٰہی ہو جاتی ہے۔ اور محبوب کا جسم مبارک سر تاپا عطریاتِ غیبی سے معطر ہو جاتا ہے۔ جو اہل دل اس کے پاس جاتا ہے وہ بو اس میں اثر کرتی ہے۔ (سیر الاولیاء، بحوالہ تذکرہ اولیاءِ ہند و پاک، ج:۱، صفحہ:۹۸)

خوشبوئے گلیم:

وہ گلیم مبارک جو حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مرحمت فرمائی تھی اسے آپ نے قاضی محی الدین کاشانی کو عطا فرمادیا۔ اس گلیم سے کافی خوشبو پھوٹتی تھی۔ قاضی نے وہ گلیم اپنے سر پر رکھی۔ اور گھر لائے۔ قاضی صاحب کا خیال تھا کہ یہ خوشبو عارضی ہے۔ کافی دنوں بعد اسے دیکھا تو اس کی خوشبو پہلے سے زیادہ تھی۔ امتحاناً اسے خوب دھویا۔ دھوپ اور ہوا میں خشک کیا۔ مگر خوشبو کم نہ ہوئی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ متعجب ہو کر یہ کیفیت حضرت کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت آبدیدہ ہوئے اور فرمایا قاضی یہ بوئے محبت ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کو عطا کرتا ہے۔

این بوئے نہ بوئے بوستاں ست
این بوئے زکوئے دوستاں ست

(تذکرہ اولیاءِ ہند و پاک، صفحہ:۹۸)

ناپختہ صوفی:

ایک بار خانقاہ نظامی میں مجلس سماع گرم تھی۔ ایک صوفی نے آہ کی اور اس کے بدن میں آگ لگ گئی۔ جل کر خاک ہو گیا۔ اس دوران حضرت پر وجد وحال کی کیفیت طاری تھی۔ جب ہوش آیا دریافت فرمایا یہ خاک کیسی ہے؟ حاضرین نے عرض کی۔ ایک شخص نے آہ کی۔ اور جل گیا۔ یہ اس کی خاک ہے۔ آپ نے پانی طلب کر کے اس خاک پر چھڑکا وہ صوفی زندہ ہو گیا۔ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ابھی تم میں خامی ہے۔ جب تک پختہ نہ ہو جاؤ میری مجلس میں نہ آنا۔ (اولیاء ہند و پاک، ج:ا، صفحہ :۸۸، خزینہ، ج:ا، صفحہ :۳۴۷)

حسن سنجری کی توبہ:

ایک دن حضرت محبوب الٰہی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ کے مزار پر انوار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی میں وہاں سے حوض شمسی پر دیگر بزرگان دین کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کے لے آئے۔ حوض کے کنارے مہرولی خواجہ حسن علا سنجری اپنے ہم مشرب دوستوں کے ساتھ مصروف نائے نوش تھے۔ سرور مستی کی مجلس گرم تھی کہ خواجہ حسن کی نظر شیخ پڑی۔ بدایوں میں دونوں بزرگوں میں یارانہ تھا۔ حسن سنجری کو ندامت ہوئی۔ اور کیف و سر مستی میں یہ اشعار پڑھنے لگے۔

سالہا باشد کہ باہم صحبتم
گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہد تاں ایں فسق مارا کم نہ کرد
فسق ما محکم تراز زہد شماست

حضرت نے سن کر فرمایا۔ صحبت یقیناً اثر کرتی ہے۔ لیکن اس کے لئے موقع و عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں۔ اس

بات نے حسن سنجری کے دل پر گہرا اثر کیا۔ دوڑ کر اپنا سر حضرت کے قدموں پر رکھا۔ اور دل سے توبہ کی۔ اور پھر مرید ہو کر دارین کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ سال تھی۔ حسن کے ساتھ ان کے تمام درویشوں نے بھی توبہ کی اور مرید ہوئے۔

چنانچہ اکثر و بیشتر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

اے حسن توبہ آں گہے کردی
کہ ترا طاقتِ گناہ نہ ماند

شیخ کامل کی نگاہ کیمیا اثر نے ان کو ولایت بخش دی۔ اور انہوں نے شیخ کے ملفوظات کو "فوائد الفواد" کے نام سے جمع کیا۔ جو مشائخ کے ملفوظات میں اپنی صحت اور افادیت کے لحاظ سے بڑی کامل کتاب ہے۔ جو اہل اللہ کے لئے مونسِ جان اور ہادی راہ ہے۔ خواجہ امیر خسرو اس کے بارے میں فرماتے تھے:

"اے کاش میری تمام تصانیف خواجہ حسن سے منسوب ہو جاتیں اور ان کے بدلے میں کتاب "فوائد الفواد" کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا۔" (سیر العارفین، صفحہ: ۱۱۸)

شمس الدین بزاز کی توبہ:

راجدھانی دہلی میں ایک متمول بزاز تھا۔ جس کا نام شمس الدین تھا۔ وہ اہلِ تصوف سے منحرف رہتا تھا۔ خصوصاً حضرت شیخ المشائخ کا دشمن تھا۔ آپ کی شان میں بیہودہ باتیں کہتا۔ اس کی گستاخی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

ایک دن افغان پور کے قریب ایک فرحت افزاء سبزہ زار میں سر درو مے نوشی کی بزم اپنے دوستوں کے ساتھ آراستہ کی۔ اسی دوران اس نے اپنی چشم ظاہر سے دیکھا کہ حضرت محبوب الٰہی اس کے روبرو کھڑے ہیں۔ اور ترکِ مے نوشی کے لئے اشارہ فرما رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی اس کی بداعتقادی اور خوئے مے نوشی جاتی

رہی۔ شراب پانی میں انڈیل دی۔ جام ومینا توڑ ڈالے وضو کیا اور غیاث پور کے لئے چل پڑا۔

شیخ المشائخ کی نگاہ اس پر پڑی۔ فرمایا کہ "سعادت جس کی مساعدت کرتی ہے وہ اسی طرح گناہوں سے باز آتا ہے" شمس الدین بزاز اس کلام سے متحیر ہوا۔ اور اسی وقت پوری سچائی اور اخلاص کے ساتھ حضرت کے مریدوں کے زمرہ میں شامل ہوا۔ اور دوسرے دن اپنی ساری دولت شیخ کے جماعت خانہ کے درویشوں میں تقسیم کردی۔ دنیاوی علائق سے کنارہ کش ہو کر تھوڑی ہی مدت میں ولی کامل بن گیا۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی اپنے وطن سے اودھ کی طرف جارہے تھے۔ قصبہ "بیتالی" میں شمس الدین بزاز سے ملاقات ہوئی۔ جس کے جسم پر ایک خرقہ صد چاک اور ایک جریب ہاتھ میں، اور ایک مٹی کا برتن ساتھ ہے۔ شیخ نصیر نے جب اس حال میں دیکھا۔ دریافت کیا۔ کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کی برکت سے سعادت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اور دل ہوا وہوس سے خالی ہے۔ چین سے گذرتی ہے۔ شیخ نصیر الدین نے کہا میرے پاس ایک چمڑے کی چھاگل ہے اسے قبول فرمائیں۔ تو احسان ہو؟ جواب دیا میں اکثر نماز کے لئے مسجد میں اترتا ہوں۔ کوئی شخص اس لکڑی اور ظرف گلی پر نظر نہیں ڈالتا۔ شاید اس چرمی چھاگل کی کوئی طمع کرے۔ یہ فرما کر شیخ نصیر کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور جدا ہوئے۔

(تاریخ فرشتہ، ج:۲، صفحہ:۷۴۶)

کھانے میں برکت:

ایک دن آپ کے کسی مرید نے مجلس سماع منعقد کیا۔ حاضرین کے لئے کھانے کا اہتمام بھی تھا۔ مگر مجلس سماع کے وقت ہزاروں صوفیہ اور دوسرے اہل شہر آگئے۔ کھانا کم تھا۔ محدود لوگوں کے لئے کفایت کرتا۔ صاحب خانہ سخت حیران ہوا۔ اب کیا کیا جائے؟ مزید کھانا تیار کرنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ حضرت نے نور

باطن سے صاحب خانہ کی حیرانی دریافت فرمالی۔ آپ نے خادم خاص خواجہ مبشر سے فرمایا کہ جاؤ لوگوں کے ہاتھ دھلواؤ۔ اور دس دس آدمیوں کی ٹولی بنا کر بیٹھاؤ۔ اور ہر روٹی کے چار ٹکڑے کر کے کھانے خوان میں رکھو۔ اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کر دو۔ مبشر نے ایسا ہی کیا۔ ہزاروں آدمی سیر ہو گئے۔ بلکہ کچھ کھانا بچ بھی گیا۔

اس طرح پچاس آدمیوں کا کھانا ہزاروں حاضرین نے آسودہ ہو کر تناول کیا۔ (سیر العارفین، صفحہ ۱۱۰)

کعبہ میں نماز:

حضرت شیخ المشائخ کی بزرگی کی شہرت دور دراز شہروں اور ملکوں میں پہنچی تو اہل مکہ نے کہا کہ افسوس ہے کہ مولانا نظام الدین نے حج ادا نہیں کیا۔ اس مجلس میں وہ بزرگ بھی تھے جنہوں نے چالیس سال سے خانہ کعبہ کی مجاورت اختیار کر رکھی تھی۔ انہوں نے کہا غلط ہے۔ مولانا نظام الدین ہمیشہ صبح کی نماز اول وقت خانہ کعبہ میں ادا کرتے ہیں۔ اس بات کا مکہ میں شہرہ ہوا۔ دہلی کے حاجیوں نے بھی سنا۔ اور حضرت کے مریدوں سے بیان کیا۔ مگر ہیبت و عظمت کی وجہ سے کسی میں مجال نہیں تھی کہ حضرت سے اس بارے میں دریافت کر سکے۔

ایک بار حضرت اپنے حجرہ میں تھے۔ اور ایک مرید حجرہ کے دروازے پر وضو کا پانی لئے کھڑا تھا۔ جب دیر ہوئی تو اسے خیال آیا کہ حضرت حجرہ کی چھت پر ہوں گے۔ چھت پر گیا وہاں حضرت موجود نہ تھے۔ نیچے آیا اور حجرہ کا دروازہ بند کر کے بدستور کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت حضرت نے پانی طلب فرمایا۔ اسی دوران دوسرے مرید بھی آ گئے۔ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مرید نے دست بستہ عرض کی کہ حجرہ اور چھت تک دیکھ آیا تھا۔ حضور تشریف نہ رکھتے تھے۔ جب میں باہر آیا اسی وقت آپ نے پانی طلب کیا۔ یقین ہے کہ آپ نماز ادا کرنے کے لئے خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے ہوں گے۔ پھر حاجیوں کی زبانی جو کچھ سنا تھا۔ عرض کیا۔ حضرت

نے اشکبار ہو کر فرمایا۔ میں اس قابل کب ہوں۔ مگر یہ رحمتِ پروردگار ہے۔ ایک سانڈنی (اونٹنی) غیب سے ظاہر ہوتی ہے اور مجھے اپنی پشت پر سوار کر کے حرم کعبہ میں لے جاتی ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد یہاں پہنچا دیتی ہے۔

(اولیاءِ ہندوپاک، ج:۱، صفحہ:۹۱)

بدانجام نوجوان:

شیخ رکن الدین فردوسی کو حضرت سلطان المشائخ کے ساتھ اخلاص نہ تھا۔ انہوں نے شہر دہلی سے نکل کر دریائے جمنا کے کنارے کیلو کھڑی میں خانقاہ قائم کی۔ اور حضرت شیخ کے علی الرغم مشیخیت کی بنیاد ڈال دی تھی۔ رکن الدین کے نوجوان لڑکے حد درجہ گستاخ و بے ادب تھے۔ وہ اکثر و بیشتر کشتی میں سوار ہو کر گانے گاتے، ناچتے، مستی و ترنگ کی حالت میں حضرت شیخ المشائخ کے خانقاہ کے نیچے سے گذرتے تھے۔ ایک دن حضرت جماعت خانہ کی چھت پر مشغول بیٹھے تھے۔ میر سید کرمانی کھڑے تھے۔ نوجوانوں کی وہ جماعت گاتی، ناچتی، شور وغل مچاتی ہوئی کشتی میں سوار ہو کر جا رہی تھی۔ جب حضرت کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا۔ سبحان اللہ ایک وہ ہے کہ سالہا سال سے اس کام میں خون پی رہا ہے۔ (یعنی حضرت خود سماع میں خون دل پی رہے تھے۔) اور اپنی ذات کو اس راہ میں فنا کر دیا ہے۔ یہ نوجوان ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تو کون ہے؟ اس کے بعد حضور نے دست مبارک ان کی جانب اٹھا کر اشارہ فرمایا پھر نیچے کر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ کشتی دریائے جمنا میں غرق ہو گئی۔ اور بد قماش جوان ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: مراۃ الاسرار، صفحہ:۹۰۔۷۸۹)

شیخ عماد کے لڑکوں کی گستاخی:

حضرت شیخ نصیر الدین اودھی سے منقول ہے کہ ایک دن میں اور قاضی

محی الدین کاشانی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس بیٹھے تھے کہ کچھ احباب
پہنچے۔ اور عرض کیا کہ آج خانقاہ طوسی میں عرس تھا۔ ہم اس میں شریک تھے۔
عماد کے لڑکے آں جناب کے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کر رہے تھے۔
برداشت نہیں کر سکے۔ اور وہاں سے آپ کی خدمت میں چلے آئے۔

حضرت شیخ نے جب یہ حکایت سنی تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک
روز ایک بے ہودہ گو فقیر شیخ فریدالدین کی خدمت میں آیا۔ حضرت بابا فرید نے اس
کو کچھ دیا۔ اور چلتا کیا روانگی کے وقت اس نے شیخ کے مصلے پر ایک کنگھی دیکھی
سے اس کو طلب کیا شیخ نے جواب نہ دیا۔ درویش نے کہا۔ اے شیخ اگر یہ کنگھی مجھے
دیدو تو تم پر برکت نازل ہو۔ حضرت نے فرمایا جا میں نے تجھے اور تیری برکت
آب رواں میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ درویش دریا میں غسل کرنے گیا
ڈوب گیا۔ یہ حکایت فریدالدین گنج شکر کے ذکر میں منقول ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء یہی حکایت بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص پہنچا
اور اس نے کہا کہ اسی وقت شیخ عماد کے لڑکے غسل کے لئے دریا میں اترے۔ اور
دونوں ڈوب گئے۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۱۱۲۔۱۱۱)

سونے کا دریا:

تلیغ نامی ترک جو دہلی کا باشندہ تھا۔ وہ شیخ کا معتقد و مرید تھا۔ ایک دن اس نے
سو دینار حضرت کی خدمت میں نذر کیے۔ حضرت نے انھیں قبول نہ فرمایا۔ جب شیخ
نے اس کو ملول و رنجیدہ دیکھا تو صرف ایک دینار اس کا دل رکھنے کے لئے قبول کر لیا۔
اور فرمایا باقی دینار میں نے تجھے بخش دیئے۔ تیرے کام آئیں گے۔ مگر وہ بدستور غم
زدہ رہا۔ اس وقت حضرت شیخ دریائے جمنا کے کنارے بیٹھے تھے۔ آپ نے تلیغ کی
طرف چہرہ کیا۔ اور فرمایا کہ ذرا دریائے جمنا کی طرف تو دیکھو۔ جب اس نے دریا کی
طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ پورا دریا سونے کے پانی سے بھرا ہوا ہے۔ (ایضاً، صفحہ: ۱۱۵)

حمید قلندر:

حمید قلندر کی عمر بارہ سال تھی۔ وہ اپنے والد مولانا تاج الدین مرید شیخ کے ہمراہ شیخ کے دستر خوان پر حاضر تھے۔ حضرت شیخ نے مولانا تاج الدین کو ایک روٹی دی۔ حمید قلندر نے وہ روٹی اپنے باپ سے لے کر بغل میں رکھ لی۔ جب وہ مجلس سے باہر آئے تو دیکھا کہ جماعت خانہ کی دہلیز پر چند قلندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے حمید کو دیکھا ان میں سے ایک اہل دل قلندر نے کہا۔ اے لڑکے اگر تیرے پاس روٹی ہو تو ہمیں دے۔ حمید نے کہا میرے پاس روٹی نہیں ہے۔ قلندر نے فوراً کہا حضرت شیخ نے ایک روٹی تمہارے والد کو دی تھی۔ وہ تمہارے بغل میں ہے۔ اسے ہمیں دے دو۔ حمید یہ سن کر حیران ہوئے اور فوراً بغل سے روٹی نکال کر قلندروں کے سامنے رکھ دی۔ اتنے میں مولانا تاج الدین وہاں پہنچے۔ فرزند سے پوچھا۔ روٹی کیا کی؟ حمید قلندر نے سارا قصہ بیان کیا۔ تو مولانا تاج الدین نے ایک طمانچہ انکی گردن پر رسید کیا۔ اور ان کا ہاتھ پکڑ کر شیخ کی خدمت میں لے گئے۔ عرض کیا حضرت جو روٹی آپ نے اپنے غلام کو عطا کی تھی وہ میں نے اس کے سپرد کر دی تھی کہ یہ تبرک اپنے عیال واطفال کو دونگا۔ تاکہ اس کی برکت سے ان کی بخشش ہو۔ اس بے وقوف نے وہ روٹی ان قلندروں کو جو جماعت خانہ کی چوکھٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں دے دی۔ حضرت نے فرمایا چونکہ وہ درویشوں کا حصہ تھا۔ لہذا ان کو پہنچ گیا۔ اور تیرا یہ لڑکا آخرکار قلندر ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ ویسے ہی قلندر ہو گئے۔

اگرچہ وہ دانشمند اور فاضل تھے۔ مگر قلندرانہ وضع میں رہا کرتے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال منڈواتے تھے۔ وہ دولت آباد میں مولانا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہے۔ اور ان کے ملفوظات تحریر کئے۔ ان کے وصال کے بعد دہلی آئے۔ اور حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کی خدمت میں رہے۔ کتاب ”خیر المجالس“ لکھی۔ جو ان کے ملفوظات ہیں۔ قلندرانہ لباس میں رہنے کے باوجود

سخت مجاہدے کرتے۔ نمازیں باجماعت ادا کرتے۔ لیکن حضرت شیخ المشائخ نے
فرمادیا تھا کہ یہ لڑکا قلندر ہوگا۔ آپ کا فرمان پورا ہوا۔ (سیر العارفین، صفحہ:۱۱۶)

قاضی کی صحت یابی:

قاضی حمید الدین کاشانی سخت بیمار پڑے۔ زندگی کی امید نہ تھی۔ نزاع کی
کیفیت طاری تھی۔ سلطان المشائخ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیکھا
کہ قاضی نزع کی حالت میں ہے۔ اور ہوش و حواس کھو چکے ہیں۔ دست مبارک ان
کے چہرے پر پھیرا۔ فوراً قاضی کو ہوش آگیا۔ اور صحت یاب ہو گئے۔
(خزینہ، ج:۱، صفحہ: ۳۳۴)

مولانا فخر الدین زرادی کی بیعت:

مولانا کمال الدین سامانی اور مولانا فخر الدین زرادی دونوں بے تکلف
دوست تھے۔ انہوں نے ایک ہی ساتھ تحصیل علم کی تھی۔ مولانا زرادی علم و فضل
میں درجہ انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ مگر وہ اہل باطن درویشوں سے اعتقاد نہ رکھتے تھے۔
اور کہا کرتے تھے کہ صوفیہ اکثر جاہل اور مفت خور ہوتے ہیں۔ جھوٹی کرامتوں کا
پروپگنڈا کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کے گرد جمع ہوں۔ اور فتوح و نذر پیش کریں۔
مولانا کمال الدین سامانی حضرت شیخ المشائخ کے خوش عقیدہ مرید تھے۔ انہوں نے
ایک دفعہ مولانا زرادی سے کہا تم ایک دن ہمارے مرشد کی بارگاہ میں چلو۔ انہوں
نے جواب دیا۔ تمہارے مرشد سے ملاقات کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن مولانا
کمال الدین برابر ملاقات پر اصرار کرتے رہے۔ بالآخر مولانا زرادی کو لیکر ایک دن
حضرت شیخ المشائخ کی بارگاہ میں پہنچے۔ جب مولانا کی نظر حضرت کی جبین مبارک پر
پڑی انکار کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اور حضرت کا عالمانہ کلام سن کر متحیر ہو گئے۔ واپسی کے
بعد مولانا سامانی نے مولانا زرادی سے پوچھا ملاقات کیسی رہی؟ انہوں نے جواب
دیا تم حق پر تھے۔ اور میں باطل پر۔ حضرت شیخ حقیقتاً ولی عارف ہیں۔ دو تین روز بعد

مولانا فخر الدین زرادی نے مولانا کمال الدین سامانی سے کہا۔ مجھے پھر شیخ کے پاس لے چلو۔ میں تو انھیں کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونا چاہتا ہوں۔

دوسری بار جب مولانا فخر الدین زرادی حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت نے تبسم فرمایا۔ مولانا زرادی نے قدمبوسی کی اور مرید ہو گئے۔ بال منڈوا دیئے۔

مولانا زرادی سامانہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے دہلی آنے سے قبل ان کی والدہ نے اپنی سگی بھتیجی سے ان کی نسبت طے کر دی تھی۔ مرید ہونے کے بعد انہوں نے شادی کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ اور دہلی ہی میں ٹھہر گئے۔ کچھ دنوں بعد مولانا زرادی کی والدہ نے خط لکھا کہ لڑکی پابند بیٹھی ہے۔ تمام عزیز و اقارب تمہاری آمد کے منتظر ہیں۔ جلد آؤ تاکہ تمہاری شادی کر دی جائے۔ مولانا زرادی نے والدہ کے خط کا جواب دیا کہ میں شیخ نظام الدین اولیاء کا مرید ہو گیا ہوں۔ اور ان کے غلاموں میں شامل ہو گیا ہوں۔ سر کے بال منڈوا دیئے ہیں۔ اور شادی کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اب کبھی شادی نہیں کرونگا۔ اس لئے آپ لڑکی والوں کو میرے ارادہ سے مطلع کر دیں۔

مولانا زرادی کی والدہ کو جب بیٹے کا خط ملا۔ سخت مضطرب ہوئیں۔ اور ماتم برپا کر دیا۔ مولانا کو خط لکھا۔ بیٹے اگر تم جلد سامانہ نہ آئے اور شادی نہیں کی تو میں اپنا دودھ ہرگز نہیں بخشوں گی۔ اور خودکشی کر لونگی۔ اس خط نے مولانا فخر الدین زرادی کو شدید فکر میں مبتلا کر دیا۔ اسی عالم میں شیخ نصیر الدین محمود کے پاس پہنچے۔ اور سارے واقعات بیان کئے۔ شیخ نصیر نے غور کے بعد فرمایا۔ یہ بات شیخ المشائخ سے عرض کرنی چاہیئے۔ دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں؟ دونوں حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ طے یہ ہوا کہ یہ بات شیخ نصیر ہی عرض کریں گے۔ مگر جب دونوں حضرت کے پاس پہنچے وہ حقائق و معارف کی گفتگو فرما رہے تھے۔ شیخ نصیر، مولانا زرادی کی عرضداشت بھول گئے۔ کچھ دیر بعد جب حضرت بیانِ معارف سے

خاموش ہوئے تو مولانا زرادی نے شیخ نصیر کو اپنی عرضداشت یاد دلائی۔ حضرت
نصیر الدین نے تمام واقعات و حالات شیخ المشائخ کی خدمت میں عرض کیے۔ حضرت
نے فرمایا۔ فخر الدین کا منشا کیا ہے؟ مولانا فخر الدین نے سر زمین پر رکھ دیا۔ اور
عرض کیا۔ یہ فقیر جب سے آپ کی غلامی کے رشتہ میں منسلک ہوا ہے۔ اس ارا
سے بالکل تائب ہو گیا ہے۔ حضرت نے پھر فرمایا۔ تم صرف اس لڑکی کی جانب سے
تائب ہوئے ہو یا کسی دوسری جگہ بھی شادی نہ کرو گے؟

مولانا نے عرض کیا کہ انشاء اللہ اگر مشیت حق اس فقیر کے ساتھ ہے
ہر گز شادی نہیں کرونگا۔ اس وقت حضرت شیخ نے وہ مصلیٰ جس پر تشریف فرما تھے
مولانا کو دیا اور کہا کہ تم اطمینان سے جاؤ۔ اور میرا یہ مصلیٰ اپنی والدہ کو دو۔ اور کہو کہ
شیخ نے یہ تمہارے لئے بھیجا ہے۔ اور ان سے میرا سلام کہو۔ انشاء اللہ ان کی
خوشنودی کے بعد جلد بامراد میرے پاس آؤ گے۔

مولانا فخر الدین زرادی شیخ کا مصلیٰ لے کر سامانہ پہنچے۔ اور اپنی والدہ کی خدمت
میں حضرت کا مصلیٰ پیش کیا۔ اور شیخ کا سلام بھی عرض کیا۔ ان کی والدہ نے مصلیٰ بچھایا اور
رکعت نماز ادا کی۔ جب سر سجدہ سے اٹھایا تو مولانا فخر الدین کی طرف رخ کیا۔ اور کہا میں
دنیا اور آخرت دونوں میں تجھ سے خوش ہوں۔ چاہے شادی کر یا نہ کر۔

یہ حضرت شیخ کے مصلیٰ کی برکت و کرامت تھی۔ (سیر العارفین، صفحہ:۹۷۔۹۶)

امیر خسرو کی بیعت:

حضرت امیر خسرو کی بیعت کا واقعہ احمد ایاز ہردیو نے اپنی ڈائری میں خود
امیر خسرو سے اس طرح نقل کیا ہے۔

"ایک دن میرے والد امیر سیف الدین محمود مجھ کو اور میرے بڑے
بھائی کو حضرت شیخ المشائخ کے پاس لے گئے۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا۔
آپ کہاں جا رہے ہیں؟ والد نے فرمایا۔ میں تم کو اور تمہارے بڑے بھائی کو حضرت

خواجہ نظام الدین بدایونی کا مرید کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسی جگہ دروازے پر بیٹھ جاؤں۔ اندر نہ جاؤں۔ آپ بڑے بھائی کو لیکر اندر جائیے۔ اور ان کو مرید کرائیے۔ میں یہیں آپ کی واپسی کا انتظار کرونگا۔ والد ماجد میری اس بات پر مسکرائے اور میرے بڑے بھائی کو ساتھ لیکر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ میں دروازے پر بیٹھ گیا۔ جب میرے والد اندر چلے گئے۔ تو میں نے باہر بیٹھے بیٹھے اپنے دل میں دو شعر موزوں کئے۔ ارادہ یہ تھا کہ اگر حضرت کامل ہیں تو اپنے نورِ باطن سے اس کا حال معلوم کرلیں گے۔ اور شعر کا جواب مجھے شعر کے ذریعہ عنایت فرمائیں گے۔ تب میں اندر جاکر حضرت کا مرید ہو جاؤنگا۔ ورنہ والد اور بھائی کے ساتھ گھر واپس چلا جاؤنگا۔ وہ شعر یہ تھے۔

تو آں شاہے کہ بر ایوان قصرت
کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بردر آمد
بیاید اندروں یا باز گردد

ترجمہ: تو ایسا بادشاہ ہے کہ اگر تیرے محل کے لنگر پر کبوتر آبیٹھے تو تیری برکت سے وہ کبوتر باز بن جائے۔ پس ایک غریب مستمند تیرے آستانے پر آیا ہے وہ اندر آجائے یا الٹے پاؤں واپس ہو جائے۔

امیر خسرو نے کہا میں یہ شعر موزوں کر کے خاموش بیٹھا تھا۔ اور حضرت کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ یکا یک حضرت کا ایک خادم دروازے کے باہر آیا۔ اور اس نے مجھ سے کہا حضرت محبوب الٰہی نے مجھے حکم دیا ہے۔ دروازہ کے باہر ایک ترک زادہ بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے جاکر یہ شعر پڑھ دو۔ اور واپس چلے جاؤ۔

بیاید اندروں مرد حقیقت
کہ باما یک نفس ہمراز گردد

اگر ابلہ بود آں مرد ناداں
ازاں راہے کہ آمد باز گردد

ترجمہ: مرد حقیقت اندر آجائے تاکہ ہمارے ساتھ کچھ دیر ہمراز بن جائے۔ اور اگر وہ آنے والا نا سمجھ اور نادان ہے تو جس راستہ سے یہاں آیا ہے اسی راستہ سے واپس چلا جائے۔

(امیر خسرو نے کہا) جب خادم نے میرے دل کے شعر کا جواب حضرت کی طرف سے اس شعر میں سنا دیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور دیوانوں کی طرح خادم کے ساتھ ساتھ حضرت کے مکان میں داخل ہوا۔ میرے والد اور بھائی اور حضرت سید محمد کرمانی وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے حضرت کو دیکھا کہ وہ میری طرف غور سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے لبوں پر تبسم ہے۔ میں نے دوڑ کر حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا:

بیا بیا اے مرد حقیقت اینجا بیا
دیک نفس باما ہمراز بشو

میں نے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ اور حضرت نے مجھے بیعت کا شرف عطا فرمایا۔ (انوار الاولیاء، صفحہ: ۲۹۸)

بادشاہ دکن:

حضرت شیخ المشائخ نے خواجہ محمد کرمانی سے فرمایا۔ ایک بادشاہ خانقاہ کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے اسے اندر بلاؤ۔ اور کھانا کھلاؤ۔ خواجہ محمد باہر گئے۔ وہاں کسی بادشاہ کو نہ پایا۔ ہاں ایک خوبرو نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ جسم پر بوسیدہ لباس تھا۔ اور چہرے سے حیرانی و پریشانی ظاہر تھی۔ دریافت کیا گیا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا۔ میں ایرانی امیر زادہ ہوں۔ مغلوں نے ہمارے خاندان کو برباد کر دیا۔ اور میں یہاں نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔ چند روز گذر گئے آوارہ دلی کی خاک چھان رہا ہوں۔

مگر کہیں ملازمت نہیں ملتی۔ تین وقت سے بھوکا ہوں۔ سنا تھا کہ حضرت کا لنگر عام ہے۔ اس خوان نعمت سے جو روٹی کھالیتا ہے اس کی مصیبت دور ہو جاتی ہے۔ لیکن میری غیرت گوارہ نہیں کرتی کہ لنگر خانہ میں جاکر روٹی مانگوں۔ دروازہ پر اس لئے بیٹھا ہوں کہ شاید حضرت کی باطنی توجہ سے میری تکلیف دور ہو جائے۔

خواجہ محمد اندر آئے۔ اور عرض کی۔ حضور باہر کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ ہاں ایک ایرانی لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ بادشاہ کو اندر بلاؤ۔ اسے لنگر خانہ میں نہ لے جاؤ۔ میرے پاس لاؤ۔ خواجہ محمد اور احمد ایاز باہر گئے۔ اور پراگندہ حال جوان سے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میرا نام حسن ہے۔ پھر اسے بارگاہ نظامی میں حاضر کیا۔ حضرت نے اس سے فرمایا۔ بیٹھیں اے بادشاہ دکن۔ حسن فرش پر بیٹھ گیا۔ پھر حضرت نے خواجہ محمد کو حکم دیا۔ بادشاہ کے لئے کھانا لاؤ۔ اس وقت مطبخ کا سارا کھانا ختم ہو چکا تھا۔ روٹی کے چند ٹکڑے رہ گئے تھے۔ جنھیں خواجہ لے کر آئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے ان میں سے ایک ٹکڑا اٹھا کر ایرانی نوجوان کو مرحمت فرماتے ہوئے کہا۔ "یہ دکن کی بادشاہی کا تاج ہے" نوجوان نے وہ ٹکڑا کھالیا۔ پھر ادب واحترام کے ساتھ باہر چلا گیا۔ (انوار الاولیاء، صفحہ: ۳۰۱)

محمد تغلق کے عہد میں اسے شاہی منصب ملا۔ پھر دکن آیا۔ جہاں اسے شہر کونجی اور رائے باغ جاگیر میں ملے مگر وہ بغاوت کے الزام میں معتوب ہوا۔ مگر دکن کی حکومت کا سودا سر میں تھا۔ حالات کی نامساعدت جھیلتا رہا۔ دکنی امراء اور راجہ تلنگانہ کی مدد سے ایک بڑی فوج ترتیب دے کر عمادالملک کے مقابلہ میں آیا۔ جنگ میں عمادالملک مارا گیا۔ اور شاہی فوج شکست کھا کر فرار ہوئی۔

ناصر الدین شاہ اور امراء نے اتفاق رائے سے ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ مطابق ۳ اگست ۱۳۴۷ء بروز جمعہ حسن گنگو کے سر پر دکن کی سلطنت کا تاج رکھا۔ اور مملکت دکن میں حسن کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس کے نام کا سکہ جاری

ہوا۔ جسے تاریخ میں علاء الدین حسن گنگو بہمنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی کا دارالحکومت حسن آباد گلبرگہ تھا۔...... (تاریخ فرشتہ، ج:۱، صفحہ: ۴۴۳)

(ج) مذہبی، اخلاقی، روحانی تعلیمات وارشادات

عدل وفضل:

خدا کا معاملہ انسان سے دو قسم کا ہے۔ اور انسانوں کا معاملہ آپس میں تین قسم کا ہے۔ خدا کا معاملہ انسان سے یا عدل ہے یا فضل۔ انسانوں کا معاملہ ایک دوسرے سے عدل ہے یا فضل ہے یا ظلم ہے۔ اگر انسان ایک دوسرے پر عدل یا فضل کریں گے تو خدا ان پر فضل کرے گا۔ اگر انسان ایک دوسرے پر ظلم کریں گے تو خدا ان پر عدل کرے گا۔ اور جس شخص پر خدا عدل کرے گا وہ ماخوذ ہوگا۔ اگرچہ پیغمبر وقت ہی ہو۔

بندے نے حسن سنجری سے عرض کیا۔ کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"اگر کل قیامت کے دن خدا مجھے اور میرے بھائی عیسیٰ کو دوزخ میں بھیجے تو اس کا عدل ہوگا۔ حضور نے فرمایا: ہاں۔ تمام عالم خدا کی ملکیت ہے۔ جو اپنی ملکیت میں تصرف نہ کرے وہ ظلم نہیں کرتا ہے۔ ظلم یہ ہے کہ دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرے۔ (فوائد الفواد، صفحہ: ۱۹۰)

خالق افعال خدا:

بندے کے ہر فعل کا خالق (چاہے وہ فعل اچھا ہو یا برا) خداوند تعالیٰ ہے۔

چونکہ ہر چیز جو انسان پر وارد ہوتی ہے خدا کے حکم سے وارد ہوتی ہے۔ اس لئے کسی خاص آدمی سے کیوں رنجیدہ ہوں؟ پھر یہ حکایت بیان کی:

"ایک دن شیخ ابو سعید ابی الخیر ایک راستہ سے گذر رہے تھے۔ پیچھے سے ایک بے وقوف آیا۔ اور ایک مکا آپ کی گردن پر مارا۔ جب آپ نے پھر کر دیکھا تو بیوقوف نے کہا آپ میری طرف کیوں دیکھ رہے ہیں کیا آپ نہیں کہتے ہیں کہ ہر اچھی اور بری بات جو بندے پر گذرتی ہے خدا کے حکم سے گذرتی ہے؟ شیخ نے جواب دیا۔ میرا کہنا صحیح ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ کس بدبخت کو اس کام کے لئے نامزد کیا ہے۔

(فوائد الفواد، ۲۳ر محرم ۷۲۱ھ)

دعاء:

دعاء کے وقت خدا کی رحمت کا خیال کرنا چاہئے۔ اور اپنے گناہوں کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ دعاء آفت آنے سے پہلے کرنا چاہئے۔ تاکہ آفت نہ آئے۔ آفت آنے کے بعد بھی دعاء کرنا چاہئے۔ تاکہ آفت کم ہو جائے۔ لیکن یہ سب سمجھانے کے بعد آپ فرماتے۔ دعاء صرف تسکین دل ہے۔ خدا عزوجل جانتا ہے کہ کیا کرنا چاہئے۔ (ایضاً، ۷ر ذی قعدہ، ۷۱۰ھ)

معاملات خلق:

خلق کے معاملات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ قسم اول یہ کہ ایک شخص کو دوسرے سے نہ فائدہ پہنچے نہ نقصان۔ اور یہ حکم جماد (پتھروں) کا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ایک شخص کو دوسرے سے نفع پہنچے اور نقصان نہ پہنچے۔ تیسری قسم ان دونوں سے بہتر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اگر کوئی اس کو نقصان پہنچائے تو وہ اس کو برداشت کرے۔ اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔ اور یہ کام صدیقوں کا ہے۔ (ایضاً، ۱۰ر رجب ۷۲۰ھ، خیر المجالس، صفحہ:)

سلامتی ایمان:

ایمان کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ مرتے وقت مرنے والے کا چہرہ زرد ہو جائے۔اور ماتھے پر پسینہ آجائے۔(فوائد الفواد، ج:ا، صفحہ:۱۹۰)

جمع مال بقدر ضرورت:

مال جمع نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ بقدر ضرورت رکھا جاسکتا ہے۔ جیسے تن پوشی کے لئے کپڑا وغیرہ۔ لیکن کثرت نہ ہو۔ بلکہ صرف ضرورت کے مطابق ہو۔ ورنہ جو کچھ ملے اسے خرچ کردیا جائے۔(ایضاً، صفحہ:۲۰۱)

اسراف:

جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے، خواہ سب ہی کچھ کیوں نہ ہو وہ اسراف نہیں ہے۔ لیکن جو خدا کے لئے خرچ نہ کیا جائے۔ خواہ کتنا ہی کم ہو وہ اسراف ہے۔(ایضاً، صفحہ:۲۰۲)

عبادت:

مالی عبادت ہو یا بدنی یا مخلوق سے خوش اخلاقی سے پیش آنا ہو۔اگر اس میں ایک بھی قبول ہوگئی تو اس کے طفیل میں سارے کام بن جاتے ہیں۔(ایضاً)

کلید سعادت:

سعادت کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں۔اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ یہ قفل کس کنجی سے کھلے گا؟ لہٰذا سبھی کنجی سے کھولنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اگر ایک سے نہ کھلے گا تو دوسری سے، تیسری سے، کسی نہ کسی سے تو کھل ہی جائے گا۔

(ایضاً، ج:۴، صفحہ:۱۹۰)

☆اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی فطرت میں اہلیت و خاصیت خاص محفوظ فرمائی ہے۔ جس کی بدولت وہ حق کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔اور جب اس اہلیت کے اثر سے وہ کوئی کام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کے دل کو تقویت حاصل ہوتی

ہے۔ تو اسی کو توفیق کہتے ہیں۔ اور جب کوئی طلب حق کے عمل میں ثابت قدم رہتا ہے تو اسے ہمت کہتے ہیں۔ ہمت ہی سعادت کے قفل کی کنجی ہے۔ (سیر الاولیاء)

متقی:

متقی وہ ہے جس نے گناہ کی لذت چکھی نہ ہو۔ اور تائب وہ ہے جس نے مزہ چکھنے کے بعد اسے چھوڑا ہو۔ بہر حال متقی کا مرتبہ تائب سے بلند ہے۔
(فوائد الفواد، ج:۴، صفحہ:۲۰۲)

ذکر خفی:

ذکر جہر سے ذکر خفی بہتر ہے۔ صحابہ کرام قرآن پاک اس طرح پڑھتے تھے کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ جب وہ آیتِ سجدہ پر پہنچتے اور سجدہ کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ قرآن پاک پڑھ رہے ہیں۔ (ایضاً، صفحہ:۲۳۰)

☆ مشائخ طریقت کے اصطلاح میں دل کا جمالِ حق کا مشاہدہ کرنا مراقبہ ہے۔ اور ذکر خفی مراقبہ سے ستر درجہ بہتر ہے۔ (ایضاً)

ترک دنیا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خواب میں دنیا کو بوڑھی اور بدشکل عورت کی صورت میں دیکھا تو اس سے دریافت کیا۔ تیرے کتنے خاوند ہیں؟ جواب دیا۔ لاتعداد۔ دریافت فرمایا کیا کسی نے تجھے طلاق بھی دی ہے؟ جواب دیا۔ نہیں میں نے خود ان کو ختم کر دیا۔ (فوائد الفواد، صفحہ:۳۵۶)

☆ ترک دنیا اور ترک لذات کے بارے میں فرمایا:

"ہمت بلند رکھنا چاہئے۔ دنیا کی آلائش میں نہیں پھنسنا چاہئے۔ خواہشات سے بلند ہو جانا چاہئے۔

یک لحظہ ز شہوتے کہ داری بر خیز
تا بہ نشیند ہزار شاہد پیشت

☆ جو اللہ تعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے۔ وہ کاذب ہے۔ (ایضاً)

☆ عارف کے ستر مقامات ہیں۔ ان میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے تو وہ بدترین آدمی ہے۔ (ایضاً)

☆ دولت کو جمع نہیں کرنا چاہیے۔ دولت کا اصل لطف خرچ کرنے میں ہے۔ جمع کرنے میں نہیں۔ جو خود دولت کے پیچھے نہیں دوڑتا۔ جو اسکی طمع نہیں کرتا بلکہ اس کو خرچ کرتا ہے وہ حقیقت میں تارکین دنیا میں ہی شامل ہے۔ (ایضاً)

☆ تین طرح کے لوگ ہیں۔ جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں۔ اور وہ رات دن اس کی یاد اور فکر میں ہوتے ہیں۔ اس سے کچھ دوسرے لوگ ہیں۔ جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اسے حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی دشمنی میں رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت۔ اور وہ اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے۔ یہ پہلی دو قسموں سے بہتر ہے۔ (فوائد الفواد، ج:۱، صفحہ:۱۷۹)

☆ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک تو صوری اور معنوی طور پر دنیا ہے۔ اور ایک صورت دنیا ہے۔ اور معناً دنیا نہیں ہے۔ پھر بیان کیا کہ جو صورتاً اور معناً دنیا ہے وہ کفاف سے زائد گناہ ہے۔ اور جو صوری اور معنوی طور پر دنیا نہیں ہے وہ خلوص بھری دنیا ہے۔ اور جو صوری طور پر دنیا نہیں ہے اور معنوی طور پر دنیا ہے وہ ریا کی اطاعت ہے۔ یعنی وہ دفع ضرر اور نفع کے حصول کے لئے ہے۔ اور وہ جو بظاہر دنیا اور بباطن دنیا نہیں وہ اپنے حرم کا حق ادا کرتا ہے۔ یعنی اپنے اہل خانہ سے اس نیت سے سلوک کرے کہ ان کا حق ادا کرے۔ پھر فرمایا اصل دانائی یہ ہے کہ دنیا سے پرہیز کرے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ:۵۶۷)

☆ شیخ المشائخ نے فرمایا:

ایک بزرگ نے حضرت خضر سے ترک دنیا کے بارے میں کہا۔ تم اسی طرح رہو جس طرح میں رہتا ہوں۔ خضر نے پوچھا تم کیسے رہتے ہو۔ اور کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں یوں رہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا مجھے دیں اور کہیں کہ قبول کر لے۔ تجھ سے اس کا حساب بھی نہیں لیا جائے گا اور یہ بھی کہیں کہ اگر تو نہ لے گا تو تجھے دوزخ میں لے جائیں گے۔ میں دوزخ قبول کر لونگا۔ اور دنیا نہ لونگا۔ حضرت خضر نے پوچھا۔ کیوں قبول نہیں کرے گا؟ جواب دیا کہ دنیا خدا کی طرف سے مورد خشم واقع ہوئی ہے۔ جسے خدا دشمن کہے اس کے بجائے میں دوزخ قبول کر لونگا۔ اور اسے قبول نہیں کرونگا۔ کیونکہ دنیا قبول کرنے سے دوزخ بہتر ہے۔ (ایضاً، صفحہ ۵۷۸)

راہ سلوک کی لغزشیں:

حضرت شیخ المشائخ نے راہ سلوک کی لغزشوں کی سات قسمیں بیان فرمائیں۔ پھر ان کی تفصیل بھی ذکر کی۔ اعراض، حجاب، تفاصل، سلب مزید، سلب قدیم، تسلی، عداوت۔ فرمایا:

دو دوست ہوں عاشق و معشوق، دونوں ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ اس درمیان اگر عاشق سے کوئی حرکت کام یا بات یا فعل ایسا سرزد ہو جائے جو اس کے دوست کو پسند نہ ہو تو وہ دوست اس سے اعراض کرتا ہے۔ یعنی منہ موڑلیتا ہے۔ پس عاشق پر واجب ہے کہ اسی وقت استغفار میں مشغول ہو جائے۔ اور معذرت چاہے۔ یقیناً اس کا دوست اس سے راضی ہو جائے گا۔ بے توجہی جاتی رہے گی۔ اور اگر وہ محبت کرنے والا اس خطا پر اصرار کرے گا اور عذر پیش نہیں کرے گا تو وہ اعراض حجاب تک پہنچ جائے گا۔ معشوق درمیان میں حجاب لائے گا۔ شیخ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اونچا کیا۔ اور آستین چہرۂ مبارک کے سامنے کرلی۔ اور فرمایا کہ مثلاً اس طرح کا حجاب محبّ اور محبوب کے درمیان ہو جائے گا۔

پس محبت پر واجب ہے کہ وہ معذرت کی کوشش میں رہے۔ اور توبہ کرے۔ اگر اس معاملہ میں سستی کرے گا تو حجاب تفاصل میں بدل جائے گا۔ وہ دوست اس سے جدائی اختیار کر لے گا۔ اگر اس کے بعد بھی وہ دوست معافی نہ مانگے تو سلب مزید ہو گا۔ یعنی اس کے اوراد و طاعت و عبادت کے ذوق میں جو ترقی تھی وہ واپس لے لی جائے گی۔ پس اگر اس پر بھی عذر نہ کرے اور اس ہٹ دھرمی پر جمار ہے تو سلب قدیم ہو گا کہ وہ طاعت اور راحت جو مزید سے قبل میسر تھی وہ بھی چھن جائے گی۔ پس یہاں بھی توبہ میں کسر رہ جائے تو اس کے بعد تسلی ہو گی۔ اور دوست کا دل اس کی جدائی پر مطمئن ہو جائے گا۔ پھر بھی توبہ میں سستی ہو تو عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محبت عداوت میں بدل جاتی ہے۔ (فوائد الفواد، ج:۱، م:۱۶، صفحہ:۲۳۷)

توفیق:

فرمایا: جب سالک عبادت اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے۔ اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ مجاہدہ و ریاضت میں ذوق و شوق محسوس کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ یاد حق کے سوا ہر چیز اس راہ میں مانع ہو جاتی ہے۔ (ایضاً، صفحہ:)

یاد حق کی بنیاد:

سالک کے لئے یاد حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے۔ (۱) خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہو گا (۲) وہ ہمیشہ باوضو رہے۔ اگر اسے نیند آجائے تو جاگنے کے بعد پھر وضو کرے۔ (۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرے۔ اگر ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے۔ (۴) غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرے۔ (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو۔ (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو۔

سالک کا پرہیز:

ارشاد فرمایا:

"سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (۱) دنیا۔ خصوصاً مالداروں کی صحبت۔ (۲) ماسوا اللہ کا تذکرہ۔ (۳) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ (۴) دل کا میل یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو۔ (افضل الفوائد)

توبہ دریا:

ارشاد فرمایا: سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو۔ ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے۔ (فوائد الفواد)

گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے۔ مگر طاعت سے ہزار مرتبہ جس طاعت میں ریا کی آمیزش ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔

پردہ پوشی:

درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا نہ نکلے۔ درویش کو پردہ پوش ہونا چاہئے۔ پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔ (افضل الفوائد)

شریعت کی پابندی:

شیخ المشائخ کی زندگی کا ہر عمل، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، خلوت و جلوت، سب کچھ قانون شریعت کے مطابق تھا۔ وہ آئین اسلام کی باریک سے باریک نزاکتوں کو بھی نظر انداز کرنا گوارہ نہ فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے مریدوں اور جانشینوں نیز عام لوگوں کو بھی اتباع شرع کی تاکید فرماتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

"آنچہ نامشروع ست ناپسندیدہ ست"

جماعت:

"اگر دو آدمی بھی ہوں جماعت کرنی چاہیے۔ اگرچہ دو آدمیوں سے جماعت

نہیں ہوتی مگر جماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔(فوائد الفواد، ج:۳،م:۱۰، صفحہ:۱۸۲)

کسب حلال:

اسلامی نظام اخلاق میں اکل حلال کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ لقمۂ حرام سے بچنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہیں۔ کیونکہ مال حرام کے کھانے سے قلب میں سیاہی پیدا ہوتی ہے۔ معرفت حق کے درمیان حجابِ کثیف حائل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ اپنے مریدوں کو کسبِ حلال کی تاکید فرماتے تھے۔ اور حرام لقمہ سے معدے کو پاک رکھنے پر زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ روزی حاصل کرنے کے لئے جدو جہد کرنا انسان کا فریضہ ہے۔ جو اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کا سامان کرتا ہے وہ حقیقتاً عبادت الٰہی کرتا ہے۔ فتوح پر گذر اوقات کی اجازت صرف خلفاء کو تھی۔ جن پر دوسروں کی اصلاح و تربیت کی ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ تھا۔ اور جو اپنا تمام وقت اس کار خیر کے لئے صرف کرتے تھے۔ عام مریدوں کو حکم تھا کہ وہ محنت کر کے روزی حاصل کریں۔

تلاوت قرآن:

ذکر کرنے والے کا مقصد اگرچہ جلد حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن زوال کا کھٹکا رہتا ہے۔ اور اگرچہ تلاوتِ قرآن کرنے والے کا مقصود دیر میں حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اسے خوف زوال نہیں ہوتا۔ (سیر الاولیاء)

☆ قرآن پاک پڑھنے والے کو جب کسی آیت کی تلاوت میں کیفیت حاصل ہو تو اسے بار بار پڑھنا چاہیے۔ اور لطف اندوز ہونا چاہیے۔

کھانا کھلانا:

کھانا دینا ہر مذہب میں پسندیدہ ہے۔ ایک درہم کا کھانا پکا کر دوستوں کو کھلانا بیس درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ (ایضاً)

عقل:

"عقل ایک فطری نور ہے۔ جو سننے اور حاصل کرنے سے ترقی کرتا ہے۔" (ایضاً)

نیت:

اگر کوئی دل میں یہ کہے کہ میں یہ کرتا ہوں یا ایسا کروں گا تو یہ نیت نہیں بلکہ حدیثِ نفس یعنی دل کی بات چیت ہے۔ نیت تو یہ ہے کہ دل میں کوئی بات بطور الہام پیدا ہو۔ اور آمادۂ عمل کردے۔ (ایضاً)

متفرق اقوال وارشادات:

☆ اصل غناء یہ ہے کہ دنیا کو ترک کیا جائے۔

☆ درویش کو چاہئے کہ نہ خوشی سے خوش ہو نہ غمی سے غمناک۔

☆ جب ایک مرتبہ پیٹ بھر جائے تو پھر اور کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ البتہ دو شخصوں کو کھانا جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس کے ہاں مہمان آئے ہوں اور وہ ان کی خاطر ان کے ساتھ مل کر اور کچھ کھالے۔ اور دوسرے وہ جو روزہ رکھتا ہو۔ اور سمجھتا ہو کہ سحری کے وقت شاید کچھ نہ مل سکے۔

☆ مرد جب علم سیکھتا ہے تو اسے شرف حاصل ہوتا ہے۔ اور جب طاعت کرتا ہے تو اس کے کام میں بہتری آتی ہے۔ اس موقع پر پیر کو چاہئے کہ دونوں کو توڑ دے۔ یعنی علم اور عمل دونوں اس کی نظر سے گرادے تاکہ وہ خود پسندی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

☆ معاملہ کے وقت اس قسم کی گفتگو کرنی چاہئے جس سے گردن کی رگیں نمودار نہ ہوں۔ یعنی تعصب اور غضب کی علامت نہ پائی جائے۔

☆ ہر ایک کا ظلم سہنا چاہئے۔ اور اس کا بدلہ لینے کی نیت بھی نہیں کرنی چاہئے۔ (دلی کے بائیس خواجہ، صفحہ:۱۴۱۔۱۴۰)

☆ جس طرح شہوت بے موقع حرام ہے۔ اسی طرح غصہ بھی بے موقع حرام ہے۔

☆ ایک آدمی دوسرے پر غصہ کرتا ہے اور برداشت کر لیتا ہے تو خوبی اس

شخص کی ہوتی ہے جو برداشت کرلیتا ہے۔اس شخص کی نہیں جو غصہ کرتا ہے۔

☆اگر کوئی شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے تو چاہئے کہ سب کے سامنے نہ کرے۔کیونکہ یہ فضیحت ہو جاتی ہے۔ملامت اور نصیحت جو بھی کرنی ہو وہ اکیلے میں کرے۔سب کے سامنے نہیں۔(فوائدالفواد،ج:۴،م:۱۷،صفحہ:۲۵۹)

☆جو بھی جفا کو سہہ لیتا ہے وہ سب سے اچھا ہوتا ہے۔غصہ کو پی جانا چاہئے۔اور بدلہ کے چکر میں نہیں رہنا چاہئے۔(ایضاً،صفحہ:۲۷۷)

☆اگر سالک سے راہ سلوک میں لغزش ہو جائے لیکن ذوق کسی قدر باقی رہے اور توبہ کرکے جلد اسے حاصل کرلے تو اسے سلوک کا وہی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے جو اسے حاصل تھا۔

☆اگر مرید شیخ سے کہے کہ میں آپ کا مرید ہوں اور شیخ کہے کہ تم میرے مرید نہیں ہو تو وہ واقع میں مرید ہے۔اور اگر شیخ یہ کہے کہ تم میرے مرید ہو۔اور مرید نہ مانے تو واقعی وہ مرید نہیں ہے۔کیونکہ ارادت مرید کا فعل ہے۔

(د)مقام ومرتبہ

ہندوستان کی تاریخ دعوت وعزیمت اور سلوک وتصوف میں سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خاص رتبہ ومقام حاصل ہے۔وہ اولین صوفیہ ومشائخ کی طرح ہندوستان میں مسلم حکومت کی تاسیس کے دور میں پیدا نہیں ہوئے۔اس لئے داتا بخش گنج لاہوری اور خواجہ غریب نواز اجمیری اور شیخ العالم حضرت بابا فرید گنج شکر کی طرح تبلیغ واشاعت دین کے لئے ان کی ذات امتیازی شان تو نہیں رکھتی۔تاہم ہندوستان میں مسلم اقتدار کی ترقی وشباب کے دور

میں جو اثر واقتدار انھیں حاصل ہوا۔ بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوا۔ حضرت والا نے غیر مسلموں کے اندر تبلیغ دین کا مشن تو جاری نہیں کیا۔ لیکن اسلامی معاشرہ کی تطہیر اور مسلمانوں کے ظاہر وباطن کی صفائی کا کام جو انہوں نے دہلی میں بیٹھ کر انجام دیا۔ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہ کام جس بڑے پیمانہ پر حضرت شیخ المشائخ نے انجام دیا اس کی نظیر کم از کم ہندوستان کی تاریخ مشیخت وتصوف میں نظر نہیں آتی۔ انہوں نے راجدھانی میں سیاست وسلطان سے بے تعلق رہ کر تزکیہ واحسان کی ایک ایسی مملکت قائم کرلی تھی۔ جس کی چوکھٹ پر وقت کے جمشید ودارا بھی پیشانی نیاز رکھنا فخر خیال کرتے تھے۔

در حجرۂ فقر بادشاہے
در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سریر و بے تاج
شاہانش بجا کپائے محتاج

(امیر خسرو)

شیخ المشائخ نے اپنے عہد میں تجدید واحیائے دین اور دعوت واصلاح کے ذریعہ مردہ دلوں کو زندگی عطا کی تھی۔ اور سرکشی وطغیان کی پر پیچ وادیوں میں بھٹکنے والے انسانوں کی رہنمائی فرمائی تھی۔ وہم وگمان کی تاریکیوں میں یقین واذعان کی شمعیں فروزاں کی تھیں۔ اسی اہم کارنامہ کی وجہ سے حضرت امیر خسرو نے فرمایا تھا۔

وجودِ خواجہ نہ از آب و گل گشتہ مرتب
کہ جانِ خضر و مسیحا بہم شدہ مرکب

خضر علیہ السلام کا کام انسانوں کو سیدھی راہ دکھانا اور معرفت حق کی جانب رہنمائی کرنا ہے۔ مسیح علیہ السلام اپنے نفس گرم سے مردوں کو زندہ کردیتے اور ان کے اندر تازہ روح پھونک دیتے تھے۔ امیر خسرو نے ان دونوں مقدس ہستیوں کے

کارہائے نمایاں کو اپنے شیخ میں یکجا دیکھا۔ اس لئے کہ شیخ نے برگشتہ راہ لوگوں کو صداقت و معرفت کی ڈگر بتائی تھی۔ اور مریض دلوں کو حیات تازہ بخشی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے سچائی کی راہ دکھانے اور برائی سے بچانے کے کام کو انسانیت کی سب سے بڑی ذمہ داری سمجھ کر انجام دیا تھا۔ اور اسی محور پر ان کی ساری مساعی جمیلہ گردش کرتی ہیں۔ بابا فرید نے آپ کے حق میں دعاء کی تھی کہ:

"تو ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں ایک خلق کثیر آسائش و راحت سے رہے۔"

یہ دعاء حرف بہ حرف قبول ہوئی اور غیاث پور میں اس شجر سایہ دار کے نیچے درماندہ راہ، پریشان حال افراد کو خطاو عصیان کو سخت تپش میں صلاح و طاعت کا سایہ ملا۔ اور اس کی ٹھنڈک نے دلوں کو راحت و سکون کی دولت سے بہرہ مند کر دیا۔

شیخ المشائخ نے انسانوں میں مکارم اخلاق کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا تھا۔ جو اتباع رسول کا مثالی نمونہ ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.

ہمیشہ ان کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ "انسانوں کو حق پرستی اور سچائی کی طرف بلانا ایک کار نبوت ہے۔ اس کے لئے کوشش کرنا انسانوں کی سب سے بڑی سعادت ہے۔"

اپنی ذات کو مکارم اخلاق کا پیکر بنانا آسان ہے۔ مگر دوسروں کو اخلاق حسنہ کے سانچے میں ڈھالنا بڑا مشکل کام ہے۔ شیخ فرماتے ہیں:

"زیادہ نمازیں پڑھنا، وظائف میں مصروف رہنا، بہ کثرت تلاوت کلام پاک کرنا، یہ سب کام مشکل نہیں ہیں۔ ہر باہمت شخص کر سکتا ہے۔ بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے۔ تہجد گذاری میں بھی مصروف رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے۔ لیکن مردانِ خدا کا کام کچھ اور ہی ہے۔ (سیر الاولیاء)

خواجہ معین الدین چشتی سے پوچھا گیا۔ بہترین عبادت کیا ہے؟ فرمایا: عاجزوں کی فریاد کو پہونچنا، ضعیفوں اور بے چاروں کی حاجت روائی کرنا اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا۔"

شیخ المشائخ کی زبانی۔

در ملک قناعت محباں سلطانیم
کیخسروئے بے حاجب و بے دربانیم
از لذت فاقہ ذوقہا می گیریم
از دولت خضر ملکہا می رانیم

شیخ المشائخ نے ہمیشہ اس صوفیانہ مشن کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل رہنا اپنا مقصد طریقت بنالیا تھا۔ اور اس دور میں جب دولت و حکومت نے مسلمانوں کو اخلاقی پستی میں پہنچا دیا تھا۔ ان میں اخلاقی قدروں کا احساس و احترام پیدا کیا۔ شیخ کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اخلاقی و روحانی تصورات کو ایک ہمہ گیر عملی تحریک کی شکل دے دی تھی۔ اور روحانیت و اصلاح کی یہ طاقتور تحریک آپ کے نامور خلفاء و مریدین کے ذریعہ گجرات، دکن، بنگال، اودھ، مالوہ اور برصغیر ہند کے تقریباً ہر شہر و قریہ تک پہنچی۔ ان کے خلفاء و مریدین خاص اپنے وقت کے مایہ ناز مبلغ و مصلح بن کر افق اصلاح و تبلیغ پر چھاگئے۔ اور ان کی خانقاہیں روحانیت و تصوف کا مرکز بن گئیں۔

واں ہر مریدان رہروان یقین ہر یکے والی ولایت دین
ہمہ شیطان کش فرشتہ خدم دررہش برہوا نہادہ قدم
زندہ دار شب از دم تسبیح غلغلہ افگندہ در رواق مسیح
ہر سو از آستیں شرع ساختہ تاج دل شاں عرش و سجدہ شاں معراج
(امیر خسرو)

ایسے باکمال خلفاء و مریدین کی تربیت بجائے خود تاریخ تصوف کا عظیم کارنامہ ہے۔

شیخ نظام الدین اولیاء کے روحانی اثرات، ان کی تعلیم کی گہرائی اور ان کی شخصیت کی خوبی کا اعتراف اس دور کے صاحب حال علماء و مشائخ کو تھا۔

شیخ احمد مغربی احمد آباد میں شیخ کی روحانی صلاحیتوں کے مداح تھے۔ اور ان کے مکاتیب کو بڑے احترام و عقیدت کے ساتھ پڑھوا کر سنتے تھے۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں آپ کا تذکرہ عقیدت وارادت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ سید محمد جعفر مکی آپ کی روحانی عظمت کے قائل تھے۔

سلطان المشائخ نے کبھی ملکی سیاست اور بادشاہوں سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ خود بادشاہوں کے درباروں میں حاضری دی نہ ہی انھیں اپنی بارگاہ میں آنے کی اجازت دی۔ اس بے تعلقی کے باوجود چند بادشاہوں کے علاوہ سبھی آپ کے ارادت کیش اور معتقد رہے۔ اور آپ کی روحانی شخصیت کا اعتراف کرتے رہے۔

وفات کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے مزار پاک پر شاندار مقبرہ تعمیر کر کے خراجِ عقیدت پیش کیا۔ امیر تیمور نے جب دہلی فتح کی آستانہ نظامی پر حاضری دی۔ بابر بادشاہ نے جب دہلی میں قدم رکھا۔ مزار پر انوار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ ہمایوں بادشاہ کی تدفین حصول خیر و برکت کی غرض سے خانقاہ کے جوار میں کی گئی۔ اکبر سے لیکر بہادر شاہ ظفر تک سارے مغل تاجداروں نے روضہ متبرکہ کی زیارت عقیدت واحترام کے ساتھ کی۔

سلاطین و امراء کے علاوہ عوام کی عقیدت و محبت شیخ المشائخ کی ذات پاک سے اسی طرح قائم ہے۔ جس طرح آپ کی زندگی میں تھی۔ روزانہ ہزاروں زائرین ملک و بیرون ملک سے آکر بارگاہ عالی میں نذرانہ عشق و عقیدت پیش کرتے ہیں۔ خواص و عوام کی یہ والہانہ عقیدت اور جذبہ احترام حضرت کے علو شان اور روحانی عظمت و مرتبہ کی بین شہادت ہے۔

باب ششم

(الف) خلافت اور نامور خلفاء

(ب) شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی

(ج) شیخ قطب الدین منور

(د) شیخ سراج الدین عثمان اخی سراج

(ہ) شیخ برہان الدین غریب

(و) شیخ فخر الدین زرادی

(الف) خلافت اور نامور خلفاء

سلطان المشائخ نے خواص و عوام ہر طرح کے لوگوں کو اپنی مریدی میں داخل فرمایا۔ وہ ہر تائب و ارادت کیش کو بلا شرط داخل سلسلہ فرمالیا کرتے تھے۔ مگر ان کی شرائطِ خلافت سخت تھیں۔ وہ عام طور پر طالبین کو خلافت تفویض نہ فرماتے اور نہ ہی اس سلسلے میں دوسروں کی سعی و سفارش قبول فرماتے۔ بلکہ جب تک کوئی مرید تزکیہ باطن، اصلاح حال اور ترک و تجرید، مجاہدہ و ریاضت کے مراحل طے نہ کرلیتا خلافت ہرگز عطا نہ فرماتے۔ اس لئے کہ مرشد پر اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔ جب تک وہ خود اصلاح و تقویٰ اور اخلاق و کردار طاعت و عبادت میں کامل نہ ہو دوسروں کی ہدایت کا کام کیسے انجام دے سکتا ہے۔

صاحب سیر الاولیاء نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے شیخ کے اندر ان دس صفات کا ہونا لازم قرار دیا ہے۔

(۱) اسے مراد و مطلوب حاصل ہو تاکہ مرید کی تربیت کرنے پر قادر ہو۔

(۲) وہ راہ سلوک سے گذر چکا ہو تاکہ رہنمائی کر سکے۔

(۳) خود صاحب ادب ہو تاکہ مرید کو آداب سکھا سکے۔

(۴) صاحب جود و سخا اور بے ریا ہو۔ نمود و نمائش سے مبراء۔

(۵) مرید کے مال پر طمع کرنے والا نہ ہو۔ اور نہ لالچی ہو۔

(۶) جہاں تک ہو سکے مرید کو بڑی نرمی اور دلدہی سے ادب سکھائے اور تربیت کرے۔ سختی اور بددلی سے نہیں۔

(۷) جہاں تک ممکن ہو سکے نصیحت اشاروں سے کرے زبان سے نہ کہے۔

(۸) جن باتوں پر وہ مامور ہو مرید کو انہیں کرنے کا صریح امر دے۔
(۹) جس چیز سے شیخ کو خود ممانعت ہے مرید کو بھی اس کے کرنے سے باز رکھے۔
(۱۰) جب مرید کو محض خدا کے لئے قبول کرے تو پھر کسی کے لئے اسے رد نہ کرے۔

اگر مرشد میں یہ صفات ہوں گی تو اس کا مرید ہمیشہ صادق ہو گا۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۵۹)

حضرتِ شیخ المشائخ کے نزدیک مشیخیت خاندانی ترکہ نہیں جو باپ سے میراث میں حاصل ہو۔ بلکہ اس کے لئے شیخ کے اندر ذاتی صلاحیت ہونی چاہئے۔ اور مشیخیت کے بلند منصب پر فائز ہونے کے بعد شیخ کا مقصودِ اصلی خدمت خلق ہو۔

مشیخیت وراثتاً نہیں ملتی:

☆ جب حسن سنجری نے اپنے غلام "جام" کو آزاد کیا تو شیخ المشائخ نے فرمایا کہ اس راہ میں خواجگی اور غلامی نہیں ہے۔ جو شخص عالم محبت میں درست رہا اس کا کام بن گیا۔ (فوائد الفواد، ۵ر شعبان ۷۰۷ھ)

☆ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے اصل بیٹے شیخ فرید تھے۔ بعد کے صوفی شیخوں نے اپنے بیٹوں کو خلافت نامہ دے کر تصوف کو ایک خاندانی ذریعہ معاش بنالیا ہے۔ یہ اصول کے خلاف ہے۔

شیخی کا مقصد خدمت خلق ہے:

شیخ کے اندر بہت سی خصوصیات ضروری ہیں۔ صرف عبادت گذار ہونا کافی نہیں ہے۔ بلکہ قلوب کو راحت پہنچانا اور درد مندوں کے درد کا مداوا تلاش کرنا بھی اس کا بنیادی فرض ہے۔

شیخ المشائخ نے فرمایا۔ مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی۔ جس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچا۔ (سیر الاولیاء)

مولانا فصیح الدین نے سلطان المشائخ سے دریافت کیا کہ خلافتِ مشائخ کسے زیب دیتی ہے؟ فرمایا۔ اسے جس کے دل میں خلافت کی توقع نہ ہو۔

(سیر الاولیاء، صفحہ :۳۵۵)

پھر دریافت کیا۔ کون سے اوصاف ہیں جن کی بناء پر آدمی خلافت کا حقدار بن جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اس سلسلہ میں اوصاف تو بہت زیادہ ہیں لیکن جن دنوں میرے مرشد نے مجھے خلافت عطا کی فرمایا کہ خدا نے تمہیں علم، عقل اور عشق دیا ہے۔ جو ان تینوں صفتوں سے متصف ہو تو اسے خلافتِ مشائخ زیب دیتی ہے۔ اور میں نے اپنے مرشد سے سنا ہے کہ مشائخ کے خلافت دینے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا محکم د بہتر ہے۔ اور وہ رحمانی ہے۔ اس میں خیر و برکت بہت زیادہ ہے۔ وہ یوں کہ مرشد کو کسی ایک مرید کے متعلق الہام ہو جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے دل میں خیال ڈالدیتا ہے کہ فلاں کو خلافت دیدو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرشد کسی مرید کو نیک پاتا ہے تو انبساط کرتا ہے۔ اور انبساط میں درستی اور غلطی کا احتمال ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مرشد کسی سفارش اور شفاعت سے خلافت دیدے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ :۳۵۵)

حضرت شیخ المشائخ نے عطائے خلافت کے لئے علم، عشق، عقل کی شرطوں کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا۔ چنانچہ جب حضرت سراج الدین عثمان کو خلافت دینے کا مرحلہ آیا تو فرمایا۔ اس کام کے لئے سب سے زیادہ علم درکار ہے۔ اور تم کو ابھی علم سے حصہ ء وافر نہیں ملا ہے۔ اس پر حضرت شیخ المشائخ کے نامور خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی نے عرض کیا کہ میں اسے چھ ماہ میں عالم بنادونگا۔ چنانچہ انہوں نے شیخ سراج کو تعلیم دے کر متبحر عالم بنادیا۔ تب جاکر وہ شیخ المشائخ کی خلافت کے مستحق قرار پائے۔ (سیر الاولیاء)

شمس الدین یحیی قدس سرہٗ کو جو خلافت نامہ تحریر فرمایا اس سے چند دیگر اہم شرائط خلافت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ خلافت نامہ کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

دوستان خدا کو صبح و شام محبوب کی شراب محبت کا پیالہ ملتا ہے۔ جب رات چھا جاتی ہے ان کے شوق بھرے دلوں سے شعلے نکلتے ہیں۔ اور ان کے چہرے منور ہو جاتے ہیں۔

ان کی آنکھیں اشکبار رہتی ہیں۔ وہ محبوب حقیقی سے راز و نیاز کرتے ہیں۔ اور ذاتِ باری میں غور کرتے ہیں ان کے لئے ہر دور میں عرفان کی نئی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اور ان کے ارد گرد روشنی پھیل جاتی ہے۔ دنیا ان کے نور سے منور ہوتی ہے۔ اور حق ان کی زبان سے گویا ہوتا ہے۔ اور وہ خلق میں خدا کا داعی ہوتا ہے۔ تاکہ لوگوں کو گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی کی طرف لے جائے تاکہ خلقت رب غفور سے قریب ہو جائے۔

خدائے واحد کی طرف بلانا جو سب داناؤں کا دانا ہے۔ اسلام کا بلند ترین مقصد ہے۔ اور مضبوط ترین درخت ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "اللہ کے عزیز ترین بندے وہ ہیں جو خدا کے بندوں کو خدا کی محبت سکھاتے ہیں۔ صفائی قلب کی بناء پر خدا کے عشق و محبت کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ اور زمین پر منکر سے روکتے ہیں اور معروف کی دعوت دیتے ہیں۔

میں نے شمس الدین یحییٰ کو اجازت دی جب کہ سید کائنات کی تقلید میں ثابت قدم ہوا۔ اور اپنے اوقاتِ عزیز کو طاعت الٰہی میں صرف کیا۔ اور دل کو نفسانی خطروں اور غلبوں کے ہجوم سے محفوظ رکھا۔ دنیا و مافیہا سے منہ پھیر لیا۔ اور سب سے قطع تعلق کر کے خدائے پاک کی طرف رجوع کیا اور سراپا نورٌ علیٰ نور ہو گیا اور اس پر عالم قدس کے انوار اور عالم ملکوت کے اسرار کھل گئے۔ میں نے اسے اجازت دے دی کہ وہ اس خرقہ کو پہنے اور لوگوں کی رہنمائی کرے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۴۴-۴۵)

قاضی محی الدین کاشانی کا خلافت نامہ:

قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ جو علمی تبحر، حلم و بردباری، زہد و

تقویٰ اور پرہیز گاری میں مشہور تھے۔ علم و زہد کی بناء پر طبقہ ءعلماء و صوفیہ اور عوام و خواص میں بہت مقبول تھے۔ سلطان المشائخ کی نگاہ میں کافی معزز تھے۔ جب خدمت میں آتے شیخ المشائخ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ قاضی صاحب اپنی علمی مشکلات پیش کرتے۔ شیخ انہیں حل فرمادیتے۔ جنھیں بارگاہِ سلطان المشائخ میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی وہ قاضی صاحب کی وساطت سے شریک مجلس ہوتے۔ قاضی صاحب سلف صالحین کے طریقہ پر تھے۔ دنیاوی تعلقات سے الگ رہتے۔ حتی کہ وہ روزینہ وظیفہ کا دستاویز حضرت سلطان المشائخ کے پاس لائے اور اسے چاک کر کے فقر و مجاہدہ اختیار کیا۔ جب اس حال پر ایک مدت گذر گئی تو حضرت نے انھیں اپنی خلافت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ اور خلافت نامہ اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمایا:

> ''دنیا اور اسکی فانی زینت کو ترک کر کے خدا کی طرف متوجہ ہو۔ دنیا اور اہل دنیا کی طرف ذرا التفات نہ کرو۔ اگر تمہیں جاگیر وغیرہ ملے تو اسے قبول نہ کرو۔ اور بادشاہوں کے عطیہ کو نگاہِ قبول سے نہ دیکھو۔ اور اگر تمہارے پاس مسافر آئیں اور اس وقت تمہارے پاس کوئی چیز نہ ہو تو اسے خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت شمار کرو۔ اگر تم نے اس طرح عمل کیا تو تم میرے خلیفہ ہو۔'' (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲-۳۰۱)

جب قاضی صاحب کے گھر فقر و فاقہ کا ماحول پیدا ہو گیا اور ان کے اہل و عیال جو ناز و نعمت کے پروردہ تھے اس تنگدستی و افلاس پر صبر نہ کر سکے۔ کسی معتقد نے قاضی صاحب کو بتائے بغیر ان کے فضائل و مناقب کا تذکرہ سلطان علاء الدین خلجی سے کر دیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اودھ کا عہدۂ قضا اور بہت سے گاؤں بطور جاگیر ان کو تفویض کر دیئے جائیں۔ جب ان کو شاہی فرمان کا حکم معلوم ہوا تو شیخ المشائخ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ سلطان نے میری طلب کے بغیر یہ فرمان

جاری کیا ہے۔ حضرت کا کیا حکم ہے؟ یہ سن کر حضرت شیخ رنجیدہ ہوئے۔ اور فرمایا تمہارے دل میں ایسا خیال آگیا ہوگا۔ جب ہی تو یہ حکم صادر ہوا۔ یہ کہہ کر قاضی کی طرف سے چہرۂ انور پھیر لیا۔ اور ان سے خلافت نامہ واپس لے لیا۔

ایک سال تک حضرت رنجیدہ رہے۔ اور ان کی طرف التفات نہ کیا۔ پھر حضرت نے انھیں خلافت نامہ عطا کیا۔ اور تجدید بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔ (ایضاً، صفحہ: ۳۰۳)

حضرت شیخ المشائخ اپنے خلفاء کے لئے شاہی نوکری اور جاگیر کو کسی حال میں پسند نہ کرتے تھے۔ وہ ان کے لئے ضروری خیال کرتے تھے کہ دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز رہ کر رشد و ہدایت اور اصلاح و تبلیغ کا فریضہ پورے ایثار و اخلاص کے ساتھ انجام دیتے رہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

> "روحانی آزادی ضروری ہے۔ جو شخص دوسروں کی نوکری کرتا ہے وہ اس کی تحکیم میں آجاتا ہے۔ ایک بار گفتگو اصحاب شغل اور نوکری پیشہ لوگوں کے بارے میں ہوئی۔ حضرت نے فرمایا۔ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں کہ جنہوں نے شغل اور نوکری حاصل کی ہو۔ اور آخر میں سلامت رہے ہوں۔" (فوائد الفواد، ج: ۴، صفحہ: ۳۴۲)

پھر ایک حکایت بیان کی۔ گذشتہ ایام میں حمید نامی ایک شخص تھے۔ وہ ابتدا میں دہلی کے اندر امیر طغرل کے نوکر تھے۔ جو آخر میں بنگال کا صوبیدار بنا۔ حمید ہمیشہ طغرل کی خدمت میں رہتے۔ اور اس کی فرمانبرداری کرتے۔ ایک دن طغرل کے سامنے کھڑے تھے کہ ایک شکل نظر آئی جو کہہ رہی تھی۔ "حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے؟ یہ کہتے ہی وہ صورت غائب ہوگئی۔ خواجہ حمید حیران ہوئے یہ کیا تھا؟ پھر کچھ دنوں بعد وہی صورت نظر آئی۔ اور کہا اس کے سامنے کیوں کھڑا ہے؟ حتیٰ کہ تیسری بار پھر اسی صورت کو دیکھا کہہ رہی ہے۔ اے خواجہ

حمید تو اس شخص کے سامنے کیوں کھڑا ہے؟ حمید نے جواب دیا۔ میں اس کا نوکر ہوں۔ اور یہ میرا آقا ہے۔ مجھے تنخواہ دیتا ہے۔ اس کے سامنے میں کیوں کھڑا نہ ہوں؟ اس صورت نے جواب دیا۔ تو عالم ہے اور یہ جاہل تو آزاد ہے اور یہ غلام۔ تو نیک ہے اور یہ بدکار۔ اس کے بعد وہ صورت نگاہوں سے غائب ہو گئی۔"

خواجہ حمید اس واقعہ کے بعد اپنے آقا کے پاس گئے۔ اور کہا میرا حساب کر دیجئے۔ میں آپ کی نوکری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ مالک نے کہا۔ یہ کیسی باتیں ہیں۔ تمہاری عقل ماؤف ہو گئی ہے؟ حمید نے کہا۔ میں اب آپکی نوکری نہیں کر سکتا۔ مجھے اس سے روکا جارہا ہے.......... پھر فرمایا جب آدمی کا باطن کدورتوں سے صاف ہو جاتا ہے تو ایسی چیزیں بہت دیکھتا ہے۔

آں نافہء کہ می جستی ہم باتو در گلیم ست
تو از سیہ گلیمی بوئے ازاں نہ داری

ترجمہ: تو جس مشک نافہ کی جستجو کر رہا ہے وہ تیری کملی میں موجود ہے۔ لیکن تجھے اپنی کالی کملی کی وجہ سے اس کی خوشبو نہیں آتی۔

خواجہ حمید ملازمت سے الگ ہو کر شیخ الاسلام فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو کر خلافت پائی۔ ان کو درویشی اور اطاعت میں استقامت حاصل ہو گئی تھی۔ (فوائدالفواد، ج:۴، م:۵۴، صفحہ:۳۴۴)

ان واقعات اور خلافت ناموں کے اقتباسات و ملفوظات سے خلافت کی چند اہم شرائط سامنے آتی ہیں۔

(۱) خلافت کے لئے علم ضروری ہے۔ (۲) عشقِ الٰہی (۳) کامل عقل جس پر حرص کا غلبہ نہ ہو۔ (۴) خلیفہ کا کام دعوت الی اللہ اور نہی عن المنکر اور امر بالمعروف ہے۔ (۵) سنت پر استقامت ضروری ہے۔ (۶) خلیفہ کو خلق خدا میں رہ کر کام کرنا چاہئے۔ (۷) عجز و انکساری کے بغیر عوام میں کام نہیں ہو سکتا۔ (۸) دنیا اور مادی علائق

اور آلائشوں سے دور رہنا چاہیے۔(۹) شاہی ملازمت یا جاگیر قبول کرنے کے بعد خلافت باقی نہیں رہ سکتی۔(۱۰) خلافت کا تعلق وراثت سے نہیں۔

تربیت:

حضرت شیخ المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین خاص کی روحانی تربیت بڑے اہتمام وانہماک سے فرمائی تھی۔ سلطان علاءالدین خلجی کے ایک بڑے امیر معتمد پردہ دار خواجہ مؤید الدین تھے۔ وہ خواجہ کے ارادت مندوں میں شامل ہوگئے۔ حضرت کی فیضِ روحانی کی وجہ سے وہ شاہی دربار اور عہدہ و امارت کے جھمیلوں سے دست بردار ہوگئے۔ انہوں نے دربار شاہی کی ملازمت ترک کردی۔ اور خانقاہ نظامی کے خدام میں شامل ہوگئے۔ سلطان چونکہ خواجہ موید کا بڑا قدر داں تھا۔ اور انتظام سلطنت میں ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ اس نے ایک حاجب کے ذریعہ حضرت خواجہ سے شکایت کی اور کہا کہ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت شیخ المشائخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ''اپنا جیسا کیا اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔'' (سیر الاولیاء، صفحہ: ۳۲۱)

حضرت کے جواب سے اندازہ ہوسکتا ہے وہ اپنے خلفاء و مریدین کو تصوف و سلوک اور رشد و ہدایت کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچانے کا کیسا بے لوث جذبہ رکھتے تھے۔ اور یہی وہ جذبہ خیر تھا جس نے آپ کے خلفاء کے اندر عبادت و ریاضت کا ذوق، ترک و تجرید کا غیر معمولی روحانی مزاج پیدا کردیا تھا۔ انہوں نے طاعت و عبادت، سعی و مجاہدہ سے اپنی شخصیت کو بھی سنوارا اور دوسروں کی اصلاح و تربیت کی دینی و روحانی فرائض بڑی مستعدی اور جاں سوزی کے ساتھ انجام دیئے۔ اور اصلاح و تجرید کی مخلصانہ جدوجہد سے لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جرأت و ہمت پیدا ہوگئی۔ وہ سلاطین و امراء وقت کے روبرو کلمۂ حق کہنے سے نہ رکے۔ یہ مردان حق آگاہ کی صحبت و تربیت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس دل میں خوفِ

الٰہی سما جائے گا اس دل سے غیر اللہ کا خوف نکل جائے گا۔ جو دل دنیاوی طمع و حرص سے خالی ہو جائے گا اس کو کسی کی شوکتِ اقتدار مرعوب نہیں کر سکتی۔

نامور خلفاء:

حضرت شیخ المشائخ کے آخری ایام زندگانی میں خدام اور مریدوں نے طے کیا کہ مناسب ہوگا کہ حضور اپنے منتخب مریدوں کو خلافت نامے تفویض فرمائیں۔ چنانچہ امیر خسرو نے ایسے بائیس منتخب مریدوں کی فہرست تیار کی۔ (جو علم و عمل، زہد و تقویٰ، جود و سخا، عشق و ذوق اور باطنی ریاضت کے لئے مشہور تھے) اور شیخ المشائخ کی خدمت میں پیش کی۔ ارشاد فرمایا اتنے نام کیوں لکھ دیئے؟ یہ نام بہت ہیں پھر دوسری فہرست پیش کی جس میں کم نام تھے۔ حضرت نے حکم دیا۔ مولانا زرادی خلافت ناموں کا مسودہ تیار کریں۔ پھر اسے سید حسین خوشخط تحریر کریں۔ اور اس میں یہ بھی ظاہر کریں کہ خلافت نامہ انہوں نے ہی لکھا ہے۔ تاکہ کوئی حریص جعلی خلافت نامہ لکھ کر اپنی ہوائے نفس کی تسکین کا سامان فراہم نہ کر سکے۔

سید حسین کرمانی نے اپنے خط میں خلافت نامے تحریر کئے۔ جن پر حضرت شیخ المشائخ نے اپنا دستخط مبارک ان الفاظ کے ساتھ ثبت فرمایا:

من الفقیر محمد بن احمد بن علی البداؤنی البخاری.

خلافت ناموں پر ۲ر ذی الحجہ ۲۴ ۷ ھ تاریخ مرقوم تھی۔

(سیر الاولیاء صفحہ: ۲۳۴۔۳۵)

وفات ۱۸ر ربیع الاول ۷۲۵ ھ کو ہوئی۔ اس طرح خلافت ناموں کی تفویض اور وصال کے درمیان کا وقفہ ۳ ماہ ۷ ۲ دن ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرض الموت سے قبل ہی یہ خلافت نامے لکھے گئے اور عطا کئے گئے:

نامور خلفاء:

(۱) شیخ شمس الدین یحیٰی (۲) شیخ نصیر الدین محمود

(۳) شیخ قطب الدین منور
(۴) شیخ حسام الدین ملتانی
(۵) شیخ فخر الدین زرادی
(۶) شیخ علاء الدین نیلی
(۷) شیخ وجیہہ الدین یوسف کلا کھڑی
(۸) مولانا سراج الدین عثمان اخی سراج
(۹) مولانا شہاب الدین امام
(۱۰) مولانا برہان الدین غریب
(۱۱) شیخ کمال الدین یعقوب
(۱۲) قاضی محی الدین کاشانی
(۱۳) مولانا شمس الدین نیلی

صاحب سیر الاولیاء نے حضرت شیخ المشائخ کے بعض احباب کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کو حضرت سے بیعت وارادت تھی:

(۱) خواجہ ابو بکر منڈہ
(۲) مولانا وجیہہ الدین پاٹلی
(۳) مولانا فخر الدین مروزی
(۴) مولانا فصیح الدین
(۵) حضرت امیر خسرو
(۶) مولانا جمال الدین
(۷) مولانا جلال الدین اودھی
(۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی
(۹) شیخ امیر حسن علا سنجری
(۱۰) قاضی مشرف فیروز
(۱۱) مولانا بہاء الدین اودھی
(۱۲) شیخ مبارک گوپاموی
(۱۳) خواجہ موید الدین برنی
(۱۴) خواجہ تاج الدین داوری
(۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی
(۱۶) خواجہ موید الدین انصاری
(۱۷) خواجہ شمس الدین
(۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی
(۱۹) خواجہ سالار

شیخ المشائخ کے خلفاء اور خاص مریدین واحباب نے برصغیر ہند کے مختلف خطوں میں دین حق کی اشاعت کی۔ اور سلسلہ ء نظامیہ چشتیہ کو فروغ بخشا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے دہلی، اودھ، پنجاب، گجرات میں مذہبی وروحانی اثرات پیدا کئے۔ شیخ سراج الدین عثمان نے بنگال، بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات عام کیں۔

اور اپنی مساعی جمیلہ سے رشد وہدایت کا ایسا روحانی ماحول پیدا کیا کہ ان کے سلسلہ ء سراجیہ نظامیہ کو ایک مستقل خانوادہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن کو اپنا مستقر بنایا۔ اور وہاں سلسلہ ء نظامیہ کی اشاعت خوب کی۔

حضرت کے دیگر خلفاء مختلف شہروں اور مرکزی مقامات میں ارشاد و ہدایت کی اہم خدمات انجام دے رہے تھے۔ جن کی بے لوث دینی و اصلاحی سرگرمیوں سے سرزمین ہند پر علم وعرفان کی شمعیں ہر سو جگمگا رہی تھیں۔

مولانا محمد غوثی شطاری کا بیان ہے:

> آپ نے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبہ اور بڑی بڑی کرامتوں والے سات سو خلفاء ایسے بھیجے تھے کہ ہر شخص کے سینہ سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا۔ (گلزار ابرار)

آئندہ صفحات میں ہم بعض اہم خلفاء کا تذکرہ کریں گے۔ جنہوں نے سلسلہ ء ارشاد وہدایت اور طریقہ چشتیہ کو ہندوستان میں دور دور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے جدوجہد کی۔ اور جن کے اندر وہ سب سارے اوصاف و کمالات موجود تھے۔ جو مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہونے والے کامل مشائخ کے لئے ضروری ہیں۔

(ب) حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۱۸ ر رمضان المبارک ۷۵۷ھ

نام ونسب اور ولادت:

اسم گرامی محمود نصیر الدین، محمود گنج اور چراغ دہلی القاب، جد امجد سید شیخ عبداللطیف یزدی خراسان کے باشندے تھے۔ وہ حسنی سید تھے۔ زمانہ کی گردش نے انھیں ترک وطن

پر مجبور کیا۔ اور وہ خراسان واصفہان کے دوسرے تارکین وطن کی طرح ہندوستان آئے۔ اور شہر لاہور میں قیام کیا۔ یہیں شیخ نصیر الدین کے والد شیخ محمود یحیٰی پیدا ہوئے۔ اور جب سنِ شعور کو پہنچے لاہور سے اودھ آگئے۔ اور یہیں پشمینہ کی تجارت اختیار کی۔ کاروبار نے بڑی ترقی کی۔ اور وہ شہر کے معزز و متمول افراد میں شمار کئے جانے لگے۔

شیخ نصیر الدین کی ولادت شہر اودھ میں ہوئی۔ بچپن بڑے ناز و نعم میں گزرا۔ لیکن ابھی وہ عمر کی نویں منزل میں تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ (مونس الارواح، صفحہ: ۸۱)

تعلیم و تجرید:

والد بزرگوار کے وصال کے بعد تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آن پڑی۔ جو نہایت پارسا خاتون تھیں۔ صلاح و عصمت میں ان کی نظیر نہ تھی۔ انہوں نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی۔ اور اس دور کے اکابر علماء سے اکتساب علم کرنے لگے۔ مولانا عبدالکریم شیروانی سے ہدایہ اور بزدوی پڑھی۔ مولانا شیروانی کے وصال کے بعد مولانا افتخار الدین گیلانی سے تمام علوم و فنون کی تعلیم پائی۔ ظاہری علوم و فنون کی تحصیل کا یہ سلسلہ ۲۵ سال کی عمر تک جاری رہا۔ تکمیل علوم و فنون کے بعد باطنی علوم و اسرار کے اکتساب کے لئے محاسبہ نفس اور مجاہدہ و ریاضت میں مصروف ہوگئے۔ سات سال تک مسلسل روزے رکھے۔ آبادی سے دور گرد و نواح کے صحراء و بیابان میں ترک و تجرید کے عمل میں مصروف رہے۔ صرف دو درویشوں کی صحبت اختیار کی تاکہ نماز باجماعت قضا نہ ہو۔ عموماً سنبھالو (ایک قسم کا جنگلی پودا) کے پتوں سے افطار کرتے۔

(سیر العارفین، صفحہ: ۱۲۶، مونس الارواح، صفحہ: ۸۱)

شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں:

۴۳ سال کی عمر میں اودھ سے دہلی آئے۔ اور حضرت شیخ المشائخ کی

خدمت میں رہنے لگے۔ جوہر قابل پر شیخ کی نظر کیمیا پڑنے لگی۔ اور ولایت و معرفت کے مدارج طے ہونے لگے۔

شیخ نصیر الدین محمود فرماتے ہیں:

"جب میں ابتداء میں شیخ المشائخ کی خدمت میں پہنچا۔ ایک دن دوپہر کے وقت صحن خانقاہ میں بڑ کے درخت کے نیچے متحیر کھڑا تھا۔ اسی دوران شیخ اپنے بالاخانہ سے نیچے اتر رہے تھے کہ ان کی نظر مجھ مسکین پر پڑی۔ دہلیز خانہ پر بیٹھ گئے۔ اور مجھے پاس بلا کر دریافت کیا۔ تمہارا مقصد کیا ہے؟ تمہارے باپ کا کیا کام تھا؟ میں نے عرض کیا۔ آپ کی درازی عمر کا خواہاں ہوں۔ اور بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے اور دل و جان سے ان کی خدمت کا ارادہ ہے۔ میرے باپ صاحب حیثیت و ثروت تھے۔ وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے۔"

پھر انتہائی شفقت کے ساتھ فرمایا:

"جن دنوں میں اجودھن میں شیخ کبیر کی خدمتِ عالیہ میں رہتا تھا۔ ایک دن میرا پرانا دوست اور ہم سبق ملا۔ جس کے ساتھ میں علمی بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا۔ اس نے میرے پھٹے پرانے کپڑے دیکھے تو قدرے افسوس کے ساتھ کہا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم کہیں شہر میں پڑھاتے تو مجتہد عصر ہوتے۔ اور کافی مالدار ہوتے۔ میں یہ سن کر خاموش رہا۔ جب مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ کبیر نے مجھ سے پوچھا اگر تمہیں پرانا دوست مل جائے اور پوچھے تم کس حال میں ہو؟ معلّمی کا مشغلہ جو فارغ البالی کا سبب ہے اسے ترک کر کے تمہیں یہ دن دیکھنے پڑے؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا جو میرے مرشد مخدوم کا فرمان ہو گا وہی کہوں گا۔ فرمایا کہ یہ شعر پڑھ دینا۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرد برو
تُرا سعادت بادا مرا نگو ساری

پھر شیخ کبیر نے انواع واقسام کے کھانوں سے بھرا ہوا ایک خوان منگا کر مجھ سے کہا نظام الدین اسے سر پر اٹھاؤ اور اپنے دوست کی قیام گاہ پر لے جاؤ۔ بحکم شیخ خوان اپنے سر پر اٹھایا اور اس سرائے میں پہنچا جہاں میرا دوست مقیم تھا۔ اس نے جب مجھے دیکھا۔ روتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اور وہ خوان نعمت میرے سر سے اتار کر پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ہمارے مکالمہ کا علم باطنی طور پر شیخ کبیر پر منکشف ہو گیا۔ انہوں نے یہ خوان نعمت تمہارے لئے بھیجا ہے۔ اس دانشمند نے کہا الحمد للہ تم ایسا مرشد کامل رکھتے ہو مجھے بھی ان کی خدمت میں لے جاؤ تاکہ ان کی قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں۔

کھانا کھا لینے کے بعد اس نے اپنے خادم سے کہا۔ یہ خوان ہمارے ساتھ لے چلو۔ میں نے کہا نہیں۔ جس طرح یہ خوان لایا ہوں اسی طرح واپس لے جاؤں گا۔ وہ دانشمند شیخ المشائخ کے ساتھ خواجہ فریدالدین کی خدمت میں پہنچا۔ اور اپنی رعونت و سرکشی خاک آستانہ پر رکھ دیا۔ اور شیخ کے رشتہ ارادت میں منسلک ہو گیا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۴۹-۵۰)

حضرت شیخ المشائخ نے اس حکایت سے شیخ نصیر کو یہ سبق دیا کہ تبحر علمی کا غرور اور دولت و ثروت کا نشہ راہ طریقت میں بڑی چٹانیں ہیں۔ جب تک دل ودماغ ان سے خالی نہ ہو گا سلوک و معرفت کی منزلیں طے نہیں ہو سکتیں۔

یہ واقعہ سنتے ہی شیخ نصیر کے دل میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہوئی۔ اور بیعت کے بعد مرشد کی خدمت میں رات دن مصروف رہنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ خانقاہِ نظامی کے تمام درویش آپ کو نصیرالدین محمود گنج کہا کرتے تھے۔

ایثار:

ایک بار خواجہ محمد گازرونی جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ شیخ المشائخ کی خانقاہ میں مہمان ہوئے۔ ایک شب خواجہ محمد اپنا لبادہ خانقاہ میں چھوڑ کر وضو کے لئے جمنا کے کنارے گئے۔ واپس ہوئے تو لباس وہاں نہ پایا۔ شور مچانے لگے۔ شیخ نصیر الدین خانقاہ کے کسی گوشہ میں محوِ عبادت تھے۔ جب شور و ہنگامہ زیادہ ہوا تو یہ سوچ کر کہ کہیں اس بات سے شیخ المشائخ کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔ اپنا لبادہ اتار کر خواجہ محمد کو پہنادیا۔

شیخ المشائخ نے کشف کے ذریعہ یہ ماجرا معلوم کر لیا۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد شیخ نصیر الدین کو اپنے پاس بلایا۔ اپنا خاص لباس ان کو پہنایا۔ خوب تعریف کی اور مسرور ہوئے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ :۲۴۷، سیر العارفین، صفحہ ۱۲۷)

وطن آنا جانا:

بیعت کے بعد وہ اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لئے مرشد سے اجازت، لے کر اودھ بھی آیا جایا کرتے تھے۔ دہلی میں قیام شیخ برہان الدین غریب خلیفہ شیخ المشائخ کے مکان پر رہتا۔ دونوں بزرگوں میں بڑی محبت و مودت تھی۔

کلاہ گم گشتہ:

ایک دن شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین نے شیخ برہان الدین غریب کو ایک کلاہ عنایت فرمائی۔ جسے شیخ برہان الدین بڑی عزت و تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھتے تھے۔ اتفاقاً کچھ دنوں بعد وہ ٹوپی گم ہوگئی۔ جس سے انھیں شدید رنج ہوا۔ شیخ نصیر الدین ان کے مکان میں مصروفِ عبادت تھے۔ مولانا برہان الدین غریب غم والم کی شدت کے ساتھ ان کے پہلو میں جاکر بیٹھ گئے۔ جب استغراق سے باہر آئے تو دیکھا مولانا برہان الدین پیکر غم بنے بیٹھے ہیں۔ شیخ نصیر الدین نے سبب درد والم پوچھا تو برہان الدین غریب نے ٹوپی کے کھوجانے کا قصہ بیان کیا۔ شیخ نصیر نے قدرے

تامل کے بعد فرمایا۔ مولانا اس قدر رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت جلد تم کو حضرت شیخ المشائخ سے کوئی بہتر تبرک ملے گا۔ اور ٹوپی بھی مل جائے گی۔ مولانا برہان الدین دوسرے دن شیخ المشائخ کی خدمت میں گئے۔ شیخ نے اپنا خاص مصلیٰ ان کو عطا فرمایا۔ وہ خوش خوش گھر لوٹے۔ بغچہ کھول کر مصلیٰ رکھنا چاہا تو دیکھا کہ اس میں کلاہ گم شدہ بھی پڑی ہوئی ہے۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۱۲۸، مونس الارواح، صفحہ: ۸۲)

شیخ المشائخ کی ہدایت:

شیخ نصیر الدین کے مراتب ولایت میں جوں جوں ترقی ہوتی گئی۔ عوام وخواص میں مقبولیت بڑھتی گئی۔ لوگوں کی ملاقات کی وجہ سے اوقاتِ عزیز تلف ہونے لگے۔ تو حضرت امیر خسرو دہلوی کی معرفت خدمتِ شیخ المشائخ میں عرض پرداز ہوئے۔ لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے پورے انہاک کے ساتھ مشغول بحق نہیں ہو سکتا۔ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں یا جنگلوں میں چلا جاؤں۔ جہاں سکون قلب اور جمعیت خاطر سے خدا کی عبادت کروں۔ حضرت شیخ المشائخ نے خواجہ نصیر الدین کی عرضداشت امیر خسرو کی زبانی سن کر فرمایا۔

اورا بگو۔ ترا در میانِ خلق می باید بود وجفا وقضائے خلق می باید کشید۔ ومکافاتِ آں ببذل وایثار وعطا می باید کرد۔

ان سے کہہ دو کہ تم کو مخلوق ہی کے درمیان رہنا ہوگا۔ اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا۔ اور اس کا بدلہ سخاوت وایثار سے دینا ہوگا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۴۸)

مزید یہ بھی فرمایا:

مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ اس لئے میں کسی سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے ہونٹ کو بھی بند رکھے۔ اور اپنے دروازے کو بھی۔ کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے۔ اور کسی کو حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ

کے درمیان ہی میں رہے۔ اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرے۔ یہی مقام انبیاء اور اولیاء کا ہے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۴۸)

اس ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ شیخ نصیر الدین نے عزلت نشینی کا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔ وہ شہر دہلی میں مقیم رہے۔ خلقِ خدا کی جفائیں سہتے۔ اور ان سے کریمانہ برتاؤ کرتے رہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

"اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا تو مخلوق کے درمیان رہنا جفا و قضائے خلق گوارہ کرنا تو کہاں میں اور کہاں یہ شہر۔ میں کسی بیابان میں روپوش رہتا۔ (خیر المجالس)

مرشد کی جانشینی:

دہلی میں مستقل سکونت کے دوران حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں آپ کا سارا وقت عبادت اور درویشوں کی خدمت میں گزرتا، تقویٰ، پرہیزگاری اور خاموش ریاضت کی بدولت آپ نے مرشد کے دل میں وہ جگہ پالی جو ان کے دوسرے مشہور مریدوں کو بھی میسر نہ تھی۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔"

دارالحکومت دہلی میں سلسلہء چشتیہ نظامیہ کی سربراہی اور محبوب الٰہی کی جانشینی کے لئے جن صفات کمالیہ کی ضرورت تھی۔ جب شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء نے اپنے چہیتے خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود میں بدرجہ اتم پالیں تو انھیں اپنا سجادہ نشیں بنایا۔ اور انھیں مشائخ سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملے تھے دم واپسیں یہ تبرکات ان کو عطا کر کے دہلی والوں کی جفا و قضا کو صبر و سکون سے برداشت کرنے کی تلقین فرمائی۔

چونکہ مرشد کامل کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کے بھانجوں کو ترکہ میں ملا۔ اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی۔ جہاں ان کی ابدی آرامگاہ ہے۔

شیخ نصیر الدین محمود نے خانوادۂ چشت کے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ چشت کی روحانی عظمت کے تحفظ اور ان کے اصلاحی و تبلیغی کاموں کو آگے بڑھایا۔ صحیح معنوں میں وہ اپنے مرشد کے سچے جانشین تھے۔ سید میر خورد لکھتے ہیں:

"آپ کی ظاہری و باطنی مجاہدات و مشغولیات کا یہ عالم تھا کہ قلم ان کے لکھنے سے قاصر ہے۔ جن لوگوں نے ان کی قدم بوسی کا شرف پایا ہے۔ آپ کی شکل ہی سے جو مجسم تقویٰ تھی۔ ان کی عظمت کو بھانپ لیتے تھے۔ اس بزرگ کی زندگی کے آخری سالوں میں جب وہ اوج کمال پر پہنچ چکے تھے۔ اور وہ روح مجرد بن چکے تھے۔ ان کی مجلس سے وہ خوشبو آتی جو سلطان المشائخ کی مجلس سے آیا کرتی تھی۔ جس سے راقم الحروف کے مشام جان نے بھی راحت پائی اور میری پژمردہ روح کو کوئی تمیں پینتیس سال کے لگ بھگ ترو تازگی بخشی۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۵۲-۲۵۱)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ وہ صرف صبر و تحمل سے زمانہ کی سختیوں ہی پر غالب نہ آئے بلکہ سلطان محمد تغلق کی پابندیوں کے باوجود انہوں نے سلسلہ نظامیہ کا کام درہم برہم نہ ہونے دیا۔ ارشاد و ہدایت کے کاموں میں وہ اپنے مرشد سے پیچھے نہ رہے۔ حضرت سلطان المشائخ نے ملک کے اطراف و جوانب میں خلفاء و مریدین خاص کو بھیج کر تبلیغ و ہدایت کا جو سلسلہ قائم کیا تھا۔ آپ نے اسے خاصی ترقی دی۔ اپنے خلیفہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو دکن بھیجا۔ اپنے بھانجے شیخ الاسلام شیخ سراج الدین کو گجرات روانہ کیا۔ ان کے علاوہ دیگر خلفاء نے بیعت وارشاد کی بساط ملک کے دور دراز خطوں میں بچھائی۔

سلطان محمد تغلق اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی:

سلطان محمد تغلق جس کی قابلیت اور جودت طبع سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ لیکن وہ بڑا ضدی اور خود سر فرمانروا گذرا ہے۔ شوکت واقتدار کے باوجود اس کے بعض غیر دانشمندانہ اقدام نے ہندوستان کو نقصان پہنچایا۔ اس کے زمانہ سے قبل دہلی میں علماء و مشائخ کا خاص اقتدار قائم تھا۔ مگر وہ خانقاہی اقتدار کو اپنی شوکت و سلطنت کے لئے مضر سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ علماء و مشائخ کو تنگ کرتا۔ ان کی تحقیر و تذلیل کے درپے رہتا۔

اس نے ایک بار شیخ نصیر الدین محمود کے پاس سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا۔ اس کا مقصد اذیت رسانی تھا۔ اگر آپ کھانا کھانے سے انکار کردیں گے تو اسی بات کو سبب تحقیر و تذلیل بنالیا جائے گا۔ اور اگر کھالیا تو پوچھا جائے گا کہ آپ نے سونے، چاندی کے ظروف میں کھاکر خلاف شرع حرکت کیوں کی؟

جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے۔ آپ نے سونے کے پیالہ سے تھوڑی سی یخنی نکال کی اپنی ہتھیلی پر رکھی۔ اور اسے چکھا۔ اس طرح بداندیشوں کو موقع نہ مل سکا۔ (اخبار الاخیار، صفحہ:۱۴۹)

حق گوئی:

سلطان محمد تغلق نے اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے ہاں بلاکر اپنی داہنی جانب بٹھایا۔ اور التماس کیا۔ میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا۔ انشاءاللہ تعالیٰ بادشاہ نے کہا۔ لفظ انشاءاللہ تبعید کے لئے واقع ہوا ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ یہ کلمہ کہنے سے ہرگز تبعید واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ لفظ تاکید کے لئے ہے۔

اس وقت سلطان نے دستر خوان بچھایا۔ اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ نہ کھائیں گے تو ان کو ایذاء پہنچاؤنگا۔ شیخ دستر خوان پر بیٹھے۔ اور بہ کراہت کھانا شروع کیا۔

سلطان کو ایذاء کا موقع نہ ملا۔ اس نے کہا۔ اے شیخ مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجئے جس پر میں عمل کروں۔ شیخ نے فرمایا۔ یہ درندوں جیسا غصہ جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے اس کو چھوڑ دو۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے:

سلطان محمد تغلق بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مشائخ اور عالموں کو اپنی نجی خدمتیں سپرد کرتا۔ اور یہ دلیل لاتا کہ خلفائے راشدین سوائے اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہ کرتے تھے۔ سب سے بڑا وار اس نے سلطان المشائخ کے جانشین حضرت چراغ دہلی پر کیا۔ انھیں اپنی جامہ داری اور کپڑے پہنانے کی خدمت پر مقرر کیا۔ انہوں نے انکار کیا تو ان کو جیل خانہ میں ڈال دیا۔ حضرت چراغ دہلی کو یاد آ گیا کہ بوقت وصال مرشد نے ان کو ہدایت کی تھی کہ تمہیں دہلی میں رہ کر خلق کا ظلم و ستم برداشت کرنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے سلطان کے ناگوار حکم کو مان لیا۔ (سفر نامہ، ق: ۴، صفحہ: ۱۱)

شیخ چراغ دہلی عرصہء دراز تک سلطان تغلق کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کا انتقال "ٹھٹھ" میں ہوا تو اس کے ساتھ ہی تھے۔ سلطان کی حکمت عملی یہ تھی کہ جب مشائخ خدمتِ شاہی میں رہیں گے تو اپنے روحانی اقتدار کو بڑھا نہ سکیں گے۔ اور دارالسلطنت سے منتشر رہنے کی صورت میں انھیں اپنی تنظیم کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔ لیکن حضرت خواجہ نصیر الدین جفائے شاہی برداشت کرتے تھے۔ اور اپنا روحانی کام بھی انجام دیتے رہے۔[1]

---

[1] بعض مورخین نے عام مشائخ اور حضرت چراغ دہلی کے ساتھ سلطان محمد تغلق کے سلوک ناروا اور اس کے اذیت ناک رویہ کو عوامی قصہ اور بے بنیاد الزام قرار دے کر اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن دوسرے معاملے میں اس کی ظالمانہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی:

سلطان محمد بن تغلق کی وفات محرم ۷۵۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء کے بعد اس کا بھائی فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا تو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے سلطان کو پیغام دیا کہ ''آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل وانصاف کریں گے۔ ورنہ ان بیکس بندوں کے لئے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے۔''

میں خدا کے بندوں کے ساتھ حلم و بردباری سے پیش آؤنگا۔ ان پر انصاف اور محبت سے حکومت کرونگا۔

حضرت شیخ نے جواب سنا تو کہلا بھیجا۔ آپ خلق خدا کے ساتھ مروت کا برتاؤ کریں گے تو ہم بھی آپ کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے چالیس سالہ حکومت کی دعا کریں گے۔ (فیروز شاہی، صفحہ: ۵۳۵)

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) حرکتوں اور پر تشدد پالیسیوں کو بیان بھی کیا ہے۔ پھر ایسے ظالم بادشاہ سے مشائخ وعلماء کے لئے ناروا جسارتوں کا صدور امکان سے بعید کہاں ہے؟ اگر شیخ پر بادشاہ کا جبر و تشدد نہ ہوتا تو ان کے پیر بھائی حضرت خواجہ برہان الدین غریب اس بات پر کیوں روتے؟ اور یہ اشارہ کیوں فرماتے؟ میں کیا کروں کہ اخوند مولانا محمود حلیم و کریم ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو زمین سلطان کو اور اس کے پورے لشکر اور آدمیوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کو اس طرح نگل جائیں کہ ڈکار تک نہ لے۔ (جوامع الکلم، صفحہ: ۲۴۰)

مولانا برہان الدین نے ایک خط بھی شیخ نصیر کے نام لکھا تھا جس کی پیشانی پر یہ رباعی تحریر تھی:

تا بر سر عاشقاں بلائے نہ رسد آوازۂ عشق شاں بجائے نرسد
درد بر سر کنگرہ سر مرداں ہیں تا مرداں را خارے بہ پائے نرسد

سلطان محمد بن تغلق کے انتقال کے بعد لوگوں نے شیخ سے پوچھا آخر کیا وجہ تھی کہ سلطان آپ کو اس قدر پریشان کرتا تھا؟ جواب دیا ''میرے اور حق جل وعلیٰ کے درمیان ایک معاملہ تھا۔ اسکو اس طرح طے کیا گیا۔'' (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۵۶)

آخر وہی ہوا جو شیخ نے فرمایا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے عدل وانصاف اور خلق پر رحم ومروت کے ساتھ چالیس سال تک فرمانروائی کی۔

خانجہاں کی ارادت:

سلطان فیروز شاہ کا وزیر خانجہاں حضرت شیخ نصیر الدین کا مرید تھا۔ یہ نسباً ہندو تھا۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں اسلام لایا۔ اور اپنی غیر معمولی صلاحیت کی بنیاد کر ترقی کر کے محمد تغلق کا وزیر ہوا۔ فیروز شاہ کے زمانے میں بھی وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز رہا۔ بایں جاہ و منصب جب وہ حضرت شیخ نصیر الدین کا مرید ہوا تو اس نے مرشد سے اپنے لئے عبادت وریاضت کی تفصیل پوچھی۔ شیخ نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو۔ تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت بر آری میں کوشش کرو۔ خانجہاں نے مرشد کی اس ہدایت پر بڑی سختی سے عمل کیا۔ اسے مسند وزارت پر بھی وضو کی حاجت ہوتی تو بلا تامل اٹھ کر وضو کرتا۔ رات کے وقت خوابگاہ میں آفتابہ اور طشت رکھواتا۔ جب جب خواب سے بیدار ہوتا وضو کرتا۔

صبر ورضا:

ایک دن حضرت چراغ دہلی نماز ظہر کے بعد حجرۂ خاص میں مصروف مراقبہ تھے۔ آپ کا کوئی دربان نہ تھا۔ خادم خاص شیخ زین الدین علی بھی موجود نہ تھے۔ اس وقت ایک ترابی نامی قلندر حجرہ میں داخل ہوا۔ اور اپنی چھری سے شیخ پر متواتر حملے کرنے لگا۔ جسم مبارک پر گیارہ زخم آئے۔ مگر آپ کی محویت واستغراق میں فرق نہ آیا۔ نہ آہ کی اور نہ ہی کسی کو بلایا۔ جو حجرہ کی نالی سے آپ کا خون باہر آنے لگا تو بعض مریدین اندر آئے۔ دیکھا کہ قلندر مسلسل وار کر رہا ہے۔ اور آپ دم نہیں مارتے۔

مریدوں نے کم بخت قلندر کو پکڑ کر زدوکوب کرنا چاہا۔ حضرت نے اس بات کی اجازت نہ دی۔ قاضی عبدالمقتدر تھانیسری، شیخ صدرالدین طبیب اور شیخ

زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی کہ کسی کو ایسا موقع نہ دینا کہ اس قلندر کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ بطور انعام اسے بیس تنکے عطا فرمائے۔ اور عذر کیا کہ شاید چھری مارنے کے وقت تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ (سیر العارفین، صفحہ :۱۴۱)

یہ واقعہ حضرت چراغ دہلی کے صبر و تحمل اور تسلیم و رضا میں فرید عصر ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

مسئلہ جانشینی:

عمر کے آخری دنوں میں شیخ زین الدین علی نے عرض کیا۔ حضور آپ کے بہت سے مرید صاحبِ حال اور اہل کمال ہیں۔ ان میں کسی ایک کو اپنا جانشین بنا دیں تاکہ یہ سلسلہ بیعت وارشاد قائم رہے۔ حضرت نے مریدان خاص کی فہرست طلب کی۔ شیخ زین الدین نے فہرست پیش کی۔ تو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا:

"مولانا زین الدین علی وہ لوگ جو اپنے ایمان کا غم اٹھا رہے ہیں کیا مناسب ہے کہ وہ دوسروں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے۔"

اس کے بعد یہ وصیت فرمائی کہ میرے دفن کے وقت حضرت نظام الدین اولیاء کا خرقہ جو انہوں نے مجھے عنایت فرمایا ہے میرے سینہ پر اور حضرت کا عصا میرے برابر قبر میں رکھ دیں۔ اور مرشد کی تسبیح میری انگشت شہادت میں لپیٹ دیں۔ اور ان کا کاسۂ چوبیں میرے سر کے نیچے رکھدیں۔ اور ان کی نعلین چوبیں میری آغوش میں رکھ کر دفن کردیں۔ (مونس الارواح، صفحہ :۸۳)

وصال:

۱۸ر رمضان المبارک ۷۵۷ھ شب جمعہ علم و فضل، زہد و تقویٰ کے پیکر نے رحلت فرمائی۔ حضرت بندہ نواز سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے جسد خاکی کو غسل دیا۔ اور اس چارپائی کی رسی کو جس پر حضرت چراغ دہلی کے جسم مبارک کو غسل دیا گیا تھا نکال لیا۔ اور اپنی گردن میں لپیٹ کر کہا۔ ہمارے لئے یہی خرقہ کافی

ہے۔ اس کی برکت سے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کو ملک دکن میں بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور سلسلہء نظامیہ چشتیہ پوری آب و تاب کے ساتھ چلتا رہا۔

ہزاروں سوگواروں نے اپنے عظیم مرشد کی نماز جنازہ ادا کی۔ اور وصیت کے مطابق جسد خاکی کے ساتھ پیران چشت کے تبرکات کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ (ایضاً)

چراغ دہلی کا لقب:

شیخ نصیر الدین نے جس صبر و تحمل اور خلوص و انہماک کے ساتھ نامساعد حالات میں رشد و ہدایت کی اس شمع کو مدہم نہ ہونے دیا جسے ان کے مرشد حضرت سلطان المشائخ نے روشن کیا تھا۔ عہد محمد بن تغلق کی اجڑی ہوئی دہلی میں استقامت و عزیمت کی چٹان بن کر جس عزم راسخ کے ساتھ سلسلہ کا کام انجام دیا۔ اور خلقِ خدا کی رہنمائی و اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے اس کی شہرت ہندوستان سے نکل کر عرب تک پہنچ گئی۔ جب حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہانگشت مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور عرصہء دراز تک وہاں کے مشہور عالم و صوفی شیخ امام عبداللہ یافعی سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک بار امام یافعی نے سید جلال الدین سے فرمایا اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے۔ تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے۔ ان کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے۔ وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں۔

یہ بات سن کر حضرت جلال الدین کو شیخ نصیر الدین سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اور وہ مکہ مکرمہ سے دہلی آئے۔ اور آپ کی قدمبوسی کر کے شیخ مکہ کی گفتگو نقل کی۔ اسی وقت سے شیخ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی ہو گیا۔ جس سے انھیں شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔

اشاعت علم:

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی خود ایک متبحر عالم تھے۔ اور آپ کے حلقہ

گوشوں میں بھی اپنے وقت کے نامور علماء شامل تھے۔ مولانا احمد تھانیسری، مولانا خواجگی، قاضی عبدالمقتدر دہلوی جو شیخ کے خلیفہ تھے۔ اور عہد فیروز شاہی کے صف اول کے عالم تھے۔ علم باطنی کے فروغ کے ساتھ ساتھ شیخ نصیرالدین اور ان کے خلفاء و مریدین نے علوم ظاہری کی ترویج و اشاعت میں بڑا اہم کردار نبھایا۔ سلاطین شرقیہ جونپور کے عہد میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی شیراز ہند کی علمی مجلس کے صدر نشیں ہوئے وہ قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی کے شاگرد تھے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> "قاضی عبدالمقتدر بن قاضی رکن الدین کندی، حضرت شیخ نصیرالدین محمود کے خلیفہ ہیں۔ فیاض طبع بزرگ اور کامل درویش تھے۔ قاضی شہاب الدین کے استاذ تھے......... ہمیشہ درس و تدریس اور افادۂ علم میں مشغول رہے۔ شیخ نصیرالدین محمود اور ان کے اکثر خلفاء اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ طالب علموں کو ہمیشہ تحصیل علم اور حفظ شریعت کا حکم دیتے تھے۔ فرماتے، ایک شرعی مسئلہ پر غور و فکر کرنا ہزار رکعت کی عبادت پر فضیلت رکھتا ہے۔ جس میں کبر و ریا کی آمیزش ہو۔"
>
> (اخبار الاخیار، صفحہ:۲۶۹)

شیخ نصیرالدین اور ان کے ارادت مندوں نے عہدِ مغلیہ سے قبل علم و فن کی ترویج و اشاعت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کی مثال مشکل ہی سے کسی شیخ اور اس کے ارادت مندوں کے ہاں نظر آتی ہے۔ شیخ کے خوشہ چینوں میں وقت کے اکابر علماء شامل تھے۔ جنہوں نے شیخ کی روحانیت کے ساتھ آپ کی علمی برتری تسلیم کر کے قلادۂ ارادت اپنی گردنوں میں ڈالا تھا۔

تحفظ شریعت:

مشائخ چشت میں حضرت چراغ دہلی حفظ شریعت کے لئے ممتاز تھے۔

صوفیہ کی جماعت میں ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے تھے۔ جن پر ذوق و شوق کا غلبہ رہتا تھا۔ اور اس غلبہء جذب کی وجہ سے ان سے ایسے امور بھی صادر ہوتے جو بظاہر نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت چراغ دہلی نے وجدانی کیفیت کو شریعت کے دائرے سے نکلنے کا موقع نہ دیا۔ ان کا ہر ہر قدم قانون شرع کی پابندی میں اٹھتا۔ اور ہر عمل اتباع رسول کا مظہر ہوتا۔ شریعت کے حدود سے سر مو تجاوز برداشت نہ تھا۔ سماع جو مشائخ چشت کے نزدیک مباح ہے۔ مگر اس بات میں حضرت شیخ نے شرعی نزاکتوں کا ہمیشہ خیال رکھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے:

> "ایک دن آپ کے کسی پیر بھائے کے ہاں مجلس تھی۔ جب مزامیر کے ساتھ سماع شروع ہوا تو آپ اسی وقت اٹھ کر وہاں سے چل دیئے۔ دوستوں نے روکنا چاہا تو فرمایا: یہ امر خلاف سنت ہے۔ سماع کے دلداروں نے کہا۔ کیا سماع کے منکر ہو گئے ہو؟ اور اپنے پیروں کا مشرب ترک کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ کوئی حجت نہیں ہے۔ دلیل کتاب و سنت سے ہونی چاہیئے۔ بعض لوگوں نے یہ ماجرا حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیان کیا۔ وہ اپنے مرید کی نیک نفسی اور صدق سے واقف تھے۔ انہوں نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں۔ اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔ (اخبار الاخیار، صفحہ: ۱۵۰)

شیخ نظام الدین کی مجلس سماع میں مزامیر نہ ہوتے تھے۔ اور نہ تالی بجائی جاتی تھی۔ اگر یاروں میں سے کوئی خبر کرتا کہ فلاں مزامیر سنتا ہے تو منع کرتے۔ اور فرماتے کہ اچھا نہیں کرتا۔

خیر المجالس میں منقول ہے:

> "ایک مرتبہ کسی عزیز نے شیخ نصیر الدین کی خدمت میں عرض کیا کہ مجلس میں مزامیر، دف، نے (بانسری) اور رباب کے ساتھ صوفیوں کا

رقص کرنا کس طرح روا ہے؟ شیخ نے فرمایا۔ مزامیر بالا جماع مباح نہیں ہے۔ اگر کوئی طریقت سے گرے تو شریعت میں رہے۔ اگر شریعت سے بھی گر جائے تو کہاں رہے گا؟ اور تو سماع ہی میں اختلاف ہے۔ علماء کے نزدیک اہل سماع کے لئے بہت سی شرطوں کے ساتھ مباح ہے۔ لیکن مزامیر تو بالاجماع حرام ہے۔ (اخبار الاخیار، صفحہ: ۵۱-۱۵۰)

طبعی لطافت:

حضرت چراغ دہلی کی طبیعت میں پاکیزگی اور مزاج میں بڑی لطافت تھی۔ سید بندہ نواز گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں فرماتے ہیں:

''جس جگہ آپ بیٹھتے بہت ہی پاک صاف اور روشن ہوتی۔ وہاں ایک تنکا بھی نظر نہ آتا۔ جسم مبارک پر جو پیراہن ہوتا۔ معلوم نہ ہوتا کہ آج پہنا ہے یا کل۔ دامن اور آستینوں کی شکن سے اندازہ ہوتا کہ دو دن کا پہنا ہوا ہے۔ دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا۔ (جوامع الکلم، صفحہ: ۱۱۲)

تربیت روحانی:

شیخ نصیر الدین کا انداز تربیت بڑا مؤثر ہوتا تھا۔ ان کے ارشادات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے۔

☆ایک دن اپنے ارادت کیشوں سے فرمایا:

اے دوستو! لباس درویشی کے حق کا لحاظ رکھو۔ تاکہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول ﷺ سے شرمندہ نہ ہو۔ اس درویشی کے حق کی حفاظت یہ ہے کہ گندم نما جو فراش نہ بنو۔ جفا برداشت کرو۔ اور وفا کرو۔ (سیر العارفین، صفحہ: ۱۲۸)

☆ایک شخص نے عرض کیا۔ فقیروں کا حال کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟

ارشاد فرمایا حال نتیجہ ءِ صحبت اعمال ہے۔ اور عمل دو قسم پر ہوتا ہے۔ عمل جوارح معلوم ہے۔ اور عمل قلب جسے مراقبہ کہتے ہیں۔

صاحب سیر الاولیاء میر خورد کرمانی تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دن میں بادشاہ دین (نصیر الدین) کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ اور مشاہدہ جمال شیخ میں مصروف تھا۔ اسی اثناء میں آپ نے مجھے تربیت کرتے ہوئے کہا کہ آدمی کا نفس ایک درخت کے مانند ہے۔ جو نفسانی خواہشات کی مدد سے آپ کی ذات میں جڑ پکڑ جاتا ہے۔ اور مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ اگر انسان بتدریج، مسلسل عبادت و تقویٰ، اور عشق و محبت کی طاقت سے ہر روز اس درخت کو ہلاتا رہے تو اس کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جاتی ہیں۔ پھر اس کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے۔

ان کی یہ دلنشین تقریر میرے دل میں موثر ثابت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اولیائے کرام جو نصیحت کرتے ہیں وہ حق پر مبنی ہوتی ہے۔ چوں کہ وہ شیطان اور اپنے نفس امارہ کو مسخر کر لیتے ہیں۔ اور اپنے باطن سے دشمنوں کو بالکل باہر نکال دیتے ہیں۔ وہ خدا کے ہو جاتے ہیں۔ اور ماسوا اللہ سے بیزار ہوتے ہیں۔ اسی بلند مقام سے وہ نصیحت کرتے ہیں۔ لہذا اس میں تاثیر ہوتی ہے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۵۲)

ارشادات:

☆ سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے۔ تاکہ مرشد طریقہ ذکر و فکر کی تعلیم دے سکے۔ اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو وہاں مرشد دست گیری کرے۔

☆ محافظت نفس کے لئے مخالفت نفس ضرور ہے۔

صحت نفس و قوتِ یک روزہ بہر از طاعت و تخت فیروزہ

(خیر المجالس)

☆ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی ہے۔ اور محبت صفات کسبی ہے۔ ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس، شیطان، جادۂ محبت سے

گمراہ کرتے ہیں۔ خلق بے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لئے قناعت پسندی اور نفس شیطان سے بچنے کے لئے عبادت گذاری ضروری ہے۔

خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لئے دنیا کی ہر چیز ایثار کر دے۔ اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اسے کاٹ کر اگر ریزہ ریزہ کر دیا جائے۔ یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے۔ (مفتاح العاشقین)

خلفاء:

سید بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد بن جعفر مکی حسینی، مولانا خواجگی، مولانا عبدالمقتدر، مولانا احمد تھانیسری، سید زین الدین علی۔

کرامات:

شیخ نصیر الدین کرامتوں کے اظہار پر یقین نہ رکھتے تھے۔ وہ اخلاق حسنہ اور علمی و شرعی تلقینات کے ذریعہ لوگوں کو معرفت و سلوک کا شائق اور اپنا گرویدہ بناتے تھے۔ وہ فرماتے تھے۔ "ایمان کا غم کھانا چاہیئے۔ در پئے کرامت نہ ہونا چاہیے۔ حیران ہوں کہ خلق بے مشاہدہ کس طرح جیتی ہے؟

یہ تو پینے کی چیز ہے کھانے کی نہیں:

سید میر خورد لکھتے ہیں۔ ایک دن میں اور سید عماد الدین امیر صالح اور سید نور الدین مبارک حضرت چراغ دہلی کی زیارت کے لئے چلے۔ سردی کا زمانہ تھا۔ ایک بھائی نے کہا۔ اگر شیخ محمود واقعی صاحب کرامت ہیں تو ہمیں شیرینی پیش کریں گے۔ جب خدمت عالی میں پہنچے تو آپ نے خادم سے فرمایا۔ شربت لاؤ۔ جب شربت کے پیالے ہمارے ہاتھوں میں دیئے گئے تو خیال آیا۔ یہ تو پینے کی چیز ہے۔ ہم نے تو کھانے کی چیز کی بات کی تھی۔ اس وقت خادم سے فرمایا۔ دوسری شیرینی

لاؤ۔ ہم نے عرض کیا کہ شربت پی چکے ہیں۔ فوراً ارشاد ہوا وہ پینے کی چیز تھی یہ کھانے کی چیز ہے۔(سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۵۳)

حصار چراغ دہلی نظر نہیں آیا:

جس زمانہ میں جواہر سنگھ جاٹ نے دہلی کو تاخت و تاراج کیا۔اور اطراف دہلی کو لوٹا۔ آبادی چراغ دہلی میں ایک برہمن رہتا تھا۔اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ دہلی لٹ رہی ہے۔ ہم بھی ایک دن تباہ ہوں گے۔اس لئے شیخ کے مزار پر عرض کی جائے کہ یہ بستی جاٹوں کی غارت گری سے کس طرح محفوظ رہے۔اس آستانہ پر حاجت مند دور دور سے آتے اور مرادیں پاتے ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے غسل کیا۔لوٹا صاف کر کے اس میں پانی بھرا۔اور مزار اقدس پر حاضر ہوا۔لوٹا رکھ کر عرض کیا۔ میں برہمن ہوں۔ میری نذر قبول ہو۔ آپ پر روشن ہے کہ ساری دلی لٹ رہی ہے۔ ہم لوگ جو اس چار دیواری کے اندر بستے ہیں آپ کی رعایا ہیں۔ آپ کے سوا کوئی وسیلہ نہیں رکھتے۔ یہ وقت مدد ہے۔پھر وہ اپنے مکان آگیا۔

رات میں جب سویا۔خواب دیکھا کہ حضرت چراغ دہلی فرمارہے ہیں۔ تم دروازہ بند کر کے دل جمعی سے بیٹھے رہو۔اگر تمہاری طرف وہ لوگ آئیں گے تو اندھے ہو جائیں گے۔ چنانچہ جاٹ بستی چراغ دہلی کو لوٹنے آتے۔احاطہ چراغ دہلی انھیں نظر نہ آتا۔ ادھر ادھر پھر کر چلے جاتے۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا۔احاطہ چراغ دہلی نہیں ملتا۔انہوں نے کہا دیکھوں سامنے دکھائی دے رہا ہے۔جب قریب گئے۔ حصار چراغ دہلی نظر نہیں آیا۔انھیں حیرت ہوئی۔ کیا وجہ ہے کہ ہمیں چراغ دہلی کا حصار نظر نہیں آتا؟لوگوں نے بتایا وہاں چراغ دہلی کا مزار ہے۔وہ بستی ان کے نام سے موسوم ہے۔وہ اپنی بستی پر مہربان ہیں۔یہ ان کا تصرف ہے۔ جو تمہیں حصار نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر وہ اپنے ارادۂ فاسد سے باز آئے۔اور عقیدت وارادت کے ساتھ زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔اور نذرانے

پیش کیے۔اور اپنا ماجرا تمام اہل بستی سے بیان کیا۔(تذکرہ اولیاء ہند،ج:۱، صفحہ :۱۱۸)

رزق اپنے وقت مقررہ پر ملے گا:

خواجہ قوام الدین جو شیخ کے ایک مرید باصفا تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ ایک بار مجھ پر سخت افتاد آئی۔ ملازمت سے برخواست کر دیا گیا۔ اور تاوان لگادیا گیا۔ پریشانی کے ان ایام میں اپنے دوستوں کی طرف رجوع کرنا یا ان سے بات کرنا چاہتا تو مجھ سے منھ پھیر لیتے۔ توجہ نہ کرتے۔ اگر میں مال بازار بھیجتا تو کوئی اسے نہ خرید تا۔ اس آزمائش وابتلاء میں سخت پریشانی سے دوچار ہوا۔ اسی حال میں مرشد کی خدمت میں گیا۔ اور پختہ ارادہ کرلیا کہ قدمبوسی کے بعد یہ ماجرا ضرور عرض کرونگا۔ اور ان سے نجات اور کشادگی کی دعا کے لئے کہونگا۔ جب میں قدموس ہوا۔ عرض و معروض سے پہلے ہی میرا حال دریافت کرنے لگے۔ اور ایک شعر پڑھا۔ جس کا مفہوم یہ تھا۔

دنیا تو پہلے سے مقدر ہو چکی ہے۔ جوش و خروش نہ دکھاؤ تو بہتر ہے۔ رزق اپنے وقت مقررہ پر تم کو مل جائے گا۔ زیادہ ہاتھ، پاؤں نہ مارو۔ جو چیز لوگ نہیں خریدے اسے نہ بیچو۔ تو اچھا ہے تجھ سے لوگ گفتگو نہیں کرتے تو خاموشی ہی بہتر ہے۔

الغرض اپنے نور باطن سے میرے خیالات کو مجھ پر آئینہ کر دیا۔ اس کرامت سے میری ڈھارس بندھی اور دل کو قوت ملی۔ (سیر الاولیاء، صفحہ :۲۵۴)

(ج) شیخ قطب الدین منور علیہ الرحمۃ م ۷۶۰ھ

شیخ قطب الدین منور علیہ الرحمہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے اور شیخ

برہان الدین کے فرزند ارجمند تھے۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے عزیز خلیفہ تھے۔ آپ کے فضائل و مناقب میں سید میر خورد کرمانی رقمطراز ہیں:

> ''آپ علم و عقل، وفاء و عشق، زہد و تقویٰ اور آہ و بکا کے لئے مشہور تھے۔ تکلف سے بالکل برطرف اور خلقت کے شور و غوغا سے دور اپنے آباء و اجداد کے گوشہء عافیت میں عبادت الٰہی میں محو اور اس کی محبت میں مستغرق رہے۔ کسی حالت میں دنیا اور اہل دنیا کی طرف مائل نہ ہوئے۔''(سیر الاولیاء، صفحہ:۲۷۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

جامع کمالات و مظہر کرامات تھے۔ تکلف سے بیگانہ اور خلقت کے غوغا سے الگ رہے۔ ساری عمر اپنے اختیار سے قدم باہر نہ رکھا۔ اور امراء کے دروازے پر نہ گئے۔ زندگی توکل اور قناعت میں بسر کی۔ (اخبار الاخیار، صفحہ:۱۵۸)

اپنے مرشد کامل سے حد درجہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ کوئی مرشد کا نام لیتا تو اس قدر روتے کہ حاضرین پر گریہ طاری ہو جاتا۔

نہ تنہا از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(سیر الاولیاء، صفحہ:۲۵۸)

خلافت و نعمت:

حضرت سلطان المشائخ نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی اور شیخ قطب الدین منور کو ایک ہی دن خلافت نامے اور خلعت سے سرفراز فرمایا۔ (جس کا تفصیلی ذکر سلطان المشائخ کے حالات میں گذر چکا ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی چنداں حاجت نہیں) تفویض خلافت کے بعد جب مرشد کامل نے آپ کو رخصت کیا تو فرمایا:

''عوارف المعارف کا ایک نسخہ جسے تمہارے دادا شیخ جمال الدین ہانسوی نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے بوقت خلافت پایا تھا۔ جب میں شیخ جمال الدین ہانسوی کی خدمت میں ہانسی پہنچا تو بڑی شفقت فرمائی اور عوارف کا وہ نسخہ میرے پاس لائے اور فرمایا یہ کتاب دیگر بے شمار نعمتوں کے ساتھ شیخ الشیوخ سے حاصل کیا تھا۔ اسے آج تمکو پیش کرتا ہوں۔ میری اولاد میں سے ایک فرزند آپ کے حضور میں پہنچے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسے ایسی دینی و دنیاوی سعادتوں سے محروم نہ رکھو گے۔ اب میں یہ نسخہ دوسری نعمتوں کے ساتھ تم کو دیتا ہوں۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۶۰)

سلطان محمد بن تغلق اور شیخ قطب الدین منور:

حضرت قطب الدین منور اپنے مشائخ طریقت اور خاندانی بزرگوں کی طرح سلطان وسیاست، امراء وملوک سے بے نیاز عبادت وریاضت اور خلق خدا کی ہدایت میں مصروف رہتے۔ مگر حاسدوں نے شیخ کے خلاف سلطان کے کان بھرے۔ مزاجِ شاہی برہم ہوا۔ مگر اسے ایذا رسانی کا موقع نہ ملا۔ اس نے آپ کو دنیا کی حرص میں مبتلا کرنا چاہا۔ سلطان نے قاضی کمال الدین صدر جہاں کی معرفت دو گاؤں کا فرمان شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ اور شیخ کو اس کی قبولیت پر جبراً آمادہ کیا۔ قاضی کمال ہانسی آئے اور فرمان شاہی کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور آستین پر رکھ کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ کو قاضی کمال کے آنے کی خبر ہوئی۔ تو آپ طاق صفا میں جہاں شیخ فرید کے قدم مبارک پہونچے تھے جا بیٹھے۔ قاضی نے فرمان شاہی سامنے رکھ دیا۔ اور بادشاہ کے خلوص وارادت کا تذکرہ کیا۔ شیخ قطب الدین منور نے فرمایا۔ جب سلطان ناصر الدین نے اچ اور ملتان کا رخ کیا۔ غیاث الدین بلبن شیخ الشیوخ کی خدمت میں دو گاؤں کی جاگیر کا فرمان لے کر پہنچا۔ شیخ الشیوخ نے فرمایا تھا۔ ہمارے مشائخ نے ایسی چیزیں قبول نہیں کیں۔ اس کے طلب گار بہت

ہیں۔ انھیں دے دیجئے۔ پھر قاضی کمال الدین سے فرمایا۔ آپ صدر جہاں ہیں۔ مسلمانوں کو وعظ و تلقین کرتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے مرشد کے خلاف عمل کرے تو آپ کو نصیحت کرنی چاہئے۔ بلکہ روکنا چاہئے۔ قاضی کمال الدین بہت نادم ہو کر واپس ہوئے۔ (خزینۃ الاولیاء، ج:۱، صفحہ:۳۵۹) سیر الاولیاء، صفحہ:۲۶۰)

دربار شاہی میں حاضری:

ایک بار سلطان تغلق ہانسی کے قریب ''بنسی'' میں خیمہ زن ہوا۔ اور ملک نظام الدین کو ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا۔ جب وہ آبادی میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ شیخ قطب الدین منور خلیفہ سلطان المشائخ کا مکان ہے۔ اس نے کہا یہ عجیب بات ہے۔ بادشاہ اس دیار میں آئے اور شیخ منور سلام کو حاضر نہ ہوں۔ ملک نظام نے واپسی پر سلطان سے کوائف بیان کئے اور کہا۔ ہانسی میں سلطان المشائخ کے ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کے لئے حاضر نہیں ہوئے۔ بادشاہ کو غصہ آیا۔ اور اسی وقت حسن برہنہ کو جو بڑا مغرور انسان تھا۔ شیخ قطب الدین منور کے پاس بھیجا کہ وہ انھیں حاضر دربار کرے۔ حسن سر برہنہ جب مکان کے قریب پہنچا تو سواری سے اتر کر شیخ کی دہلیز میں آکر عاجزانہ طریقہ پر بیٹھ گیا۔ شیخ کے فرزند خواجہ نور الدین اسے لے کر شیخ کے پاس گئے اور سلطان کا پیغام شیخ سے عرض کیا۔ فرمایا اس میں مجھے اختیار ہے یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں مجھے حکم ہوا ہے کہ میں آپ کو طوعاً و کرہاً لاؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ میں اپنے اختیار سے نہیں جارہا ہوں۔ پھر گھر والوں سے کہا۔ میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ مصلیٰ کاندھے پر ڈالا۔ لاٹھی ہاتھ میں لی۔ اور پیدل چل پڑے۔ حسن نے سواری پیش کی۔ فرمایا۔ مجھ میں قوت ہے۔ میں پیدل چل سکتا ہوں۔ جب اپنے والد شیخ برہان الدین اور دادا شیخ جمال الدین ہانسوی کے مقبرہ پر پہنچے۔ حسن سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اور بلند آواز سے کہا میں اپنے اختیار سے آپ حضرات کے کنج خلوت سے باہر نہیں جارہا ہوں۔

گھر پر چند نفر موجود ہیں جن کے خرچ کے لئے میں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔ یہ کہہ کر روضہ سے باہر آئے۔ اسی وقت ایک مرد غیب ظاہر ہوا اور کچھ روپئے پیش کئے اور کہا یہ رقم آپ کے متعلقین کے خرچ کے لئے ہے۔ آپ نے حکم دیا۔ اسے میرے گھر پہنچا دو۔ اہل خانہ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ جب بنسی پہنچے سلطان کو خبر ہوئی۔ اس نے حکم دیا شیخ کو دہلی لے چلیں۔ دہلی پہنچ کر دربار شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے کہا۔ ہم درویش ہیں۔ بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں۔ تم جو بتاؤ وہ کیا جائے فیروز نے مشورہ دیا بادشاہ کی خدمت میں تواضع اور نرمی سے پیش آئیں۔

شیخ اپنے بیٹے شیخ زادہ نورالدین کے ساتھ دربار میں پہنچے۔ شیخ زادہ نے امراء و ملوک خدام اور شاہی دربار کا کروفر دیکھا تو رعب کی وجہ سے کانپنے لگے۔ شیخ منور نے ان سے فرمایا۔ بابا نورالدین العظمة والکبریاء للہ۔ شیخ زادہ کا بیان ہے۔ یہ سنتے ہی میرے دل سے جلال شاہی کا رعب جاتا رہا۔ اور قوت محسوس ہونے لگی۔ امراء و ملوک جو کھڑے تھے بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔

شیخ جب بادشاہ کے قریب پہنچے تو اس نے خلاف معمول تعظیم کی۔ اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے اس کا ہاتھ بڑی قوت سے دبایا۔ بادشاہ نے کہا۔ میں آپ کے جوار میں پہنچا۔ اور آپ نے میری کوئی تربیت نہ فرمائی۔ اور شرف ملاقات نہیں بخشا۔ شیخ نے جواب دیا۔ یہ درویش اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے۔ ایک گوشہ میں پڑا بادشاہ اور اہل اسلام کے لئے دعا کرنے میں مصروف رہتا ہوں۔ مجھے معذور سمجھا جائے۔

بادشاہ کافی متاثر ہوا۔ اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا۔ شیخ کی جیسی مرضی ہو ویسا ہی کرو۔ شیخ نے فرمایا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اپنے باپ، دادا کے گوشہ عافیت میں واپس چلا جاؤں۔ واپسی پر بادشاہ نے ایک امیر سے کہا۔ میں نے جن بزرگوں

سے مصافحہ کیا ان کے ہاتھوں میں کپکپی تھی۔ لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر میرے رعب کا ذرا اثر نہیں ہوا۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۶۲، خزینۃ الاصفیاء، صفحہ: ۳۶۰)

شاہی نذرانے:

سلطان محمد تغلق نے فیروز شاہ تغلق اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکوں کا ہدیہ دے کر شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے فرمایا نعوذ باللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکوں کو قبول کرے۔ انہوں نے یہ بات بادشاہ سے کہی تو اس نے حکم دیا پچاس ہزار تنکے پیش کرو۔ شیخ نے اسے بھی رد کر دیا۔ سلطان نے کہا۔ اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں تو خلقت مجھے کیا کہے گی۔ یہاں تک کہ بات دو ہزار تنکوں تک پہنچی۔ شیخ نے فرمایا۔ سبحان اللہ درویش کو دو سیر چاول، دال، اور ایک دانگ کا گھی کافی ہے۔ وہ اتنے روپئے کیا کرے گا؟ بڑی کوشش سے آپ نے دو ہزار تنکے قبول کئے۔ اور اپنے دوستوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر کے ہانسی لوٹ گئے۔

(سیر الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، ج:۱، صفحہ: ۳۶۰)

شیخ ہانسی آکر عبادت و ریاضت اور لوگوں کی ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ ۷۶۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور اپنے والد اور دادا کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

(د) آئینہ ہندوستان شیخ سراج الدین عثمان قدس سرہ علیہ الرحمہ وفات ۱۳۵۷ء

کاشف اسرار حقیقت، آئینہ جمال ذات مطلق شیخ سراج الدین عثمان رحمۃ اللہ علیہ جن کو اخی سراج بھی کہتے ہیں۔ آپ کا آبائی وطن اودھ تھا۔ مگر والد گرامی

نے لکھنوتی جسے گور کہا جاتا ہے اقامت گزیں ہوئے۔ شیخ سراج عنفوان شباب ہی میں تلاشِ مرشد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اور دہلی پہنچ کر سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے آستانِ کرم سے وابستہ ہوگئے۔ اور شیخ المشائخ کے ملازمین سے تربیت پاتے رہے۔ ہر سال والدہ محترمہ کی قدمبوسی کے لئے لکھنوتی (بنگال) جایا کرتے تھے۔ پھر شیخ کے آستانہ پر دہلی آجاتے۔

مؤلف سیر الاولیاء لکھتے ہیں:

"(اخی سراج نے) زندگی کا بیشتر حصہ تجرد اور فارغ البالی میں گزارا۔ اپنی عمر عزیز سلطان المشائخ کے جماعت خانہ میں رہ کر گزارتے۔ کاغذ اور کتاب کے علاوہ کوئی اور اثاثہ نہ تھا۔ جسے وہ کتاب خانہ اور جماعت خانہ ہی میں رکھتے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۹۵)

مرشد کی عقیدت وارادت اور کامل ملازمت نے اخی سراج کو محبوب الٰہی کا محبوب بنادیا۔ چنانچہ جب خلفاء خاص کی فہرست تیار کر کے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں آپ کا نام بھی تھا تو سلطان المشائخ نے فرمایا۔ خلافت کے لئے پہلی چیز علم ہے۔ یعنی وہ بڑے عالم نہیں ہیں۔ جب مولانا فخر الدین زرادی نے یہ بات سنی۔ عرض کیا میں سراج الدین کو چھ ماہ میں فاضل اجل بنادوں گا۔ مؤلف سیر الاولیاء لکھتے ہیں:

"پس مولانا سراج الدین نے بڑھاپے میں پڑھا۔ اور راقم الحروف کے ساتھ میزان، تصریف، قواعد اور ان کے مقدمات پڑھے۔ مولانا فخر الدین نے محض ان کے لئے ایک مفصل تصریف لکھی جس کا نام عثمانی رکھا۔ آپ نے غیاث پور میں بھی مولانا فخر الدین زرادی سے پڑھا۔ اور مولانا رکن الدین اندرپتی سے راقم الحروف کے ساتھ کافیہ، مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پر تحقیق کی۔ اور خوب استفادہ کیا۔ آپ

کے لئے خلافت نامہ بھی سلطان المشائخ کی مہر سے جاری کیا۔ اس خلافت نامہ کو شیخ نصیر الدین محمود کے ہاتھ اودھ بھیج دیا۔ اور خود سلطان المشائخ کی حضور ہی میں رہے اور علم حاصل کرتے رہے۔

جب سلطان المشائخ جنت کو سدھارے اس کے بعد بھی تین سال پڑھتے رہے اور حظیرۃ القدس میں خواجہ جہاں مرحوم کے گنبد میں بھی رہے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ :۹۶۔۲۹۵)

چراغ دہلی سے کسب فیض:

سلطان المشائخ کی رحلت کے بعد بھی آستانہ مرشد سے جدائی گوارہ نہ ہو سکی۔ چنانچہ مزید تعلیم اور روحانی تربیت کے لئے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی خلیفہ اعظم حضرت محبوب الٰہی کی خدمت سے وابستہ ہو گئے۔ اور ان کے علم ظاہر و باطن سے مالا مال ہوتے رہے۔ ابو القاسم فرشتہ کے مطابق بوقتِ رخصت حضرت خواجہ نصیر الدین محمود نے آپ کو خرقہ خلافت سے بھی نوازا۔

دلی کی ویرانی اور خواجہ اخی سراج کی مراجعت وطن:

سلطان محمد شاہ تغلق جو ہندوستان کے صاحب شوکت و اقتدار بادشاہوں میں گذرا ہے مگر اس کی فکر عجیب اور اس کے سیاسی فیصلے نرالے ہوتے۔ وہ اکثر و بیشتر مستقبل کے نفع و ضرر سے بے نیاز ہو کر اقدام کرتا۔ اس کے انھیں عاجلانہ و غیر دانشمندانہ فیصلوں میں ایک فیصلہ دہلی کے بجائے (دیوگیری) دولت آباد کو دار السلطنت بنانے کا فیصلہ تھا۔ اس نے صرف راجدھانی بدلنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ دہلی والوں کو ترکِ وطن کر کے دولت آباد چلنے کا جبری حکم بھی نافذ کر دیا۔ اور اہل دہلی کو بجبر و اکراہ دہلی خالی کر دینے پر مجبور کیا۔ اس ہنگامی دور میں شیخ اخی سراج کا دہلی میں رہنا دشوار ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنے وطن لکھنوتی (بنگال کی طرف متوجہ ہوئے۔ سلطان المشائخ کے بعض تبرکات، کتابیں اور پارچات جو آپ کو ملے تھے۔

حرز جاں بنا کر بنگالہ لائے۔ جب حضرت خواجہ نصیر الدین آپ کو بنگال روانہ کر رہے تھے تو آپ نے عرض کیا کہ اس علاقہ میں شیخ علاء الدین ایک صاحب اثر واقتدار بزرگ رہتے ہیں۔ میرے وہاں جانے سے کیا ہوگا۔ حضرت چراغ دہلی نے فرمایا "تمہارا مرتبہ ان سے بلند رہے گا۔ اور وہ تمہارے نیاز مند ہو کر رہیں گے۔"

چنانچہ حضرت اخی سراج جب بنگال کے حدود میں داخل ہوئے تو آپ کی ولایت کی دھوم مچ گئی۔ عوام وخواص نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ پورے بنگال میں آپ کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ وہاں کے بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ خود شیخ علاء الدین آپ کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ خلافت پائی اور آپ کے بعد بنگال میں اصلاح و تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیا۔

شیخ سراج کا آئینہ ولایت بنگال کی سرزمین پر اس طرح پر توافگن ہوا کہ وہاں کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا۔ اور ایک مستقل خانوادۂ تصوف کی بنیاد پڑی۔ جسے سراجیہ کہا جاتا ہے۔

اگرچہ سلطان المشائخ کے تمام خلفاء بلند مقام پر فائز تھے لیکن ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی اور خواجہ اخی سراج سے کثیر افراد فیض یاب ہوئے۔ اور خانوادۂ چشتیہ کے یہ دونوں چراغ آفتاب و ماہتاب بن کر شرق و غرب میں روحانیت و سلوک کا اجالا پھیلاتے رہے۔ ان کے باطنی انوار سے آج بھی اہل ہند روشنی پارہے ہیں۔

انتقال:

شیخ سراج الدین کے انتقال کے دن قریب آئے تو لکھنوتی قدیم کے قریب اپنی آخری آرامگاہ کے لئے ایک جگہ منتخب کی۔ پہلے اپنے مرشد کے ان تبرکات کو جو دہلی سے ساتھ لائے تھے ادب و احترام کے ساتھ دفن کیا۔ پھر وصیت کی کہ جب میرا وصال ہو جائے تو مجھے تبرکات شیخ کی قبر کے پائنتے دفن کیا

جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خلائق ہے۔

(اخبار الاخیار، صفحہ: ۱۵۷)

آپ کی وفات ۷۵۳ھ میں ہوئی۔ اور وصیت کے مطابق تبرکات شیخ کے پائنتے جسد خاکی سپرد زمین کیا گیا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۹۶)

ایک کرامت:

ایک دن سلسلہ سہروردیہ کے ایک بزرگ شیخ سراج الدین کے مہمان ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد شیخ کپڑے اتار کر سو گئے۔ لیکن مہمان درویش ساری رات عبادت میں مصروف رہے۔ جب صبح ہوئی۔ شیخ سراج نے بستر سے اٹھ کر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ اس درویش نے حیران ہو کر کہا۔ عجب بات ہے آپ ساری رات سوتے رہے۔ اور صبح کی نماز بے وضو ادا کی۔ شیخ اخی نے بڑی تواضع سے ارشاد فرمایا۔ آپ بزرگ آدمی ہیں۔ آپ ساری رات کام میں مصروف رہے۔ لیکن میرے پاس کچھ مال ہے۔ اور چور اس مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ساری رات اس کی نگہبانی کرتا رہا ہوں۔ اگرچہ عاشق مسجد میں نہیں آتا۔ لیکن وہ ہمیشہ نماز میں رہتا ہے۔ (اخبار الاخیار، صفحہ: ۱۵۸)

اگر عاشق بمسجد در نیامد
دلِ عاشق ہمیشہ در نماز ست

(۵) حضرت شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسم گرامی برہان الدین تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ برہان الدین غریب ابن

برہان الدین تو گویا شیخ بن گئے ہیں۔ اور مشائخ کی طرح سجادۂ مشیخت پر بیٹھتے ہیں۔ سلطان المشائخ یہ سن کر رنجیدہ ہوئے۔ جب مولانا برہان الدین حاضر ہوئے تو آپ کی طرف التفات نہ کیا۔ مولانا جماعت خانہ میں آکر بیٹھ گئے۔ اسی وقت اقبال خادم شیخ کا فرمان لایا۔ آپ اسی وقت اپنے گھر چلے جائیں۔ مولانا حیران و ششدر رہ گئے۔ یہ کیسی مصیبت آ گئی۔ وہاں سے شہر میں آ گئے۔ اور شیخ کی ناراضی پر نادم و حیران تھے۔ چند احباب ملاقات کے لئے آئے۔ اور آپ کو زار و قطار روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگے۔ کچھ دنوں بعد امیر خسرو نے شیخ المشائخ سے عرض کی۔ مولانا برہان الدین سچے مرید اور بڑے مخلص ہیں۔ ضعف و نقاہت کی وجہ سے بوریہ پر بیٹھنا دشوار ہے۔ اس لئے گلیم دو تہہ کر کے نیچے ڈال لیتے ہیں۔ یہ عرض و معروض قبول نہ ہوئی تو احباب سے مشورہ کے بعد امیر خسرو نے دستار گلے میں لپیٹی اور مجرموں کی طرح سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے مرشد نے پوچھا۔ اے ترک کیا بات ہے؟ وہ کہاں ہے؟ اسے ڈھونڈ کر لاؤ۔ مولانا برہان الدین خانقاہ میں آئے۔ آپ اور امیر خسرو دونوں نے پگڑیاں اپنے گلے میں ڈال لیں۔ حاضر خدمت ہو کر قدم بوس ہوئے۔ شیخ المشائخ کی ناراضگی جاتی رہی۔ اور نئے سرے سے بیعت کیا۔ (ایضاً، صفحہ: ۲۸۸)

خلافت پانا:

ایک دن سلطان المشائخ کے خدام خاص خواجہ مبشر اور سید حسین اور سید خاموش نے باہم مشورہ کیا۔ اور کہا۔ مولانا برہان الدین پرانے مرید باصفا اور عقیدت شیخ میں یاروں سے ممتاز ہیں۔ لہٰذا ان کی خلافت کا تذکرہ شیخ کی خدمت میں کرنا چاہئے۔ سب اس تجویز پر متفق ہوئے۔ اور آپ کو لیکر بارگاہِ شیخ میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا۔ مولانا برہان الدین غریب حضرت مخدوم کا حلقہ بگوش دیرینہ ہے۔ قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اور نوازش کا امیدوار ہے۔ مولانا نے قدم

چومے۔ اس کے بعد اقبال خادم نے کلاہ و پیراہن جو حضرت شیخ کی خدمت سے عطا ہوا تھا حاضر کر کے حضرت کا دست مبارک اس کلاہ و پیراہن پر رکھا۔ اور مرشد کے سامنے ہی مولانا برہان الدین کو پہنادیا۔ اور کہا آپ خلیفہ ہیں۔ سلطان المشائخ خاموش رہے۔ اور یہ خاموشی گویا دلیلِ رضا تھی۔ (ایضاً، صفحہ:۲۸۹)

عطائے خلافت کے بعد شیخ نے کئی بار اپنے بلند مرتبہ مرید کے کمالات کا اظہار فرمایا۔ ایک مرتبہ محبوب الٰہی کی بارگاہ میں حضرت بایزید بسطامی کی بزرگی کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا۔ ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں۔ کسی نے دریافت کیا وہ کہاں ہیں۔ فرمایا جماعت خانہ میں۔ اقبال خادم جماعت خانہ میں گئے تو دیکھا کہ وہاں شیخ برہان الدین غریب بیٹھتے تھے۔

ایک موقع پر حضرت شیخ المشائخ نے حضرت شیخ برہان الدین کو اپنا فرزند شائستہ بتایا۔ اور فرمایا جو شخص شیخ برہان الدین کے ساتھ رہے گا۔ وہ بھی صاحب حشمت ہو گا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: مولانا برہان الدین اخلاقی نعمتوں اور علوم کا مجموعہ ہیں۔ (روضۃ الاولیاء، صفحہ:۱۱)

ولایت دکن:

جب دکن میں حضرت شیخ منتخب الدین علیہ الرحمۃ کا وصال ہو گیا۔ تو حضرت شیخ المشائخ نے خلق خدا کی رہبری و ہدایت کے لئے شیخ برہان الدین کو دکن جانے کا حکم دیا۔ شیخ کو مرشد کی جدائی گوارہ نہ تھی۔ اس لیے حکم سن کر عرض کیا کہ نعلینِ مبارک سے جدا ہو جاؤنگا۔ مرشد برحق نے فرمایا نعلین بھی ہمراہ لے جاؤ۔ پھر عرض کی مجلس سے دور ہو جاؤنگا۔ شیخ المشائخ نے فرمایا۔ اس وقت جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔

اس وقت مجلس میں سات سو مرید بیٹھے ہوئے تھے۔ جن میں امیر حسن

سنجری، شیخ کمال خجندی، شیخ جام، شیخ فخر الدین جیسے عالی مرتبہ احباب شیخ المشائخ بھی شامل تھے۔ بقول فرشتہ شیخ برہان نے عرض کی۔ حضور مجھ میں جدائی کی تاب نہیں۔ شیخ المشائخ نے فرمایا جس مقام پر تم رہو گے میرے اور تمہارے درمیان حجاب نہ ہوگا۔ تم سفر اختیار کرو۔ اور فتوح کے باب میں "لا ردو لا کد" رہو۔ شیخ برہان الدین باختلاف روایت چار سو یا سات سو اہل صفا درویشوں کے روحانی قافلہ کو لیکر دولت آباد دکن میں مقیم ہوئے۔ اور پورے اخلاص وایثار کے ساتھ ملک دکن میں دین حق کی تبلیغ واشاعت اور لوگوں کی اصلاح وہدایت کا کام انجام دیتے رہے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے جنوبی ہند میں سلسلہ چشتیہ کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ اور کثیر غیر مسلموں نے بھی آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

۲۸/سال قیام کے بعد ۱۲/صفر ۷۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور دولت آباد میں مدفون ہوئے۔ آج تک مزار پر انوار زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

تعلیمات وارشادات:

حضرت شیخ برہان الدین کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ صادر ہوتا۔ لوگ اسے بغور سنتے۔ ذہن نشین کرتے۔ اور عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے۔ آپ مریدوں اور معتقدوں کے سامنے جو حکیمانہ پند وموعظت اور اصلاح وتربیت کی غرض سے جو کلمات ارشاد فرماتے ان میں کمال فصاحت وبلاغت اور شیرینی وجاذبیت ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ سامعین آپ کے کلام سے محظوظ ہوتے اور اپنے دلوں کو پاکیزہ اور ذہنوں کو مصفی پاتے۔

صاحب سیر الاولیاء رقمطراز ہیں:

"جو کوئی بھی گھڑی بھر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھ جاتا۔ ان کی عاشقانہ باتوں اور دلکش کلام سے ان کا فریفتہ ہوجاتا۔ خلق خدا کو مرشد سے عقیدت ومحبت کے سلسلہ میں ان سے بہتر رہنما کوئی نہ تھا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۸۷)

ذیل میں حضرت شیخ کے چند اقوال وارشادات ہدیہء قارئین کیے جاتے ہیں:

☆ایک مسافر حضرت شیخ برہان کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا۔ میں آپ کے پاس دو چیزوں کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ایک دین۔ اس لئے کہ آپ پیشوائے دین ہیں۔ اور صاحب کشف و کرامت ہیں۔ اور دوسری چیز دنیا۔ کیونکہ سلاطین و امراء آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ ایک خدا تم کو دونوں چیزیں عطا فرمادیگا۔ صرف خدا کو حاصل کرلو۔ ساری چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی۔

☆مولانا وجیہہ الدین یوسف نے شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جس قدر نفس کے عیوب کو دور کرتا ہوں اسی قدر زیادہ عیوب نظر آتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا۔ یہ ایک انسان کا کمال ہے۔ کیوں کہ انسان جب کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی نظر اپنے عیوب پر زیادہ پڑتی ہے۔

☆ایک بار ارشاد فرمایا۔ دنیا سایہ کے مانند ہے۔ جب آدمی سایہ کی طرف رخ کرتا ہے تو وہ آگے آگے چلتا ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو پیچھے پیچھے آتا ہے۔

☆مجھکو شرق سے غرب تک تمام عالم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہتھیلی پر مرغی کا انڈا ہو۔

☆دل ایک ظرف کی مانند ہے۔ جب تک ظرف خالی ہے ہوا سے بھرا رہتا ہے۔ اور جب اس میں کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے تو وہ ہوا سے خالی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دل دنیا کی خواہش سے پُر ہوتا ہے۔ لیکن جب اس میں محبت بھر جاتی ہے تو خواہش نفس دور ہو جاتی ہے۔ اور پھر اللہ کی محبت بھر جاتی ہے۔

☆لوگوں کی راحت رسانی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں فرمایا۔ ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے۔ لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ لکڑی خود تو جلتی ہے۔ لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے۔ اسی طرح انسان خود تکلیف

اٹھائے۔ لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

☆ اگر تمہارا کوئی عیب ظاہر کرے تو دیکھو کہ تمہارے اندر وہ عیب ہے یا نہیں اگر ہے تو اس سے باز آجاؤ۔ اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو تم نے مجھ پر کرم کیا کہ میرا عیب مجھ کو بتایا۔ اور اگر تم میں یہ عیب نہیں ہے تو دعا کرو کہ الٰہی اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچائے۔ اور مجھ کو بھی بدکلامی سے محفوظ رکھے۔

☆ فرمایا ایک سخی ہوتا ہے۔ اور ایک بخیل۔ سخی وہ ہے جو مہمان کو دوست رکھتا ہے۔ اور بخیل وہ ہے جو دولت کو مہمان رکھتا ہے۔

☆ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل بھی کرنا چاہئے۔ اور احسان بھی۔ عدل تو یہ ہے کہ کھانے کے وقت ہم پیالہ کے ساتھ لقمہ کا انصاف کریں۔ یعنی برابر کھائیں۔ اور احسان یہ ہیکہ ہم پیالہ کے ساتھ اپنا لقمہ چھوٹا اٹھائیں اور جو چیز لذیذ اور اچھی ہو اس سے ایثار کریں۔

☆ ایک موقعہ پر مریدوں کو بتایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے وہاں فرشتہء رحمت داخل نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں یہ صوفیانہ نکتہ بیان کیا کہ نفس کتا ہے۔ اور خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت گویا تصویر ہے۔ ایسے آدمی کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہو سکتی ہے۔ خدا کی محبت کے لئے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ کی محبت سے دور رکھنا ضروری ہے۔

☆ بیوی، بچے باغ اور بوستاں ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے کوئی ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی، بچوں ہی سے بہلانا چاہئے۔ کیوں کہ یہ بھی عبادت ہے۔ (ماخوذ از: روضۃ الاولیاء)

فیض یافتگان:

حضرت شیخ برہان الدین کی ہدایت و تربیت سے جو لوگ روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے ان میں چند باکمال ہستیوں کے نام یہ ہیں۔

حضرت سید زین الدین، حضرت فرید الدین، حضرت فخر الدین، حضرت کاکا سعد بخت، حضرت رکن الدین کاشانی۔

(و) شیخ فخر الدین زرادی علیہ الرحمۃ وفات ۷۴۸ھ

ابتدائی حالات اور کسب علم:

مولانا فخر الدین زرادی علیہ الرحمۃ کا وطن سامانہ تھا۔ مبدأ فیاض نے قوت حفظ و ضبط اور ذہانت و ذکاوت بھرپور عطا فرمائی تھی۔ سامانہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد طلب علم کی کشش انھیں دہلی لائی۔ جہاں اس عہد کے مشہور م فخر الدین ہانسوی سے علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اور خوش طبعی، خوش کلامی اور فصاحت و بلاغت اور لطافت شعر و سخن میں ممتاز مقام حاصل کرلیا۔ لیکن ابتداء میں ان پر علوم ظاہری کا اس درجہ غلبہ رہا کہ وہ بحر سلوک و معرفت کے شناوروں پر اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ان کی شان میں نامناسب باتیں کہتے۔ بالآخر جذب معرفت نے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور شیخ المشائخ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئے۔

بیعت:

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی آپ کے داخل سلسلہ ہونے کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔ جب میں دہلی میں زیر تعلیم تھا۔ مولانا فخر الدین ہانسوی کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ ان دنوں مولانا فخر الدین زرادی، مولانا ہانسوی سے ہدایہ کا درس لے رہے تھے۔ اس حلقہ درس میں آپ سے زیادہ تیز طبع اور بحاث کوئی دوسرا طالب علم نہ تھا۔ مگر

جب کبھی سلطان المشائخ کا ذکر آتا تو تعصب سے کام لیتے اور مجھے یہ بات کافی گراں گزرتی۔ میں دل میں کہتا تم یہ باتیں اس وقت تک کرتے رہو گے جب تک ان کی زیارت نہیں کر لیتے۔ آخر کار میں نے ان کو شیخ المشائخ کی بارگاہ میں چلنے پر آمادہ کر لیا۔ جب ہم شیخ المشائخ کی خدمت میں پہنچے ادب سے بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الدین سے پوچھا۔ تم کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہدایہ، آپ نے دریافت کیا۔ کہاں تک پڑھ چکے ہو؟ انہوں نے سبق کا مقام بتایا۔ اور جو شبہات تھے ان کا انکشاف چاہا۔ شیخ نے کمالِ فراست سے ان کا اشکال معلوم کر کے تقریر شروع کر دی۔ اس گنجینہ علوم کی لطافتِ تقریر اور حسن ادا کو دیکھ کر مولانا فخر الدین دنگ رہ گئے۔ انہوں نے میرے کان میں کہا۔ میں ابھی مرید ہونا چاہتا ہوں۔ سلطان المشائخ نے ارادہ معلوم کر کے فرمایا۔ دوسری مجلس میں مرید کرونگا۔ شیخ فخر الدین نے عرض کیا کہ اگر اس مجلس میں مرید نہ ہوا تو خودکشی کر لونگا۔ محبوب الٰہی نے کمال مہربانی سے داخل سلسلہ فرمالیا۔

اس کے بعد مولانا فخر الدین نے دانشمندوں کے زمرے سے نکل کر قیل و قال ترک کر دیا۔ اور قرطاس و قلم دوسروں کے حوالے کر دیئے۔ علم و فضل کا غرور اور جاہ و مرتبہ کی طلب کو سر سے نکال دیا۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۷۲)

حلقہء ارادت میں داخل ہونے کے بعد شیخ فخر الدین نے غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی۔ نماز پنجگانہ آپ کے ساتھ ادا کرتے۔ اور خلوت و جلوت میں شیخ المشائخ سے باطنی فیوض و برکات حاصل کرنے لگے۔ اور حضرت کی زندگی میں اس آستانہ کرم سے کبھی جدا نہ ہوئے۔

عشق آنرا مسلم ست اے جاں
کو نہد سر بر آستانہء دوست

بیقراری:

چونکہ شیخ فخر الدین زرادی کو حضرت مرشد سے جو والہانہ تعلق اور بے نظیر شیفتگی تھی اس لئے جب حضرت مرشد نے دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی جدائی سوہان روح بن گئی۔ حد درجہ بے قرار و مضطرب ہوگئے۔ غیاث پور ترک کرکے دریائے جمنا کے کنارے مقیم ہوئے۔ پھر کچھ دنوں مولی میں رہے۔ وہاں سے حوض علائی پر قیام کیا۔ مگر سکون خاطر نصیب نہ ہوا۔ دہلی میں مستقل قیام نہ رہ سکا۔ اور سیر وسیاحت اپنا شیوہ بنالیا۔

سفر وسیاحت:

دہلی سے نکلے تو سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی زیارت کے لئے اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ وہاں سے شیخ کبیر حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ کے آستانہ پر حاضری کے لئے اجودھن گئے۔ وہاں سے حرمین شریفین اور بغداد گئے۔ اور حج وزیارت کی سعادت سے بہرمند ہوئے۔

صحرا و بیابان میں اقامت گزیں ہوکر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے۔ اور روحانیت کے مدارج کی تکمیل کرتے۔ میر خورد کرمانی رقمطراز ہیں:

"اس بزرگ (فخر الدین زرادی) نے سلطان المشائخ کے فیضان نظر سے دنیا میں کافی مقبولیت حاصل کی۔ جو بھی آپ کے چہرۂ زیبا کو دیکھتا قدموں پر گرجاتا۔ اور محبت میں اسیر ہوجاتا۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۷۴)

کیفیت مجاہدہ:

شیخ زرادی نے مجاہدہ و ریاضت کے لئے ویران اور خوفناک مقامات کا انتخاب کیا۔ جہاں لوگوں کا گزر بھی نہ ہوتا تھا۔ خلوت گزینی کے لئے ایسی جگہوں کا

انتخاب دنیا سے ان کی لاتعلقی، اہل دنیا سے بے نیازی اور یکسوئی و یک رنگی کی شہادت دیتی ہے۔ میر خورد کرمانی نے ایک ایسے ہی خطرناک مقام پر مجاہدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کا خلاصہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

بسالہ کے قریب ایک بند ہے۔ جس پر ایک مسجد ہے۔ وہاں مصروف عبادت و مجاہدہ ہوگئے۔ اس مقام پر ویرانی کی وجہ سے کسی کا قیام کرنا ممکن نہیں۔ شیر اور بھیڑیئے اور موذی جانوروں کا وہاں بسیرا تھا۔ آپ کے ساتھ دو تین دوست بھی تھے۔ کچھ دنوں تک کھانے پینے کی کوئی چیز میسر نہ آئی تو وہ انھیں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب سید میر خورد کرمانی کے والد کو خبر ہوئی۔ کھانے پینے کا سامان لے کر چند مخلصین کے ساتھ بسالہ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ فقر و مجاہدہ اور جہاد اکبر کا وہ بادشاہ بند میں پانی کی گذرگاہ کے درمیان جو شیروں اور اژدہوں کا گھر تھا اور جہاں جابجا سانپوں کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔ اس خوفناک مقام پر بے خوف و خطر یاد الٰہی میں محو تھا۔ آٹھ روز سے مسلسل روزہ تھا۔ افطار کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی مگر چہرے پر پژمردگی و اضمحلال کے آثار مطلقاً نہ تھے۔ وہ روح مجرد ہوگئے تھے۔ اور اس پہاڑ و بیابان کو اپنے حسن سے منور کر رہے تھے۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۷۴)

علم لدنی:

مولانا زرادی کے تبحر علمی کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ یہاں ایک واقعہ کی مدد سے ان کے علمی تبحر اور فقہ میں حاکمانہ بصیرت کا اندازہ لگانا آسان ہوگا۔

بغداد سے ایک عالم دین دہلی وارد ہوئے۔ شہر میں داخل ہونے سے قبل خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ بہشتی طبق، سبز ریشمی رومال سے ڈھکے ہوئے آسمان سے نازل ہو رہا ہے۔ اس نے دریافت کیا۔ اس طبق میں کیا ہے؟ فرشتہ نے جواب

دیا۔ یہ علم لدنی ہے۔ جسے حکم الٰہی سے مولانا فخر الدین زرادی کے پاک سینہ میں انڈیلنے جارہا ہوں۔ عالم نے پوچھا۔ یہ بزرگ کون ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا۔ ایک فاضل، علائق دنیا سے آزاد شیخ نظام الدین اولیاء کا مرید ہے۔

جب یہ عالم بیدار ہو کر مولانا فخر الدین زرادی کی ملاقات کے لیے غیاث پور آیا اور شیخ المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا اور مولانا زرادی سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا۔ وہ جماعت خانہ میں ہو گا یا سیدوں کے گھر میں۔ جب وہ جماعت خانہ میں آیا پوچھا مولانا فخر الدین زردای کون ہیں؟ حاضرین نے مولانا کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بلند قامت، خوبرو، خوش رنگ، انسان ایک گوشہ میں مصروف عبادت ہے۔ یہ عالم ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اور اپنا خواب بیان کیا۔ مولانا زرادی مسکرائے۔ اور فرمایا اس نام کے بہت سے افراد اس بارگاہ سے منسلک ہیں۔ نہ جانے وہ کون سا فخر الدین ہو۔ جس سے آپ ملنا چاہتے ہیں۔

فقہ کی دو کتابیں مجمع البحرین، اور تصریف مالکی (جو حد درجہ ادق اور مشکل ہیں) لے کر مولانا فخر الدین کے پاس آئے۔ اور عرض کی۔ تصریف مالکی میں قواعد و مقدمات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ اس کی مشکلات کو حل کرنا دشوار ہے۔ مجمع البحرین اور تصریف مالکی کی اب تک کوئی شرح نہیں آئی۔ جس کی مدد سے انھیں حل کیا جا سکے۔ مولانا نے دونوں کتابیں اس سے لے لیں اور نماز عشاء کے بعد تھوڑی دیر بعد تصریف مالکی کا مطالعہ کیا۔ اور اس کتاب کے تمام قیود و ضمائر اور دیگر مشکلات اپنے مبارک قلم سے ہر کلمہ کے نیچے لکھ دیئے۔ اور مشکل آسان کر دی۔ اور دن نکلنے کے بعد وہ کتاب اس عالم کے حوالہ کر دی۔ اور مجمع البحرین سبقاً سبقاً مولانا رکن الدین کو پڑھائی۔ جب بغدادی دانشمند نے مولانا کے اس تبحر علمی کو دیکھا تو کہنے لگا الحمد للہ میرا خواب سچ ثابت ہوا کہ ایسی قوت کسی ایسے آدمی ہی کو ہو سکتی ہے جس کے سینہ میں علم لدنی ہو۔

پھر مولانا زرادی نے ان دونوں کتابوں کا درس دیا۔ اور ان کے دقیق نکات کو آشکارا کیا تب یہ دونوں کتابیں عالمان شہر کے درمیان مشہور ہوئیں۔ (سیر الاولیاء، صفحہ ۲۷۶)

مولانا زرادی اور سلطان محمد بن تغلق:

سلطان محمد بن تغلق کا ارادہ تھا کہ وہ ترکستان و خراسان کو فتح کر کے چنگیز خاں کی اولاد کو شکست دے۔ اس نے دہلی اور اطراف دہلی کے تمام معززین و مشائخ کو حاضری کا حکم دیا۔ تاکہ اس کی ترغیب جہاد سے لوگ لشکر میں شامل ہوں۔ اس نے مولانا فخرالدین زرادی، شیخ نصیرالدین محمود اور شیخ شمس الدین یحیٰ کو بھی طلب کیا۔ مولانا زرادی سلطان سے ملنا گوارہ نہ کرتے تھے۔ انہوں نے کئی بار کہا تھا کہ میں اپنا سر اس محل کے سامنے غلطاں دیکھتا ہوں۔ یعنی فرمان شاہی پر بجبر و اکراہ سلطان کے محضر میں شریک ہوئے۔ جب آپ بادشاہ کے پاس پہنچے شیخ قطب الدین دبیر جو شاہی ملازم تھے مولانا زرادی کے شاگرد اور حضرت محبوب الٰہی کے مرید باصفا تھے۔ انہوں نے مولانا زرادی کی جوتیاں اٹھالیں۔ اور بغل میں لیکر مؤدب کھڑے ہوگئے۔ سلطان کو یہ بات سخت ناگوار گذری کہ میرا ملازم اور مولانا زرادی کی جوتیاں اٹھائے۔ مگر اس نے فی الحال خاموشی اختیار کرلی۔ سلطان نے مولانا فخرالدین زرادی سے کہا۔ ہم چنگیز خاں کی اولاد کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتے ہیں۔ آپ ہماری موافقت فرمائیں۔ مولانا نے جواب دیا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا یہ تو کلمہء شک ہے۔ شیخ نے جواب دیا مستقبل کے لیے یہی کہنا مناسب ہے۔ یہ جواب سن کر بادشاہ پیچ و تاب کھانے لگا۔ اور کہا کہ آپ مجھے نصیحت کریں کہ میں اس پر عمل کروں۔ شیخ نے فرمایا۔ غیظ و غضب اور غصہ کو پی جاؤ۔ سلطان نے پوچھا کون سا غصہ؟ مولانا نے فرمایا بہیمانہ غضب۔ اس بات سے وہ اور بھی غضبناک ہوا۔ غصہ کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر ہونے لگے۔ لیکن مصلحتاً خاموش رہا۔ اور حکم دیا کہ کھانا لاؤ۔ جب کھانا آیا تو شیخ فخرالدین اور سلطان محمد نے ایک ہی برتن

میں کھانا شروع کیا۔ سلطان شیخ کو خوش کرنے کے لیے گوشت ہڈیاں الگ کر کے آپ کے سامنے رکھنے لگا۔ مگر آپ بڑی کراہت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھا رہے تھے۔

کھانا ختم ہوا تو بادشاہ نے مشائخ کو رخصت کرنے کے لئے خلعت اور چاندی کے سکوں کا نذرانہ تیار کرایا۔ ہر شخص خلعت اور چاندی ہاتھوں میں لے کر جا رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ شیخ فخر الدین کو شاہی نذرانہ پیش کیا جائے۔ خواجہ قطب الدین دبیر نے خلعت اور چاندی اٹھالی۔ ان کو یہ احساس تھا کہ شیخ فخر الدین شاہی نذرانہ کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ جس سے بادشاہ غضبناک ہو گا۔ آپ کی بے حرمتی کے لیے آمادہ ہو جائے گا۔ جب یہ بزرگ چلے گئے تو سلطان نے شیخ قطب الدین دبیر سے غصہ میں کہا۔ اے مکار انسان تم نے یہ کیسی حرکتیں کیں۔ فخر الدین کے جوتے بغل میں دبا لیے۔ پھر اس کی تھیلی اور خلعت اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو میری تلوار سے بچالیا۔ اور اس کی بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین نے جواب دیا۔ وہ میرے استاذ ہیں۔ اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ اگر میں ان کی جوتیاں سر پر رکھ لوں تو زیب دیتا ہے۔ بغل میں رکھنا کیا ہے؟ بادشاہ مزید غصہ ہوا۔ اور کہا ایسی عقیدت سے باز آجاؤ۔ ورنہ تمہیں بھی قتل کر دونگا۔ مگر قطب الدین دبیر نے بادشاہ کی اس دھمکی کی مطلق پرواہ نہ کی۔ (سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۸۲)

زیارت حرمین شریفین:

کہا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق دولت آباد، دیو گیر کو ہندوستان کا مرکزی شہر اور عالم میں انتخاب بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے دہلی کے عوام و خواص کے ساتھ علماء و مشائخ، ادباء و شعراء کو بھی دیو گیر چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن صرف اتنی ہی بات نہ تھی۔ جو حکومت اہل حکومت سے بے نیاز مشائخ کے لیے کٹھن آزمائش تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا فخر الدین زرادی جیسے بے نفس عابد و زاہد اور غیور شیخ طریقت کے لئے دیو گیر میں رہنا از بس دشوار تھا۔ دولت آباد

پہنچنے کے بعد ان کے دل میں زیارت حرمین شریفین کا شوق پیدا ہوا۔ دربار شاہی سے واپسی کے بعد سفر حجاز کا ارادہ راسخ ہو گیا۔ بعض احباب سے مشورہ لیا۔ تو انہوں نے شاہی عتاب کا خوف دلایا۔ مگر دیارِ حبیب کا ذوق و شوق پروان چڑھتا رہا۔ اور وہ ایک دن دولت آباد سے عازم سفر ہوئے۔

سرمستی اور سرشاری کے عالم میں کوکن پہنچے۔ جہاز میں سوار ہونے لگے تو دولت آباد کے دوستوں کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر مرقوم تھا۔

یار آوارگی بسر دارد
رفتن حج بہانہ افتادہ ست

شیخ فخر الدین زرادی حجاز پہنچے۔ زیارت حرمین شریفین اور فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد عروس البلاد بغداد حاضر ہوئے۔ علماء و مشائخ بغداد نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور آپ کی آمد کو سعادت تصور کیا۔ یہاں قیام کے دوران حدیث نبوی کے درس میں مصروف رہے۔ بغداد سے دہلی کی جانب روانہ ہوئے۔

شہادت:

جس جہاز میں آپ سفر کر رہے تھے کثیر شاہی ساز و سامان کا بوجھ برداشت نہ کر سکا۔ اور ڈوبنے لگا۔ جہاز راں حضرت شیخ کی خدمت میں آئے۔ اور کہا۔ کافی وزن کی وجہ سے جہاز ڈوب رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو کچھ شاہی سامان دریا میں ڈال دیا جائے۔ تاکہ جہاز کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ مولانا زرادی نے فرمایا۔ مجھے اوروں کے مال میں تصرف کا حق کہاں ہے کہ دریا میں ڈالنے کا حکم دوں۔ جب جہاز ڈوبنے لگا۔ آپ مصلے پر قبلہ رو بیٹھ کر بحر مشاہدہ میں غرق ہو گئے۔ جہاز سمندر کی لہروں میں ڈوب گیا۔ اور آپ غریق رحمت ایزدی ہو گئے۔

(سیر الاولیاء، صفحہ: ۲۸۳۔۲۸۲، مراۃ الاسرار، صفحہ ۸۷۹)

☆☆☆

کتابیات

کتاب	مصنف	مطبوعہ
صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	دہلی
جامع ترمذی	امام ابو عیسیٰ ترمذی	دہلی
تاریخ فرشتہ جلد اول دوم	محمد قاسم فرشتہ	منشی نولکشور، لکھنؤ
فوائد الفواد	خواجہ حسن علا سنجری	دہلی
سیر الاولیاء	سید محمد بن مبارک کرمانی	ادبی دنیا، دہلی
مراۃ الاسرار	شیخ عبدالرحمان چشتی	مکتبہ جام نور دہلی
اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	کتب خانہ غازیہ۔ دہلی
قصر عارفاں اول دوم	شیخ احمد علی چشتی	مکتبہ فیض رضا، دہلی
سیر العارفین	حامد بن فیض اللہ جمالی	اردو سائنس
خزینۃ الاصفیاء اول دوم	مفتی غلام سرور لاہوری	منشی نولکشور کانپور
انوار الاولیاء	رئیس احمد جعفری	نیو حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی
بزم صوفیہ	صباح الدین عبدالرحمٰن	دار المصنفین اعظم گڑھ
تذکرہ الاولیاء ہند و پاک	مرزا محمد اختر دہلوی	کتب خانہ رشیدیہ دہلی
مونس الارواح	شہزادی جہاں آرا بیگم	خیر اکڈمی، دہلی
جامع تاریخ ہند	پروفیسر خلیق نظامی	ترقی اردو بیورو۔ دہلی
تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق نظامی	ندوۃ المصنفین۔ دہلی

شیخ نظام الدین اولیاء	پروفیسر خلیق نظامی	نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا۔ دہلی
تاریخ فیروز شاہی	عبدالقادر بدایونی	مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ
دکن کے بہمنی سلاطین	محمد ہارون خان شیروانی	ترقی اردو بیورو۔ دہلی
مقدمہ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون	لاہور
بابا شیخ فرید	گربچن سنگھ طالب	نیشنل بک ٹرسٹ۔ دہلی
بابا فرید	بلونت سنگھ آنند	ساہتیہ اکیڈمی۔ دہلی
سفینۃ الاولیاء	شہزادہ دارا شکوہ	
تذکرہ محبوب الٰہی	اخلاق حسین دہلوی	کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی
حضرت نظام الدین اولیاء	پروفیسر محمد حبیب	شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی
افضل الفواد	مرتبہ امیر خسرو دہلوی	دہلی
فرید گنج شکر		
خیر المجالس	مرتبہ خواجہ جنید قلندر	دہلی
مردان خدا	ضیاء علی خان اشرفی	شوقین بکڈپو۔ بدایوں
عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین عمر سہروردی	دہلی
کیمیائے سعادت	امام غزالی	دہلی
نفحات الانس	مولانا عبدالرحمٰن جامی	دہلی
سفر نامہ ابن بطوطہ	ابو عبداللہ ابن بطوطہ	دیوبند
راحت القلوب ملفوظات شیخ	مرتبہ محبوب الٰہی	دہلی
بابا فرید الدین گنج شکر	شبیر حسن چشتی نظامی	دہلی
مفتاح العاشقین	خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی	دہلی
سیر الاقطاب	حضرت الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم	کراچی

☆☆☆

الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اردو ترجمہ بنام

دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق و آداب (مکمل)

نسخہ جدیدہ

تصنیف: امام المحدثین قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ: مولانا علامہ سید احمد علی شاہ بٹالوی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تخلقوا باخلاق اللہ (الحدیث)

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اخلاق اختیار کرو

اسلامی اخلاق و آداب

عبدہٗ

جن کے اختیار کرنے سے انسانی شخصیت میں
عجیب جاذبیت، دلکشی اور دل نوازی پیدا ہو جاتی ہے

صدر الشریعہ مولانا علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ
(مصنف بہار شریعت)

ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (الآیۃ)
جو تم پر زیادتی کرے اس پر تم بھی اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے

محتسب خم شکست، من سر اُو
سِنّ بالسِّنِّ والجُرُوحُ قِصاص

محتسب نے گھڑا توڑا، میں نے اس کا سر، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے زخم

تحقیقات

نسخہ عبدہ

اہلِ سنّت وجماعت اور دیوبندی مکتبہ فکر کے اختلافات اور
امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ پر کیے جانیوالے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

فقیہ الہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ
شارح بخاری وصدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور ہند

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

ماثبت من السنۃ (عربی)

ایّامِ اسلام

(اردو ترجمہ)

پورے سال کے مسنون اعمال و اشغال کا بیان
نیز ناجائز اور ممنوع رسموں کا ردّ

تصنیف
امام اہل سنت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ترجمہ
مولانا علامہ مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فرید بُک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
Email: info@faridbookstall.com